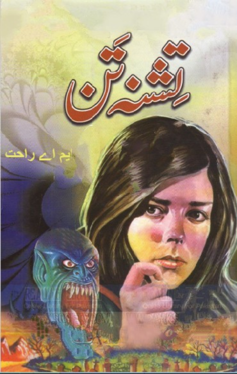
تشنہ تن
ایم اے راحت

②

تشنہ تن

ایم۔اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

© جملہ حقوق محفوظ

2008ء

اہتمام ملک مقبول احمد
سرورق انیس یعقوب
ناشر مقبول اکیڈمی
مطبع خورشید مقبول پریس
قیمت -/250 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

ایک "بے بدن"
کے نام

ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ہر چندی کی سرگوشی سنائی دی۔

''سن۔ اب تیری آواز میں' میں بولوں گا لیکن اس سے پہلے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو دھیان سے سن لے۔ جیسے ہی میں تجھے کہوں تو بھاگ کر اس غسل خانے میں داخل ہو جانا جو سامنے نظر آ رہا ہے اور دروازہ اندر سے بند کر لینا۔ بس اس کے بعد بے فکر ہو جانا'' اسی وقت آواز ابھری۔

''بول کمینے۔ جواب دے۔ خاموش کیوں کھڑا ہوا ہے۔''

''جواب میں نہیں دوں گا بلکہ جواب دیں گے مولوی رجب حسین۔'' یہ ہر چندی کی آواز تھی جو میرے منہ سے نکلی تھی اور وہ بزرگ بری طرح اچھل پڑے تھے۔ تب میرے منہ سے ہر چندی کی آواز ابھری۔

''کہہ دیا تھا میاں جی۔ کہہ دیا تھا کہ تم سے ناگ کی دم پر پاؤں نہ رکھو' پلٹ کر ڈس لے گا۔ مگر تم کہاں سمجھنے والے تھے۔ تم سے کہہ دیا تھا کہ مولوی جی گھر بھسم کر دیں گے۔ سو ہم نے وچن پورا کر دیا۔ آگ لگ گئی تمہارے گھر کو۔ اب بجھاتے رہو جواب بجھ کر نہ رہے گی۔ بہت برا سلوک کیا تھا تم نے ہمارے ساتھ۔ اتنے سارے اکٹھے ہو گئے تھے کہ ہم جان نہ بچا سکے۔ مگر کہہ رہے تھے ہم تم سے کہ دیکھو باز آ جاؤ۔ ورنہ بدلہ لیں گے تم سے ارے اب سے آیا ہے بدلہ لینے کا ملا جی! اب اپنا گھر پھنکنے کا تماشا دیکھو' آگ لگائی ہے ہم نے اور سنو۔ یہ جو ہے نا یہ جسے تم دیکھ رہے ہو یہ وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو؟ بس تمہاری آنکھوں کا پھیر ہے اور تمہاری آنکھوں میں یہ پھیر ہم نے پیدا کیا ہے۔ ہم نے سمجھے۔ بتا دینا دوسروں کو کہ ہر چندی نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

ملار جب حسین' سمجھ لو اور تم سب لوگ بھی سن لو یہ شعیب نہیں ہے بلکہ یہ تمہارے ملار جب حسین مہاراج ہیں۔ جنہوں نے تم لوگوں کو اس مشکل میں ڈالا ہے۔ بڑے مہان ہیں یہ۔ بڑے دیوتا سمان ہیں۔ کیا سمجھے؟'' اچانک ہی بزرگ رجب حسین نے پوری قوت سے چیخ کر کہا۔

''پکڑ لو اس بدمعاش کو جانے نہ پائے دروازہ بند کردو' چلو جلدی کرو۔'' اور دروازے کے قریب کھڑے ہوئے دو ملازموں نے دروازہ بند کردیا۔ لیکن میرے وجود میں ہرچندی زور سے ہنسا پھر بولا۔

''کام تو ہو گیا ملاجی۔ اب جو مرضی آئے کرتے رہو۔'' پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ بھاگ لے۔ جو میں نے کہا ہے وہ کر۔ اور میں نے بے اختیار غسل خانے کی جانب چھلانگ لگادی۔ سمجھ تو واقعی کوئی نہیں پایا ہوگا کہ قصہ کیا ہے؟ لیکن دوڑ سب پڑے تھے میری طرف۔ میں نے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہوکر اسے اندر سے بند کرلیا۔

ہرچندی کے ہنسنے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے کہا۔

''اس کونے میں کھڑا ہو جا اور آرام سے کھڑا ہوکر تماشا دیکھتا رہ۔ جو میں کہتا ہوں وہ کرتا رہ۔ بس پروا کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔'' باہر سے دروازہ پیٹنے کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ لوگ چیخ رہے تھے۔

''دروازہ کھولو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ غسل خانے کا دروازہ توڑا نہیں جاسکتا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ دروازہ کھول دو۔ ورنہ ہم مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دیں گے۔ کھولو دروازہ۔'' یہ آوازیں زور زور سے سنائی دے رہی تھیں اور ان میں مولوی رجب حسین کی آواز بھی تھی۔

''دروازہ کھول دے ہرچندی۔ اب تو یہاں سے بچ کر نہیں جاسکے گا۔ کھول دے دروازہ۔'' ہرچندی کے ہنسنے کی آواز میرے کانوں میں ابھری تھی۔ میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ یہاں Ventilation کا انتظام تھا لیکن ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں سے باہر نکلا جاسکے۔ البتہ غسل خانہ بہت وسیع تھا اور اس میں وہ گوشہ جس میں ہرچندی کے کہنے پر میں آکھڑا ہوا تھا۔

دروازے سے کافی دور تھا ہرچندی قہقہے مار مار کر ہنس رہا تھا لیکن اس کی آواز شاید میں ہی سن رہا تھا۔ پھر باہر دھماکے سنائی دینے لگے۔ وہ لوگ چیخ رہے تھے چلا رہے تھے۔ کسی نے کہا۔

''کلہاڑی لاؤ۔ کلہاڑی سے دروازہ توڑو۔'' دروازہ توڑا جانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا لاک ٹوٹ گیا اور دروازہ پوری قوت سے کھل گیا۔ اندر داخل ہونے والے وہ تمام نوجوان تھے۔ باہر دادا جان یعنی مولوی رجب حسین چیخ رہے تھے۔

''وہ نکل کر نہ جانے پائے۔ پکڑ لو اسے پکڑ لو۔'' لیکن اندر داخل ہونے والے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

''پکڑ لیا۔'' دادا جان نے باہر سے پوچھا۔

''وہ یہاں نہیں ہے۔''

''کیا؟''

''ہاں! وہ یہاں نہیں ہے۔'' ان کے ان الفاظ پر میں بھی حیران ہوا تھا۔ ہرچندی نے مدھم لہجے میں میرے کان میں کہا۔

''دیکھ نہیں سکتے سسرے تجھے۔ سب کچھ خالی لگ رہا ہوگا انہیں۔'' اور حقیقتاً وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے کہ مجھے بھی ہنسی آرہی تھی۔ پھر وہ باہر نکل گئے باہر سے آواز سنائی دی۔

''دادا جان! اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''حالانکہ وہ ہمارے سامنے ہی اندر گھسا تھا۔''

''آہ نکل گیا بدبخت نکل گیا۔ خدا اسے غارت کرے۔ خدا اسے غارت کرے۔''

''لیکن! کون تھا وہ؟'' کسی نے سوال کیا؟ میں یہیں سے تمام آوازیں سن رہا تھا۔

''ایک بدروح! ایک کالے علم کا ماہر۔ میرا ایک دشمن لیکن' لیکن میرے بچو صبر سے کام لینا ہوگا

تمھیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ آہ جو کچھ ہو چکا ہے اس میں قصوروار میں ہوں۔ میرا بچہ شعیب قصور وار نہیں ہے۔ یہ وہ تھا ہی نہیں۔ یہ تو وہ شیطان تھا جو جو۔۔۔'' بزرگ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ابا میاں! آپ کے وظیفے' آپ کی پیری مریدی آپ کی چلہ کشی نے ہمارے گھر کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔ اس سے پہلے بھی ہم آپ کو منع کرتے رہتے ہیں۔ آخری عمر گزار رہے ہیں آپ۔ اللہ کو یاد کریں۔ روزے رکھیں' نماز پڑھیں' ارکان دین ادا کریں' یہ وظیفے اور چلے آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکے ہوں تو بے شک لیکن آپ نے اس آخری عمر میں بھی ہم لوگوں کی پیشانی داغدار کر دی۔''

''ہماری آنکھیں جھکا دیں۔'' کہنے والا خاموش ہو گیا میں سب کچھ سن رہا تھا اور ہر چندی ہنس رہا تھا۔ پھر اس نے میرے کان میں کہا۔

''یہ جو مولوی صاحب ہیں نا۔ بڑا عالم سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔ ہمیں گھیر لیا تھا ان پاپیوں نے۔ ایک نہیں ابھی تو کئی ہیں۔ اب تو سمے آیا ہے ان سب سے بدلے لینے کا۔ ارے ہماری جو حالت تو دیکھ رہا ہے نا وہ ان سب کی بنائی ہوئی ہے۔ سارے کے سارے اکٹھے ہو گئے تھے۔ مجھ غریب کے خلاف اور سب نے اپنے اپنے عمل کر ڈالے تھے۔ میری یہ حالت بنا دی نہیں تو میں بھی ایک سندر جوان تھا۔ سمجھا تو میں بھی ایک سندر جوان تھا۔''

''مگر اب کریں کیا ہر چندی؟'' میں نے سوال کیا۔

''ارے دس منٹ کھڑا رہ بس۔'' یہ سارے کے سارے نکلنے والے ہیں یہاں سے۔ آرام سے نکلیں گے اور پھر اس گھر سے باہر نکل جائیں گے۔'' اس نے کہا اور میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ میرے ذہن میں متضاد خیالات تھے۔ ایک لمحے کے لیے عرفانہ کا خیال بھی آیا تھا۔ جو اپنے شوہر شعیب کی جدائی سے دیوانی ہو گئی تھی اور مجھے شعیب کی حیثیت سے دیکھ کر اس نے ہزاروں شکایتیں مجھ سے کر ڈالی تھیں۔ بے چاری اب نہ جانے کس کیفیت کا شکار ہو گی؟ اور وہ عورت؟ لیکن بہر حال یہ چند روز جو یہاں گزرے تھے میری پسند کے مطابق تھے۔ ہر چندی تو واقعی ایک قابل عزت شخصیت تھا۔ اس نے تو میری تمام دلی خواہشوں کی تکمیل کر دی تھی۔ میں یہی باتیں سوچتا ہوا خاموش کھڑا ہوا تھا۔ باہر کی آوازیں اب بھی میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ عورتیں رو رہی تھیں اور مرد نہ جانے کیا کیا سرگوشیاں کر رہے تھے۔ غسل خانے کا دروازہ خیر پورے کا پورا کھلا ہوا تھا اور وہ باری باری اندر جھانک لیا کرتے تھے لیکن ہم انہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ پھر ایک ایک کر کے وہ سب شاید ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔ تو ہر چندی نے کہا۔

''اب آرام سے چل اور باہر نکل۔'' میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ حالانکہ تھوڑا سا خوف میرے دل میں تھا اس بات کا کہ کہیں مجھے دیکھ نہ لیا جائے لیکن تم یقین کرو علی فیضان کہ میں بڑے اطمینان سے ان لوگوں کے درمیان سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا اور کسی نے میری جانب توجہ نہیں دی۔ وہ اپنے اپنے چکروں میں لگے ہوئے تھے۔ دل تو چاہا کہ ذرا ایک لمحے کے لیے عرفانہ کا جائزہ لے لوں اور یہ دیکھ لوں کہ بھائی ریحان اور بھابی جان بلکہ سویٹ بھابی جان کا کیا حال ہے؟ لیکن ہر چندی نے میرے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''جہاں تھوک دیا۔ وہاں تھوک دیا۔ بس اب یہاں سے نکل۔'' دنیا بہت بڑی پڑی ہے چل کہیں آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

تو نے میری من کی مراد پوری کر دی ہے۔ پہلی مراد پوری کی ہے تو نے۔ تو دیکھ لینا یہ سنسار تیرے چرنوں میں نہ جھکا دوں تو ہر چندی نام نہیں ہے۔ وہ دوں گا تجھے جو تو نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا ہو گا۔ سمجھا وہ دوں گا تجھے۔'' میں مسکراتا ہوا اس عظیم الشان مکان سے باہر نکل آیا تھا اور اس کے بعد کافی فاصلے تک پیدل چلتا رہا تھا میں نے ہر چندی سے پوچھا۔

''اب مجھے کوئی دیکھ رہا ہو گا یا نہیں؟''

''سب دیکھ رہے ہیں۔'' وہ تو بس اس گھر کے دروازے کے اندر اندر کی بات تھی۔ باہر سب ٹھیک ہے یہ نہ سمجھنا کہ تجھے کوئی دیکھ نہیں پا رہا۔''

''ہر چندی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں مستقل اسی حالت میں رہوں؟''

''نہیں! ارے ان سنساروالوں سے تجھے سنساروالوں ہی کی طرح ملنا ہوگا اگر چھپا رہے گا تو پھر مزہ کیا آئے گا۔''

''تمہاری بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں ہرچندی۔''

''ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں بالک۔ ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں۔ سارا گرم گرم حلق میں نہیں انڈیل لینا چاہیے منہ جل جاتا ہے۔ تو یہ بتا کہ یہاں جو تیرے دن گزرے تجھے اچھے لگے یا نہیں؟'' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''بہت اچھے؟''

تو بس سمجھ لے کہ میرا اور تیرا ساتھ پکا۔ اب آگے چل ابھی تو بہت سی کہانیاں پڑی ہوئی ہیں۔'' وہ مزہ آئے گا تجھے میرے ساتھ رہ کر کہ تو بھی جیون بھر یاد کرے گا۔

بڑے بڑے بادشاہوں حکمرانوں سے زیادہ تیری عزت ہوگی۔ مجھے تو بس یہ خوشی ہے کہ تو نے من سے مجھے جان لیا ہے۔''

''ہاں ایسا تو ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا اور وہ شیطان بھی ہنسنے لگا۔''

یوسف باگا چند لمحات کے لیے خاموش ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی طلسم ٹوٹ گیا ہو۔ میں کھوئی کھوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جدھر یوسف باگا کا وہ مصنوعی ڈھانچہ پڑا ہوا تھا جس کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کوئی جیتا جاگتا انسان نہیں ہے بلکہ بس ایک شوق ہے ایک اشارہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ تو یوسف باگا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے خوشی ہے کہ احمقوں کی طرح تم نے کسی شدید حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ بات صرف اتنی نہیں ہوتی علی فیضان کہ ٹریفک ایک رخ پر چل سکے۔ انسان جب تک اسی معیار کا نہ ہو جس معیار کا انسان اس سے کسی توقع کا طالب ہوتا ہے۔ تو لطف نہیں آتا یوں سمجھو بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ میں تمہیں اپنی کہانی سنا رہا ہوں اور یقین کرو اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کو اپنی یہ کہانی نہیں سنائی لیکن تم یہ سوچ رہے ہوگے کہ ایک دلچسپ اور پراسرار کہانی تمہارے علم میں آرہی ہے۔

جانتے ہو میں کیا سوچ رہا ہوں۔''

''نہیں باگا صاحب۔''

''اصل میں، میں نے تم سے اب تک یہ نہیں کہا کہ کوئی غیر انسانی مخلوق ہوں۔ میرا تعلق کسی سیارے سے ہے یا میں اس کائنات میں بکھری ہوئی ہر شے پر قابض ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ زندگی بھر کی کاوشوں نے مجھے تھوڑا سا علم دیا ہے۔ میرا آغاز تو تم سن ہی چکے ہو۔ تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ میں کچھ علوم جانتا ہوں اور اللہ کے فضل سے ان پر مجھے قدرت بھی حاصل ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے لیے حکم ہے کہ میں اپنی محنت کا کیا ہوا کھاؤں اور یہ عمارتیں یہ تمام چیزیں جواب میری ملکیت ہیں اور جن کا کرایہ میں وصول کرتا ہوں شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ شدید محنت اور مزدوری کر کے میں نے انہیں تعمیر کیا ہے۔ تمہیں حیرت ہوگی اور تم سوچو گے کہ میں نے ایسا کیسے کیا؟ لیکن اس حیرت کرنے سے پہلے میں تمہاری یہ حیرت رفع کیے دیتا ہوں میں نے بہت سے کام ایسے کیے ہیں جن کے لیے مجھے بڑی شدید محنت کرنا پڑی ہے اور اس کے بعد میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ ویسے یہ میری داستان کا ایک حصہ ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ داستان کی ترتیب یکساں رہنی چاہیے اگر میں پہلے سے تمہیں اس بارے میں بتا دیتا ہوں تو داستان کا موضوع ختم ہو جائے گا اور کہانی بہت ہی بے جان رہ جائے گی۔ اس لیے رفتہ رفتہ چلو تاکہ تمام صورت حال کے بارے میں صحیح طریقے سے اندازہ لگا سکو۔''

''مجھے پورا پورا احساس ہے باگا صاحب اور یقینی طور پر یہ کہانی اس قدر دلچسپ ہے کہ ایک لمحے کی آپ کی خاموشی مجھے اچھی نہیں لگتی۔''

''نہیں! دیکھو ایک بات کہوں علی فیضان اب میرے اور تمہارے درمیان اس قدر گہرے رابطے قائم ہو گئے ہیں کہ جس طرح تم میرے مفادات کے نگران ہو اسی طرح مجھے بھی تمہارے مفادات کی نگرانی کرنی چاہیے۔ دلچسپ کہانیاں بے شک قصہ گوئی کا ایک جزو ہوتی ہیں لیکن اس کے لیے دنیا کو ترک کر دینا بالکل مناسب نہیں ہوتا تارک دنیا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تو اس وقت

ہوتا ہے جب انسان دنیاداری سے سینکڑوں میل دور نکل جائے میں اس دنیا سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکا۔تو تم نے تو ابھی اپنی زندگی کا آغاز ہی کیا ہے گو ہم میں سے ہر شخص اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات کو یوں سمجھتا ہے کہ وہ ایک طویل کہانی بن چکا ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا علی فیضان طویل کہانی بننے کے لئے عمر درکار ہوتی ہے۔''

''جی باگا صاحب۔''

اور ابھی تمہاری عمر کے نہ جانے کتنے سال باقی پڑے ہوئے ہیں۔ترک دنیا تو میں بھی نہیں کرسکا تمہیں بھی نہیں کرنی چاہیئے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''دیکھو! انسان کا رابطہ جب دنیا سے ہوتا ہے تو اسے اور بھی بہت سے مشاغل میں مصروف ہونا پڑتا ہے۔جیسے تم اب میرے پاس بیٹھے رہو گے۔کھاتے پیتے رہو گے' تو اس کہانی کا مزہ خراب ہو جائے گا۔''

''میرے خیال میں نہیں باگا صاحب۔'' میں نے کہا۔

''مگر میرے خیال میں ہے۔''

''جی جیسا آپ کا حکم۔''

''بہتر یہ نہیں ہوگا کہ دنیا کے دوسرے معاملات سے بھی دلچسپی رکھی جائے۔''

''آپ یہ بات اچھی طرح جان چکے ہیں باگا صاحب کہ میرا ابھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ایک طرح سے تنہا زندگی گزار رہا ہوں۔''

''بیٹے! بات اصل میں یہ ہے کہ خالق کائنات نے تمام باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔رشتے جنم لیتے ہیں' ختم ہو جاتے ہیں' جو جیتا ہے وہ نئے رشتے تراشتا ہے اور یہ نئے رشتے اسے جینے میں مدد دیتے ہیں۔تم کہتے ہو اس دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے' میں کہتا ہوں ہے ساری دنیا تمہاری ہے' کون کب اور کس طرح تمہاری زندگی میں آتا ہے ابھی تھوڑے دن پہلے ہی کی بات

لے لو اس بچی سے تم متاثر نہیں ہو گئے تھے جس کا نام نازنین تھا یہ الگ بات ہے کہ وہ کچھ اور نکلی۔ہم ان تمام مجبور اور بے بس انسانوں کو برا نہیں کہتے۔وہ بچی جب اپنی ماں کی آغوش میں آئی ہوگی تو اتنی ہی معصوم ہوگی جتنی اس دنیا میں پیدا ہونے والے دوسرے بچے۔اب یہ تو وقت تھا کہ اس نے اسے نازنین بنا دیا اور وہ شکار پھانس پھانس کر اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتی رہی اور کرتی رہے گی۔ہم قدرت کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے۔لیکن اگر تھوڑی بہت دنیا کی مدد ہو جائے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے اور اس کے لیے دنیا سے رابطہ ضروری ہوتا ہے۔''

''جی باگا صاحب! آپ یقین کر لیں میری بات کا کہ مجھے اب یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ملازمت کے ساتھ ساتھ مجھے ایک اچھا دوست مل گیا ہے اور وہ میری رہنمائی کر رہا ہے۔ مجھے جینے میں مدد دے رہا ہے ورنہ بعض اوقات یہ حقیقت ہے کہ جینا بے مقصد معلوم ہوتا ہے۔''

''نہیں علی فیضان جیو اور جیتے رہو اور اتنے عرصے جیو کہ دنیا سے تمہارا دل بھرنے لگے۔یہ تو اللہ کا کام ہے کہ وہ کب کس کی واپسی چاہتا ہے اس بارے میں کبھی نہ سوچو۔سوچو گے تب بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''جی آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔''

''چنانچہ میری رائے ہے کہ اب جاؤ آرام کرو اور اس کے بعد معمول کے مطابق اپنے کام جاری رکھو کہانیوں کا کیا ہے یہ تو جاری رہتی ہی ہیں۔''

''جی بہتر! میں وہاں سے اٹھ گیا اور پھر فاصلہ طے کر کے اپنے فلیٹ پر پہنچ گیا۔یوسف باگا نے اب تک کی جو کہانی سنائی تھی درحقیقت وہ میرے لیے بڑی عجیب و غریب نوعیت کی حامل تھی اگر آپ کسی طلسمی ماحول میں پھنس جائیں اور کوئی ایسی شخصیت آپ کے علم میں آجائے جو انتہائی عجیب ہو تو آپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ آپ اسے زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کریں۔ظاہر ہے میں بھی آپ ہی کی طرح ہوں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یوسف باگا کو میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔میں اس داستان کو مکمل طور پر سن لینا چاہتا تھا لیکن کہانی کا آغاز یہ بتا

رہا تھا کہ وہ واقعی خاصی طویل رہے گی اور میرے لیے بھی اس میں دلچسپی کا سامان پیدا ہو گیا تھا۔
رات کو نہ جانے کس وقت نیند آئی اور صبح کو البتہ وقت پر آنکھ کھل گئی اور شاید یہ آنکھ کسی وجہ سے ہی کھل گئی اور شاید یہ آنکھ کسی وجہ سے ہی کھلی تھی۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ کیا بات ہو سکتی ہے؟ لیکن تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرا دروازہ بجایا جا رہا ہے تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی چونکہ دروازے میں بیل لگی ہوئی تھی۔ پتا نہیں بیل بجانے کی بجائے دروازہ کیوں بجایا جا رہا ہے؟ بہرحال میں تیزی سے آگے بڑھا اور میں نے دروازہ کھول دیا مسیحا کو دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا تھا لیکن اس کی سرخ آنکھیں اور رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کی لکیروں نے میرے دل کو نہ جانے کیا کر دیا۔ میں بے اختیار آگے بڑھا اور میں نے اس چھوٹی سی بچی کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

''ارے سیما بیٹے! آپ شاید رو رہی ہیں؟''

''جی انکل۔''

''کیوں؟''

''ڈر لگ رہا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے انکل۔ میرے چھوٹے بھائی بھی ڈر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ امی ابو کہاں گئے؟''

''ابو تو امی کو لے کر گئے ہوئے ہیں۔ بہت تھوڑی دیر کے لیے آتے ہیں۔ رات کو بھی بہت دیر سے آئے تھے اور صبح ہی صبح چلے گئے۔ امی نہیں آئیں اس بار۔''

''کیا مطلب؟''

''وہ ہسپتال میں ہیں۔ ابو یہی کہتے ہیں۔''

''ارے! اور آپ نے ہمیں بتایا بھی نہیں سیما۔''

حمیدی

''کیسے بتاتی آپ کو گھر پر ملتے ہی نہیں ہیں۔ اس وقت بھی یہ سوچ کر دروازہ پیٹ رہی تھی کہ شاید آپ گھر پر ہوں۔''

''اوہو! یہ تو بہت افسوس کی بات ہے کیا ہو گیا ہے آپ کی امی کو؟''

''اب ہماری اتنی عمر تو ہے نہیں کہ ساری باتیں ہمیں بتا دی جائیں۔ امی بیمار ہو گئی ہیں۔ بہت عرصے سے بیمار ہیں۔ ابو انہیں ہسپتال لے جاتے ہیں۔ دوا آ جاتی ہے مگر ایسا لگتا ہے جیسے امی اس بار زیادہ بیمار ہو گئی ہوں۔ آپ نے دیکھا نہیں وہ تو بہت کمزور بھی ہو گئی ہیں۔''

''ہم نے کہاں دیکھا ہے۔ بیٹے آپ کی امی کو؟''

''آپ ہمیں پہلے یہ بات بتائیں۔ ساری باتیں تو آپ بتاتی رہی ہیں۔ لیکن آپ نے ہمیں یہ بات نہیں بتائی۔''

''بس بہت سی باتیں یاد بھی نہیں رہتیں بتانا۔ لیکن اب ہمیں بڑا ڈر لگ رہا ہے۔''

''مجھے تو بہت ہی افسوس ہوا۔ ابو کب آئیں گے اب آپ کے؟''

''پتا نہیں کب آئیں گے؟ کہہ کر گئے تھے کہ بیٹا ناشتا کر لینا۔ بازار سے روٹیاں لے کر آئے تھے اور چھوٹے بھائیوں کو ہم نے روٹیاں کھلا دی ہیں۔ امی کے بغیر ہمارا تو کھانے کو دل بھی نہیں چاہتا۔''

''ارے میرا بیٹا! کہاں ہیں تمہارے چھوٹے بھائی؟''

''وہ تو اندر ہیں کھیل رہے ہیں۔''

''تو پھر ڈر کیسے لگ رہا ہے؟''

''ہمیں۔''

''اتنا تو نہیں ڈرتے بیٹا۔''

''ہمیں ڈر اس بات سے نہیں لگ رہا ہے بلکہ کچھ دوسری باتیں ہیں۔''

''کیا ہیں؟''

''آپ کو ایک بات بتائیں ہم؟''

''جی بتائیے آئیے اندر آجائیے۔''

''نہیں اندر نہیں آئیں گے۔ بھائی ڈر جائیں گے۔''

''اچھا چلیے۔یہیں بتا دیجیے۔''

''ابو رات کو رو رہے تھے۔'' اس نے راز داری سے کہا۔

''اوہ! اچھا۔'' میں نہ جانے کیوں ایک عجیب سے دکھ بھرے احساس کا شکار ہو گیا تھا۔

''آپ کو پتا ہے نا انکل کہ مرد کبھی روتے نہیں ہیں۔ ابو رو رہے تھے تو مجھے بہت عجیب لگا۔ پھر میرا دل چاہا کہ میں بھی خوب روؤں مگر ابو کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ میں روتی تو وہ مجھے ڈانٹتے۔''

''بیٹا! اب ابو کس وقت آئیں گے؟''

''پتا نہیں انکل، معلوم نہیں۔''

''میں پریشانی سے سوچنے لگا کہ اب میں کیا کروں؟ اپنی اس ننھی سی دوست کو میں غموں میں گھرا ہوا چھوڑ کر یوسف باگا کی کہانی سننے کے لیے دوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ یوسف باگا کے پاس جا کر چھٹی لے آؤں اور کہوں کہ اس طرح ایک معصوم بچی تنہا ہے۔ میں تھوڑی سی اس کی تیمارداری کرنا چاہتا ہوں۔ سامنے والے گھر میں ہی رہتی تھی اس کے دو چھوٹے بھائی تھے۔ لیکن اس کے علاوہ میری اس گھر کے کسی فرد سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے معلوم کرنا چاہیے۔ ویسے بھی تھوڑا سا انسانی فرض ہے نبھا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دنیا سے اس قدر بے رخی بھی اچھی بات نہیں ہوتی لیکن یوسف باگا صاحب سے اجازت لیے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے سیما سے کہا۔

''سیما بیٹے! ایک کام کرتے ہیں۔''

''جی انکل۔''

''اب یوں کرتے ہیں کہ میں چھٹی لے کر آتا ہوں۔ میں کام کرتا ہوں نا دفتر میں۔ اپنے دفتر میں

جا کر میں اپنے دفتر کے مالک سے چھٹی لے لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہماری سیما اکیلی ڈرے گی اس لیے ہم کچھ وقت نہیں آسکیں گے۔''

''انکل آپ؟''

''ہاں! اور ایک کام اور کریئے گا آپ۔''

''جی انکل۔''

''آپ کے ابو آئیں نا تو ان سے کہیئے کہ انکل سے ضرور مل لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے ملے بغیر چلے جائیں۔''

''جی انکل! میں کہہ دوں گی۔''

''ویسے بیٹا! ایک بات بتایئے؟''

''جی انکل۔''

''کبھی آپ کے ابو نے منع تو نہیں کیا کہ آپ ہمارے فلیٹ میں نہ آیا کریں۔''

''نہیں انکل! بالکل نہیں نہ امی نے منع کیا نہ ابو نے۔ بلکہ امی بھی یہ کہتی ہیں۔ ایک دو بار ابو سے کہہ رہی تھیں کہ سامنے والے گھر میں جو صاحب آئے ہیں۔ خاصے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ نظریں جھکائے آتے ہیں اور نظریں جھکائے چلے جاتے ہیں۔''

''مجھے افسوس صرف یہ ہے بیٹی! کہ میں نے آج تک آپ کی امی یا ابو سے آپ کے گھر کے بارے میں کبھی معلومات حاصل نہیں کیں۔ لیکن بے فکر رہیں اب میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''انکل! آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت ہی اچھے۔ ہمارا ویسے یہاں کوئی بھی نہیں ہے انکل۔ آپ مل گئے ہیں تو دل بڑا خوش ہوتا ہے۔ اب بتایئے میں کیا کروں؟''

''بیٹا! آپ ایسا کریں کہ اپنے بھائیوں کے پاس چلی جائیں۔ ان سے کہیں کہ اب وہ بالکل آرام سے رہیں اور آپ نہ ڈریں۔ ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔''

''جی انکل۔'' سیما نے کہا۔

''آپ یہ بتائیے؟'' آپ نے ناشتہ کرلیا؟''

''جی! وہ روٹی جو رکھی تھی نا چائے ابو نے بنا کر ہمیں دے دی تھی ہم نے چائے سے روٹی کھالی۔''

''ہونہہ! ٹھیک ہے۔ اب آپ جائیے۔ میں بھی جلدی سے جاتا ہوں اور جتنی جلدی ممکن ہو سکا چھٹی لے کر واپس آجاؤں گا۔'' پھر اس کے بعد میں سیما کو روانہ کر کے جلدی جلدی تیاریاں کرنے لگا اور آج وقت سے کافی پہلے یوسف باگا کے پاس پہنچ گیا۔ یوسف باگا نے اپنی مخصوص آواز میں میرا استقبال کیا تھا۔

''وہ جو کہتے ہیں نا کہ ''راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو۔ کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' عزیز! تم آگئے یقین کرو بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اصل میں جب ابال ہوتا ہے تو پھر سب کچھ بہہ جانے کے لیے تیار رہتا ہے۔''

''باگا صاحب! ایک مشکل پیش آگئی ہے۔''

''مشکل؟''

''ہاں!''

'کہو! کیا بات ہے؟ کیسی مشکل؟''

''باگا صاحب! جس فلیٹ میں میں رہتا ہوں اس فلیٹ کے سامنے والے فلیٹ میں ایک چھوٹا سا خاندان رہتا ہے۔ جو دو میاں بیوی' ایک بیٹی اور دو بچوں پر مشتمل ہے۔ چھوٹی سی بچی پہلے ہی دن سے مجھ سے مانوس ہوگئی ہے۔ جس دن میں نے اس فلیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔''

''اچھا! آگے کہو؟''

باگا صاحب بچی سے ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن اس دوران چونکہ آپ کے پاس میرے لیے دلچسپی کا کافی سامان پیدا ہو گیا تھا اس لیے اس بچی سے ملاقات بھی نہیں ہوسکی۔''

''ہاں! ٹھیک ہے پھر؟''

''آج صبح کو وہ فلیٹ کے دروازے پر آئی اور اس نے دروازہ بجایا۔ اتنی چھوٹی ہے وہ کہ اس کا ہاتھ بیل تک نہیں پہنچ سکتا۔''

''ہاں پھر؟''

''اس کی ماں بیمار ہے۔ ہسپتال میں داخل ہے بچی کا کہنا ہے کہ وہ بہت دن سے بیمار ہے۔'' میں نے ساری تفصیل یوسف باگا کو بتائی اور یوسف باگا کی آواز کچھ لمحے کے لیے بند ہوگئی۔ بہت دیر تک یہ آواز بند رہی۔ پھر اس نے کہا۔

''فیضان! تم واپس جاؤ اور سنو ایسا کرنا جس طرح بھی بن پڑے اس بچی کے باپ سے ملاقات کر کے یہ معلوم کرنا کہ اس کی بیوی کو کیا تکلیف ہے؟ اور کب سے وہ اس تکلیف کا شکار ہے؟''

''جی بہتر ہے۔''

''جس وقت بھی یہ بات معلوم ہو جائے مجھے آکر فوراً بتانا اور یوں کرو وہ دیکھو وہ سامنے والی میز جو رکھی ہوئی ہے نا اس کی دراز میں اس وقت بیس ہزار روپے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ بیس ہزار روپے نکال لو اور یہ بیس ہزار روپے اس شخص کو دے دینا تم کہہ رہے ہو کہ وہ ایک پریشان حال گھرانہ ہے۔ یقیناً یہ بیس ہزار روپے اس وقت اس کے لیے بڑے کارآمد ثابت ہوں گے۔'' میں شکر گزار انداز میں گردن جھکا کر بستر پر پڑے ہوئے اس انوکھے ڈھانچے کو دیکھنے لگا جو درحقیقت کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن باگا کے وجود کا تصور اسی ڈھانچے سے ابھرتا تھا۔ پھر میں شکر گزاری کے انداز میں آگے بڑھا اور میں نے میز کی دراز سے بیس ہزار روپے نکال لئے۔ ان پیسوں کو احتیاط سے اپنے لباس میں لے کر میں نے باگا صاحب سے اجازت لی۔ باہر نکلا میری جیب میں بھی اچھے خاصے پیسے موجود تھے۔ ان پیسوں سے میں نے بہت سے پھل اور ٹافیاں وغیرہ خریدیں اور پھر رکشہ میں بیٹھ کر اپنے فلیٹ کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں فلیٹ میں پہنچ گیا تھا۔ سامنے والا دروازہ بند تھا۔ میں نے اس دروازے کی بیل بجائی تو ایک شخص نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے دیکھا اور بولا۔

''جی فرمائیے۔''

''جناب! میں آپ کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا ہوں۔ سیما جو آپ کی بچی ہے وہ مجھے جانتی ہے۔ اس سے اکثر میری بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ وہ میری معصوم دوست ہے۔ میں ایک تنہا انسان ہوں' ملازمت کرتا ہوں اس لیے آپ سے آج تک ملاقات نہیں ہو سکی۔ آپ سے ملنا چاہتا ہوں میں۔''

''آپ کا بے حد شکریہ! میرے ساتھ تشریف لائیں گے؟ یا میں آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا؟''

''اس وقت تو میں ہی آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ کیا بھابی صاحبہ گھر واپس آ گئیں؟''

''نہیں! وہ ہسپتال میں داخل ہیں۔''

''میں آنا چاہتا ہوں آپ کے پاس۔''

''آیئے۔ آیئے۔'' اس شخص نے مجھے راستہ دیتے ہوئے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ ایک دم سیما آ گئی تھی۔ وہ بولی۔

''انکل آپ آ گئے۔ میں نے ابو کو بتا دیا تھا کہ صبح کو میں نے انکل کو امی کی بیماری کے بارے میں بتایا۔ اصل میں مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔'' انکل نے کہا کہ سیما بیٹی میں آ جاؤں گا۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں جناب! اس سلسلے میں اور کوئی عرض نہیں کرنا چاہتا۔ سیما بیٹے یہ ٹافیاں آپ بھی لیجیے بھائیوں کو بھی دیجیے اور یہ پھل سب کے لیے ہیں۔''

''میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں جناب؟''

اس شخص نے کہا۔

''میرا نام علی فیضان ہے۔''

''مجھے حیدر بیگ کہتے ہیں۔ آپ نے یہ زحمت کی ہے لیکن بہرحال! میں کیا کہہ سکتا ہوں اس بارے میں سوائے اس کے کہ براہ کرم آئندہ ایسا نہ کریں۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے جواب میں' میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ ایک انتہائی غریب اور مشکل میں گرفتار انسان ہوں۔'' حیدر بیگ کی آواز بھرا گئی۔ میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''حیدر بھائی! ہم لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ جن بنیادی باتوں کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے ہم ان سے اس طرح گریز کر لیتے ہیں جیسے وہ حکم ہمارے لیے نہ ہو۔ پڑوسی کا خیال رکھنا' پڑوسی کے دکھ درد میں شریک ہونا انسان کا فرض ہے اور یہ فرض اس کی خوش اخلاقی یا نیکی کی دلالت نہیں کرتا بلکہ اسے ہر قیمت پر یہ فرض سرانجام دینا چاہیے۔ میں غم زدہ اور شرمندہ ہوں اس بات پر کہ اب تک آپ سے ملاقات نہ کر سکا۔ اصل میں سیما نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ اکثر رات کو دیر سے آتے ہیں۔''

''بھائی صاحب! پڑوسی تو سب سے بڑے عزیز ہوتے ہیں اور جو گفتگو آپ نے مجھ سے کی ہے وہ اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ آپ کے سینے میں جذبے زندہ ہیں۔ میں کوئی تقریر نہیں کروں گا۔ نہ ہی میں بہت زیادہ پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ ایک دفتر میں کلرکی کرتا ہوں۔ معمولی سی تنخواہ ملتی ہے۔ پرائیویٹ آفس ہے آپ سمجھ لیجیے کہ پرائیویٹ دفتروں میں کس طرح خون چوسا جاتا ہے۔ لیکن بہرحال مجبوریاں سب کچھ کرا لیتی ہیں۔ وہاں سے فراغت حاصل کرتا ہوں تو دو جگہ پارٹ ٹائم کرتا ہوں۔ رات کو واپسی میں بہت دیر ہو جاتی ہے لیکن کیا کروں وہ سب کچھ میری مجبوری ہے کہ میں اس فلیٹ کا کرایہ نہیں دے سکتا زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میری تقدیر نے مجھ پر ایک ضرب لگا دی ہے وہ یہ کہ میری بیوی کچھ عرصہ سے بیمار رہنا شروع ہو گئی ہے۔ یہ عرصہ تقریباً پونے دو سال کا ہے۔ اس سے پہلے وہ بالکل تندرست تھی اور اور ایک اچھی صحت کی مالک تھی لیکن نہ جانے کیا بدقسمتی آڑے آ گئی کہ اچانک ہی وہ بیمار رہنا شروع ہو گئی۔ میں نے خاصا علاج کرایا ہے اس کا لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہسپتالوں کا آج کل کیا حال ہے؟ ڈاکٹر ہسپتالوں میں ملازمت کرتے ہیں۔ اپنے پرائیویٹ کلینک کھولتے ہیں اور پھر وہاں مریضوں کو بلاتے ہیں اور وہاں ان کے اخراجات برداشت کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں

ہے اگر اسپتال ہی میں علاج کرایا جائے تو وہ علاج نہیں ہوتا بلکہ بس کیا کہوں؟''

''جی یقینی طور پر آپ پریشان ہوں گے۔ حیدر بیگ صاحب لیکن بات وہی آجاتی ہے کہ انسانی مسائل اگر تقسیم ہو جائیں ایک دوسرے کا خیال رکھا جائے تو تھوڑا بہت تو انسانی زندگی کو فائدہ ہوتا ہے۔''

''ہاں! یقینی طور پر میں آپ کو اصل میں صرف اس لیے یہ بات بتا رہا تھا کہ اگر سیما آپ کو یہ بتا چکی ہے کہ میں صبح جاتا ہوں اور رات گئے واپس آتا ہوں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے میری بیوی کا نام صفیہ ہے اور صفیہ بہت اچھی عورت ہے۔ بہت اچھی آپ یقین کیجئے بس میں اس وقت مسائل میں گرفتار ہوں۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ تقریباً ڈیڑھ یا پونے دو سال سے میری ذہنی اور جسمانی حالت کیا ہوگئی ہے۔ کام کرتا ہوں لیکن۔''

''مجھے اندازہ ہے حیدر بیگ صاحب آپ یہ بتائیے کہ انسان کو انسان پر کس حد تک اعتماد کرنا چاہئے۔''

''میں سمجھا نہیں؟''

''میں آپ کے لیے ایک اجنبی انسان ہوں۔''

''اگر آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے آپ اجنبی ہیں بے شک کیونکہ آج پہلی بار آپ سے میری ملاقات ہوئی ہے۔''

''لیکن آپ کا پڑوسی ہوں۔''

''جی۔''

''بہت زیادہ پرہیز گار یا دیندار آدمی نہیں ہوں۔ لیکن دل میں انسان کا دکھ ضرور رکھتا ہوں۔''

''جی!''

''تو پھر فوری طور پر یہ ایک چھوٹی سی حقیری رقم اپنے پاس رکھ لیجئے۔ ان خاتون کو آپ میری بھابی نہیں بہن کہیں جو ہسپتال میں ہیں۔ یہ تھوڑی سی رقم ان کے کام آئے گی اور آپ بالکل بے فکر رہیں میں اور بھی بہت کچھ دیکھوں گا اور سوچوں گا آپ کے لیے۔ ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے لیے کارآمد ثابت ہوں۔'' بیس ہزار روپے کے نوٹ دیکھ کر حیدر بیگ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے اس کے بدن میں ہلکا سا رعشہ دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی اور پھر سرخی آنسوؤں کی شکل میں رخساروں پر بہہ نکلی۔ میں نے آگے بڑھ کر حیدر بیگ کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بہت زیادہ جذباتی ہونے کا مظاہرہ نہیں کروں گا حیدر بیگ صاحب! لیکن آپ اس حقیر سے انسان کو اپنا بھائی تصور کریں۔'' حیدر بیگ مجھ سے لپٹ گیا تھا۔

''کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ کوئی کسی کے غم میں شریک نہیں ہوتا۔ لوگ سننے کے بعد آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھی ہمدردی کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ لیکن، لیکن، لیکن بس کیا کہوں؟ یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ بہت بڑی رقم ہے فیضان صاحب یہ تو میں مر کر بھی آپ کو واپس نہیں کر سکوں گا۔''

''اس میں واپسی کا کوئی سوال نہیں ہے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ رقم میں نے اپنی بہن کے علاج کے لیے دی ہے۔''

''لیکن! کیا' کیا آپ بہت بڑے آدمی ہیں؟''

''دیکھئے میں ابھی اس سلسلے میں آپ سے کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ اس کے لیے پھر کبھی گفتگو ہوگی۔ جہاں تک بڑے آدمی ہونے کا سوال ہے میں بالکل بڑا آدمی نہیں ہوں اگر بڑا آدمی ہوتا تو اس طرح فلیٹ میں آ کر نہ رہتا لیکن یہ پیسے آپ ان کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھئے اگر ممکن ہوسکا تو کبھی کسی لمحے آپ کو بتا دوں گا۔ فی الحال آپ انہیں سنبھال کر رکھیے اور جس طرح بھی ممکن ہو سکے انہیں میری بہن کے علاج میں خرچ کیجئے۔ اچھا ایک بات بتائیے انہیں مرض کیا ہے؟''

''کچھ نہیں پتا چلتا۔ ڈاکٹر دیکھتے ہیں۔ ٹیسٹ کرواتے ہیں۔ خون ٹیسٹ ہو چکا ہے اور پھیپھڑے وغیرہ چیک کئے جا چکے ہیں۔ دوائیں دے دیتے ہیں وہ لوگ لکھ کر اچھی خاصی قیمتی دوائیں ہوتی

ہیں پونے دو سال سے استعمال کرا رہا ہوں۔ مختلف ڈاکٹر بدلے ہیں اور اب اس قابل نہیں رہا کہ پرائیویٹ علاج کرا سکوں۔ اس وقت بھی جنرل وارڈ میں وہ اس طرح بے سروسامان پڑی ہوئی ہے کہ آپ دیکھیں گے تو آپ کا دل دکھ کر رہ جائے گا۔ سمجھ رہے ہیں نہ آپ میں مجبور ہوں۔ بس ڈاکٹروں کے رحم وکرم پر ہوں اور یوں لگ رہا ہے جیسے صفیہ' صفیہ۔'' حیدر بیگ کی آواز بھرا گئی۔ میں نے پھر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں! مرد کی آنکھ میں آنسو آ جائیں تو حیدر بیگ صاحب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اس نے دنیا سے شکست مان لی ہے۔ ابھی شکست نہ مانئے اس دنیا سے لڑیئے۔''

''نہیں! فیضان بھائی میری ہمت ٹوٹ چکی ہے۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔ فیضان بھائی کہہ رہے ہیں تو اطمینان رکھیے کوشش کروں گا کہ ان الفاظ کی لاج رکھ سکوں۔'' حیدر بیگ بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا مجھ سے سیما بھی باپ کے رونے پر رو رہی تھی۔ میں نے سیما کو اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''میری بیٹی! میری جان' میری زندگی تمہارا انکل تمہارا دوست بھی ہے اور تمہارے ابو کا بھائی بھی۔ کیا سمجھیں؟ خبردار! اپنے بھائیوں کو سنبھالے رکھو اور رونے کی ضرورت نہیں ہے حیدر بیگ صاحب! اب ایسا کرتے ہیں کہ اسپتال جا کر ذرا بھابی سے ملاقات کرتے ہیں۔ وہ پردہ دار ہیں نا۔''

''کوئی پردہ دار نہیں۔ جنرل وارڈ میں پڑی ہوئی ہے۔ ہر طرف لوگوں کے ہجوم ہیں۔ کیا پردہ؟ یہ تو دماغ کی خرابی ہے۔ آپ سے پردہ کراؤں آپ خود سوچئے لیکن بھائی فیضان رقم۔''

''خدا کے لیے! خدا کے لیے میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ اسے درمیان میں نہ لائیے۔ ابھی تو بہت کچھ ہوگا۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میں سیما کی امی اور اپنی بہن کو صحت یاب ہونے پر خرچ کر دوں گا۔ آپ اس کے لیے ذرا بھی تردد نہ کریں۔'' بڑی مشکل سے میں نے حیدر بیگ کو سمجھایا بجھایا تھا۔ کیونکہ یوسف باگا کی جانب سے اجازت مل چکی تھی کہ میں ان لوگوں کی تیمار داری کروں' کہانی بعد میں شروع ہو جائے گی۔ بقیہ کہانی کا حصہ بعد میں سن لوں گا لیکن اپنا یہ فرض پورا کروں۔ چنانچہ میں نے تمام حالات اپنے ذہن سے ترک کر دیئے۔ سیما سے کہا۔

''اور سیما بیٹی! آپ تو اتنی بڑی ہیں۔ اپنے چھوٹے بھائی جو ہیں نا آپ ان کی بڑی بہن ہیں بھلا آپ ڈریں گی تو یہ کیوں نہیں ڈریں گے۔''

''نہیں! وہ بس مجھے تو امی کے نہ ہونے پر ڈر لگتا ہے۔ ویسے تو میں بہت بہادر ہوں۔'' سیما نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ ہماری سیما بہت بہادر ہے تو بیٹے اب ایسا کریں آپ کہ اطمینان سے یہ چیزیں کھائیں بھائیوں کو کھلائیں کھانا وغیرہ بھی آپ خود پکانے کی کوشش نہ کریں اور دیکھیے چولہے کے پاس بالکل نہ جایئے اور آپ چولہا تو نہیں جلاتی ہیں؟''

''جلاتی ہوں کبھی کبھی۔ چائے بنائی تھی میں نے۔''

''بیٹے! اب آپ چائے وائے بالکل نہیں بنائیں گے۔ وعدہ کیجئے اپنے انکل سے۔''

''کیوں ابو؟ میں ایسا نہ کروں؟'' سیما نے پوچھا۔

''بیٹا! انکل کہہ رہے ہیں تو آپ بالکل نہیں کیجئے۔''

حیدر بیگ نے کہا۔

''ٹھیک ہے انکل' معاف کیجئے گا دیکھیے۔ یہ میرے ابو ہیں نا۔ پہلے تو میں ان کی بات مانوں گی نا پھر آپ کی۔''

''بیٹے بالکل ٹھیک۔ پہلے آپ ابو کی بات مانئے پھر میری۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور حیدر بیگ کے ہونٹوں پر بھی ایک غم زدہ اور پھیکی سی مسکراہٹ نظر آ گئی۔''

''اچھا اب ایسا کرتے ہیں کہ بھابی سے مل لیتے ہیں۔'' ہسپتال میں جس خاتون سے میری ملاقات ہوئی تھی انہیں دیکھ کر واقعی دل میں پاکیزگی کا ایک احساس محسوس ہوتا تھا۔ دبلا پتلا جسم' دبلا پتلا چہرہ بالکل پیلا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بدن کا سارا خون خشک ہو گیا ہو۔ مجھے دیکھ کر ان کے چہرے پر ایک قدرتی حیا نمودار ہوئی اور انہوں نے چادر اپنے جسم پر برابر کر لی۔ سر بھی

ڈھک لیا۔حیدر بیگ نے آہستہ سے کہا۔

''صفیہ! یہ فیضان ہیں۔''

''میں نے انہیں دیکھا ہے۔ہمارے گھر کے سامنے رہتے ہیں۔''

''ہاں!'' لیکن میری بدقسمتی کہ میں ابھی تک ان سے ملاقات نہیں کر سکا۔صفیہ یہ تو بہت اچھے انسان ہیں اب میں تمہیں کیا بتاؤں؟ان کے بارے میں۔''

''حیدر بھائی! مردوں کی باتیں مردوں تک ہی رہنی چاہئیں۔''

''ٹھیک ہے'ٹھیک ہے۔''

''اور صفیہ بہن! دیکھئے احترام کے طور پر کسی کو کسی بھی رشتے کا نام دے دیا جاتا ہے۔مقصد صرف احترام ہوتا ہے۔آپ جس عمر کی ہیں اس میں آپ کو بہن بھی کہہ سکتا ہوں۔ بھابی بھی کہہ سکتا ہوں۔اگر آپ سے بہت زیادہ عمر کا ہوتا تو آپ کو بیٹی بھی کہہ سکتا تھا۔میں آپ کو بہن کہوں یا بھابی کہوں۔''

''جیسا آپ پسند کریں۔لیکن میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔''صفیہ نے کہا۔

''چلیے فیصلہ ہو گیا جناب حیدر بیگ صاحب! اب آپ ہمارے بہنوئی ہو گئے ہیں اور ہم آپ کے سالے۔''

''بہت اچھے انسان ہیں یہ۔مجھے تو دکھ ہے کہ پہلے ان سے ملاقات کیوں نہ ہوئی؟''

''اچھا صفیہ! اب یہ بتاؤ کہ تمہیں تکلیف کیا ہے۔''

''بھائی! ٹھیک تھی بالکل پتا نہیں کیوں کلیجے کے پاس ایک چبھن کا احساس ہونے لگا اور آہستہ آہستہ طبیعت گری گری رہنے لگی۔یہ چبھن آج تک قائم ہے کوئی کہتا ہے ٹی بی ہو گئی ہے۔ڈاکٹر کہتے ہیں پھیپھڑے بالکل ٹھیک کام کر رہے ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ جگر بڑھ گیا ہے۔اصل میں بس آپ کو پتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبان بھی تجربات کرتے ہیں۔یا تو نو آموز ہوتے ہیں اور بیماریوں کو سمجھ نہیں پاتے اور اگر اسپیشلسٹ بن جاتے ہیں تو پھر وہ اپنی کرسی پر نہیں بلکہ آسمان کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور دنیا کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔وہ بس اس سے زیادہ میرے پاس کہنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔''

''اچھا خیر! چھوڑیئے تو بدن گرا گرا محسوس ہوتا ہے۔''

''ہاں! بس یہ سینے کی چبھ بے چین کیے رہتی ہے۔اچھی خاصی صحت تھی اب خراب ہو گئی ہے پہلے حیدر بیگ کو اتنی محنت نہیں کرنے دیتی تھی اور خود بھی کچھ کام کر لیا کرتی تھی۔اس سے گھر کے حالات میں مجھے بہت فکر ہے حیدر بیگ صحت جتنی خراب ہو گئی ہے بھائی! آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔''

''انشاءاللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا آپ بالکل بے فکر رہیں۔''

''بھائی! کسی انسان کا سہارا بھی انسان کے لیے بہت کافی ہوتا ہے۔ہم تو آپ یقین کیجئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے رہے ہیں کہ کوئی ہم سے ہماری خیریت ہی معلوم کر لے۔'' ہے نہیں کوئی نہ میرا نہ حیدر بیگ کا بس یہ تین بچے ہماری کائنات ہیں۔لیکن شیرازہ منتشر ہو گیا ہے۔زندگی میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے اور ہم' ہم پریشان ہیں کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ یہ بچے بے سہارا ہو جائیں۔دیکھیے دنیا میں اللہ جس شخص کو بھیجتا ہے اس کا مکمل محافظ اور ذمے دار ہوتا ہے وہ لیکن کچھ ذریعے منسلک کر دیئے جاتے ہیں اور یہ ذریعے بہر حال کمزور انسانوں کے ہیں اور کمزور انسان اپنے طور پر سوچتے ہیں بے شک اللہ کی بڑائی برتر و اعلیٰ اس کی وحدت اس کا یکتا ہونا بالکل اس کا رحیم ہونا درست لیکن کمزور انسان اس کے باوجود بھٹک جاتا ہے۔حالانکہ پالنے والا وہی ہے۔''

''بہت اچھی باتیں کر رہی ہیں آپ بہت اچھی باتیں کر رہی ہیں اور جب اس قدر اعتقاد ہے آپ کو اللہ کی ذات پر تو پھر سمجھ لیجئے کہ کوئی غلط بات بالکل نہیں ہو گی۔''

''میرے ان الفاظ سے واقعی ان دونوں کے چہروں پر رونق آ گئی تھی صفیہ نے کہا۔

''حیدر کوئی نیکی کر ڈالی ہے کیا ہم نے۔رحم آ گیا ہے کیا اللہ کو ہم پر؟ ا۔ کچھ نہیں تو کم از کم ہمدردی

اور محبت سے ہماری بات سننے والا تو ہمیں مل گیا ہے۔۔''

''ہاں! صفیہ اور بھی بہت کچھ ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔''

''اب آپ ایسا کریں حیدر بھائی کہ ڈاکٹر صاحب سے یہ معلوم کریں کہ صفیہ بہن کے لیے کیا کچھ کرنا ہے؟ مجھے تھوڑا سا کام ہے کوشش کروں گا کہ جلدی واپسی ہو سکے اور جب تک بہن گھر نہیں پہنچ جاتیں اس وقت تک میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔''

''جی! بہت بہت شکریہ اپنے کام کا حرج نہ کیجیے۔''

''میں چھٹی لے لوں گا آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' میں نے کہا اصل میں یوسف باگا صاحب نے اتنی اجازت دے دی تھی اس لیے میں نے یہ الفاظ بڑے آرام سے ادا کر دیئے تھے۔ بہرحال ان لوگوں کو میرے اس تسلی دینے سے جو سکون حاصل ہوا تھا وہ میرے لیے بھی بے حد قیمتی تھا اور میں بہت خوشی محسوس کر رہا تھا۔ یوسف باگا صاحب کو مکمل طور پر تفصیلی اطلاع دی اور یوسف باگا خاموش رہے میں نے ان سے کہا۔

''اور وہ ایک بالکل بے سہارا خاندان ہے اور کوئی سہارا اسے حاصل نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ اگر لوگوں کو خوشیاں اور زندگیاں تقسیم کرنے کا موقع مل جائے تو خدا کی قسم اس سے زیادہ بہتر کام اور کوئی نہیں ہے۔''

''بے شک! میں تم سے اتفاق کرتا ہوں لیکن سنو کیا یہ ممکن ہے مگر نہیں ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ تم کب وہاں جاؤ گے؟''

''بس باگا صاحب! آپ یہ سمجھ لیجیے کہ میں نے ان سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ خاتون گھر نہیں پہنچ جاتیں میں ان کی نگرانی اور دیکھ بھال کروں گا۔'' یوسف باگا نے کہا۔

''آج مغرب کے بعد تم میرے پاس آ جانا میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔''

''جی؟''

''ہاں۔'' مجھے اپنے ساتھ لے جانا۔ طریقہ کار میں بتا دوں گا۔''

''آپ جیسے حکم دیں۔'' میں نے کہا لیکن یہ الفاظ سن کر میرے ہوش اڑ گئے تھے۔ بستر پر پڑے ہوئے اس انسانی ڈھانچے کو اگر میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا تو ہسپتال میں داخلہ کیسے ہوگا؟ کیا ہنگامہ آرائی ہوگی۔ لیکن پھر میں نے فوراً ہی اپنے ذہن کو کنٹرول کیا۔ میں جانتا تھا کہ دماغ تک کی سوچی ہوئی باتیں یوسف باگا صاحب کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ البتہ مجھ پر اظہار نہیں ہوا مغرب کے بعد میں خصوصی طور پر یوسف باگا صاحب کے پاس پہنچا تھا۔ اس سے پہلے میں گھر پر ہی گیا تھا اور وہاں میں نے سیما اور دونوں چھوٹے بچوں سے ملاقات کی تھی جب کہ حیدر بیگ موجود نہیں تھے۔ سیما کافی بہتر حالت میں نظر آ رہی تھی۔ میں نے کہا۔

''ڈر تو نہیں لگا بیٹے؟''

''نہیں انکل! جب سے آپ نے کہا ہے نا کہ ہم لوگوں کو ڈرنا نہیں چاہیے ہم نہیں ڈر رہے۔''

''ابو آئے تھے؟''

''ہاں! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو گئے ہیں کہہ رہے تھے کہ بالکل نہ ڈریں، وہ رات کو آ جائیں گے۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے اور اب ہم بالکل نہیں ڈر رہے انکل آپ تو ہمارے لیے بہت ساری ٹافیاں لے آئے۔ اتنی ساری ٹافیاں تو ہم کھا بھی نہیں سکتے تھے۔''

''بس بیٹے! آپ رکھ لیجیے انہیں۔ جب دل چاہے کھائیں، لیکن ٹافیاں کم کھانی چاہئیں۔''

''یہی تو میں ان دونوں کو بتا رہی تھی کہ دانت خراب ہو جاتے ہیں۔''

''ہاں، انکل ابو ہسپتال گئے ہیں؟''

''یہ تو نہیں معلوم انکل۔''

''ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا۔'' پھر میں مقررہ وقت پر یوسف باگا صاحب کے پاس پہنچا تھا اور یوسف باگا نے کہا تھا۔

''ٹیکسی سے جاؤ گے؟''

''جیسا آپ حکم دیں۔''

''ٹیکسی ہی سے چلنا دیکھو! میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں بے بدن ہوں۔ میرا کوئی جسم نہیں ہے۔لیکن میرا وجود ہے۔ یہ انسانی ڈھانچہ بس یوں سمجھ لو کہ میرا ایک سمبل ہے۔ دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوگا کہ میرا وجود یہی ہے۔لیکن ایسی بات نہیں ہے۔ میں اس سے بالکل الگ ہوں اگر کوئی اسے توڑ پھوڑ بھی دیتا ہے تو اس سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اس کا ہونا ضروری ہے۔تو میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ تم نے سوچا وہ غلط تھا اس وقت میں نے تمہیں بھی یہ بات بتانے کی کوشش نہیں کی۔اب تم یوں کرنا کہ جب کوئی ٹیکسی روکو تو اس کا پچھلا دروازہ کھولنا پہلے اور مجھے اندر جانے کا موقع دینا۔ پھر دروازہ بند کرنا اور ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ جانا۔ میرے قریب نہ بیٹھنا۔ یہ میں کسی خاص وجہ سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ یوں سمجھ لو کہ یہ ایک ضرورت ہے۔سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

''جی بالکل سمجھ رہا ہوں۔''

''تو پھر! چلو چلتے ہیں۔''

''جی۔''اور اس کے بعد میں نے یوسف باگا صاحب کی ہدایت پر عمل کیا۔ بڑا عجیب لگ رہا تھا یہ سب کچھ اور میں ایک سنسنی سی محسوس کر رہا تھا۔ باہر آنے کے بعد کچھ دور پیدل چلنا پڑا۔ پھر میں نے ایک ٹیکسی روکی پہلے پچھلا دروازہ کھولا۔ ڈرائیور یہی سمجھا کہ میں پیچھے بیٹھنے جا رہا ہوں۔ اس نے میٹر ڈاؤن کر دیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے دروازہ کھلا رہنے دیا اور مجھے یہ صاف محسوس ہوگیا کہ کوئی اس کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا ہے۔ پیچھے کی سیٹ پر ہلکا سا دباؤ بھی محسوس کیا تھا میں نے۔ پھر میں نے دروازہ بند کر دیا اور ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر آ بیٹھا۔ ڈرائیور نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پیچھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''کہاں چلنا ہے بابو صاحب؟''

''ہسپتال۔''میں نے اسے ہسپتال کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھادی۔ پھر بولا۔

''پیچھے بیٹھنے کا ارادہ کیوں ترک کر دیا آپ نے بابو صاحب؟''

''میں نے سوچا تمہارے پاس بیٹھوں۔تم سے دو چار باتیں ہی ہو جائیں گی۔''

''بس آپ تھوڑی دیر کے۔لیے ٹیکسی میں بیٹھ کر بہت سارے بابو لوگ اپنے آپ کو بابو سمجھ لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ان کا ڈرائیور ٹیکسی چلا رہا ہے۔ہم بھی سوچتے ہیں صاحب کہ یہ ان کا حق ہے۔ کیونکہ بہر حال وہ ہمیں کرایہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ انسان کا اپنا سوچ ہے بابو صاحب۔ کسی کو کچھ بھی سمجھ لیا جائے۔ یہ تو انسان کا اپنا مرضی ہوتا ہے نا۔''

''تم یہ بتاؤ کہ تمہیں لوگوں کا ایسا کرنا برا لگتا ہے؟''

''میں نے گفتگو برائے گفتگو کی تھی۔

''نہیں صاحب! بالکل نہیں۔ ہمیں کوئی کمپلیکس نہیں ہوتا۔ کیونکہ بہر حال ہم یہ جانتے ہیں کہ ٹیکسی ہماری ہے اور انسان اپنی سوچ کا مالک ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی مان کر خوش ہوتا ہے تو ہمارا کیا جاتا ہے جناب؟ اس لیے ہمیں بالکل برا نہیں لگتا دنیا کتنی حقیقت بھرے انداز میں سوچتی ہے انسان اگر اس کا فیصلہ کر لے تو بہت سے معاملات میں احتیاط کرے اپنی ذات کو بلاوجہ تماشا بنانے سے کچھ نہیں حاصل ہوتا بڑائی تو اس کے وجود میں چھپی ہوتی ہے کسی کے ساتھ نیکی، انصاف اور رحم کرو خود بخود دل کو اپنی ہی بڑائی کا احساس ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ انعام اس بڑائی کے سلسلے میں بہت کافی ہے۔''یوسف باگا کو ظاہر ہے خاموش رہنا تھا۔ ہسپتال پہنچنے کے بعد میں ٹیکسی سے اترا اور میں نے ہی نہیں بلکہ ڈرائیور نے بھی دیکھا کہ پچھلا دروازہ ایک دم کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ بل لیتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

''آپ نے شاید دروازے کا لاک کھلا چھوڑ دیا تھا صاحب۔'' مگر دروازہ تو ایسے کھلا جیسے کسی نے کھولا ہو۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بل ادا کر کے میں دو قدم آگے بڑھا تو یوسف باگا کی آواز سنائی دی۔

''چلتے رہو! میں خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور پھر دونوں جنرل وارڈ میں پہنچ گئے۔ حیدر بیگ

وہاں موجود تھا اور صفیہ آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ بدن ڈھانچے کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ میں حیدر بیگ کے پاس پہنچا تو حیدر بیگ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''آؤ فیضان بھائی میں گھر نہیں جا سکا بچوں کی طرف تو نہیں جانا ہوا آپ کا؟''

''تھوڑی دیر پہلے گیا تھا۔ بچے ٹھیک ہیں خوش ہیں مگر تم مجھے کچھ سنجیدہ نظر آ رہے ہو حیدر بیگ۔''

''وہ بس! صفیہ کی کیفیت اچھی نہیں معلوم ہوتی تھوڑی دیر پہلے ایک ڈاکٹر صاحب آئے تھے لڑکے سے تھے۔ ہاؤس جاب کر رہے ہیں۔ ابھی مکمل ڈاکٹر نہیں بنے ہیں اس لیے ذرا اچھے طریقے سے بات کر لیتے ہیں۔ میں نے انہیں اچھے طریقے سے بات کرتے ہوئے پایا تو پوچھا کہ اصل بات کیا ہے؟ چند لمحے توقف کے بعد کہنے لگے کہ اصل بات ابھی تک کسی کو پتا ہی نہیں چلی ہے۔ حالانکہ جو ٹیسٹ لیے گئے ہیں ان میں جگر کا ٹیسٹ بھی ہے۔ پھیپھڑوں کا بھی ہے۔ کئی خون کے ٹیسٹ بھی کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ پتا نہیں چل رہا کہ اصل بات کیا ہے؟ ویسے ایک بات میں آپ کو بتا دوں ٹی بی نہیں ہے انہیں۔ بہر حال کوشش کی جا رہی ہے شاید کچھ اور ٹیسٹ لکھ کر دیئے جائیں گے آپ کو۔ پھر انہوں نے کہا۔

''جسم میں خون کی اتنی کمی ہو گئی ہے کہ اس سے خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔'' بس اسکے بعد سے پریشان ہوں میں نے اپنی تمام تر حسیات سے کام لیتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ یوسف باگا اس وقت کہاں ہیں؟ لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکا۔ یوسف باگا پتا نہیں یہاں تھے بھی یا نہیں؟ میں نے حیدر بیگ سے کہا۔

''بہر حال تسلی رکھنی چاہیے۔ حیدر صاحب پریشان تو انسان ہوتا ہی ہے لیکن آپ حوصلہ نہ ہاریں۔ بڑی ذمے داری ہے آپ پر۔'' حیدر بیگ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن اس کے چہرے پر غم کی اور تفکرات کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ کچھ دیر میں اسی طرح کھڑا رہا۔ حیدر بیگ نے بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھیے۔'' لیکن اس سے پہلے کہ میں کوئی فیصلہ کرتا۔ مجھے اپنے شانے پر ہلکی سی تھپکی سنائی دی اور

اس کے ایک مدھم سرگوشی۔

''اس سے کہو کہ تم ابھی کچھ دیر میں آتے ہو اور پھر ذرا باہر چلو میرے ساتھ۔'' میں نے یوسف باگا کی ہدایت پر عمل کیا اور خاموشی سے حیدر بیگ کو یہ اطلاع دے کر میں ابھی واپس آتا ہوں۔ یوسف باگا کے ساتھ باہر نکل آیا۔ یوسف باگا نے کہا۔

''حیدر بیگ سے کہو کہ فوری طور پر صفیہ کو یہاں سے اپنے گھر لے جائے۔''

''جی!'' میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

''اس کا علاج میرے پاس ہے۔ یہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''کیا واقعی؟'' میں نے بے خودی کے عالم میں پوچھا۔

مسرت کی لہر جو میرے سارے وجود میں دوڑ گئی تھی میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یوسف باگا نے کہا۔

''کیا میرے کچھ الفاظ پر تمہیں واقعی کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟''

''نہیں باگا صاحب! آپ یقین کیجئے آپ نے جو کچھ کہا ہے اس نے تو مجھے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔''

''اب تم یہ کوشش کرو کہ جس طرح بھی بن پڑے اس بچی کو یہاں سے لے چلو ہو سکتا ہے حیدر بھی تمہاری اس خواہش کی مخالفت کرے لیکن ہمت نہ ہارنا۔ جس طرح بھی بن پڑے کرنا۔''

''بہتر ہے میں کوشش کرتا ہوں۔''

''مجھے تلاش نہ کرنا۔'' میں جب مناسب سمجھوں گا تم سے مل لوں گا۔'' میں نے گردن ہلا دی اور اس کے بعد یہ سوچتا ہوا واپس چل پڑا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ بہر حال میں جانتا تھا کہ حیدر بیگ اس سلسلے میں حیران بھی ہو گا اور کہیں وہ انکار نہ کر دے۔ یہ نہ سوچے کہ بیس ہزار روپے کی رقم دے کر میں اسے غلام بے دام بنا رہا ہوں۔ بہر حال یہ سب کچھ کرنا ہی تھا۔ جس طرح بن پڑے لیکن حیدر بیگ نے میرے ساتھ واقعی حیران کن طریقے سے تعاون کیا۔'' میں نے اس سے کہا۔

"حیدر صاحب! میں ایک کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی بھائی کہیے؟" وہ بولا۔

"بہن کو گھر لے چلتے ہیں۔"

"جی۔" حیدر بیگ بری طرح اچھل پڑا۔

"ہاں۔" "بس میری یہی خواہش ہے کہ انہیں گھر لے چلیں۔"

"لیکن کیسے؟ پہلی بات تو یہ کہ ڈاکٹر اجازت نہیں دیں گے ابھی تو یہ معائنہ کے لیے یہاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر معائنہ ہی کر رہے ہیں۔ پھر گھر لے جانے سے فائدہ کیا ہوگا؟ بعد میں ہمیں یہاں آنے بھی نہیں دیا جائے گا۔"

"حیدر بیگ! صفیہ کو ہر قیمت پر گھر لے جانا ہے۔"

حیدر بیگ کوئی جواب دینے کی بجائے سوچ میں ڈوب گیا پھر پریشان انداز میں بولا۔

آپ جیسے مناسب سمجھیں۔ ویسے بھی یہاں میں بڑا غیر مطمئن ہوں لیکن کیا کروں؟ اور کیا حل ہے؟ یہاں سے نکال کر کسی دوسرے ہسپتال میں لے جایا جا سکتا ہے آپ کہیں اور لے جانا چاہتے ہیں انہیں۔"

"فی الحال ہم گھر لے جائیں گے۔"

"تو پھر مجھے بتایئے کہ میں کیا کروں؟" حیدر بیگ نے کہا۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے اس وقت ہاؤس جاب پر موجود ایک ڈاکٹر کو دیکھ کر میں اس کی جانب بڑھ گیا۔ یہ بھی نوجوان ڈاکٹر تھا اور چہرے ہی سے ناتجربہ کار نظر آتا تھا میں نے اس سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میں بیڈ نمبر ۷ کے مریض کو لے جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں؟"

"کہیں اور علاج کراؤں گا ان کا۔" وہ میری بہن ہے میں نہ اب بھی دواؤں سے مطمئن ہوں اور نہ آپ کی کوششوں سے کیونکہ ابھی تک آپ لوگ یہ بھی نہیں پتا چلا سکے کہ مرض کیا ہے۔ تکلیف کیا ہے۔"

"دیکھئے جناب! ہم لوگ جادوگر تو نہیں ہوتے نہ ہی ہمیں علم غیب حاصل ہوتا ہے کوشش کرتے ہیں ٹیسٹ کراتے ہیں مختلف دواؤں کو آزماتے ہیں اور اس کے بعد یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ بیماری کیا ہے ابھی تک ان کے جتنے ٹیسٹ ہوئے ہیں ان سے یہ بات پتا نہیں چل سکی اگر آپ اسے ہمارا قصور قرار دیتے ہیں۔ تو یہ آپ کی غلطی ہے ہم اپنے طور پر آپ کو قصوروار نہیں مانتے۔ جہاں تک لے جانے کا تعلق ہے تو میں تو بالکل ہی آپ کو اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ میں تو ویسے بھی جونیئر ہوں۔"

"ہم آپ کی اجازت نہیں محسوس کرتے ہم یہاں غیر مطمئن ہیں۔ نہ آپ ہمیں روکنے کی کوشش کیجئے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"میں اپنی پینل کے بڑے ڈاکٹر کو اطلاع دیتا ہوں۔"

بہرحال خوب ہنگامے ہوئے میں نے ایک اسٹریچر منگوایا اور خود میں نے اور حیدر بیگ نے صفیہ کو اٹھا کر اسے اسٹریچر پر ڈالا۔ صفیہ بھی ہوش میں آگئی تھی۔ ہم اسے لیے ہوئے باہر پہنچے۔ ڈاکٹروں نے شدید مخالفت کی تھی اور بہت سی دھمکیاں بھی دی تھیں کہ مریض کو اب آپ دوبارہ یہاں نہیں لا سکتے۔ لیکن ظاہر ہے یوسف باگا نے کہا تھا البتہ حیدر بیگ ذرا پریشان تھے لیکن میں جانتا تھا کہ ایک پراسرار شخصیت نے بلاوجہ ہی یہ بات نہ کہی ہوگی چنانچہ میں بھی مطمئن تھا اور خاموش بھی۔ باہر آنے کے بعد ہم نے ایک ٹیکسی لی صفیہ کو احتیاط سے اس میں لٹایا صفیہ کو ہوش آگیا تھا اور حیدر بیگ اس کا سر اپنے زانو پر لیے ٹیکسی میں بیٹھ گیا تھا۔ میں آگے بیٹھا۔ ذرا سا تردد تھا کہ یوسف باگا اس وقت کہاں ہوگا۔ لیکن بہرحال باگا صاحب نے یہ بات کہہ دی تھی کہ

میں ان کی پرواہ نہ کروں چنانچہ میں بھی مطمئن تھا۔ وہ پراسرار وجود جہاں بھی ہوگا بہرحال مجھ سے بہتر جانتا ہوگا اپنے بارے میں۔ صفیہ کو البتہ ہوش آ گیا تھا اس نے پوچھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں حیدر؟''

''فیضان بھائی کا کہنا ہے کہ گھر چلیں۔''

''خدا کی قسم یوں لگتا ہے جیسے فیضان بھائی نے میرے دل کی آواز سن لی ہو۔ میں یہاں بالکل غیر مطمئن تھی۔ مجھے ہول اٹھ رہا تھا۔ اپنے بچوں کا خیال کر کے زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ موت ہی لکھی ہے تقدیر نے یا حیدر بیگ نے کوئی جواب نہیں دیا بہرحال ہم صفیہ کو لے کر گھر پہنچ گئے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت میں بھی جذباتی ہو گیا تھا جب صفیہ اپنے بچوں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی اور حیدر بیگ بھی بالکل بچوں ہی کی طرح رونے لگا۔ میں نے ان سب سے الگ ہٹ کر پھیکے سے انداز میں سوچا کہ زندگی بھی کیا چیز ہے؟ کہیں کہیں تو انسان اس قدر بے بس ہو جاتا ہے کہ خود اسے اپنی بے بسی پر رحم آنے لگتا ہے۔ کیا زندگی ہے ان لوگوں کی لیکن ایک بات حقیقت ہے وہ یہ کہ انسان اگر تنہا ہو تو بہت کچھ اپنی ذات پر جھیل سکتا ہے اور اگر اس کے ساتھ دوسری مصیبتیں لگی ہوئی ہوں تو اس کا وجود کتنے حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے کیا یہ تقسیم بہتر ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں اگر ایسا نہ ہو تو کاروبار حیات ختم نہ ہو جائے۔ کیا تم اس مالک حقیقی کی سوچ میں اپنی ٹانگ اڑا سکتے ہو؟ جس نے یہ کائنات اپنے منصوبوں کے مطابق تخلیق کی۔ ارے یہ تو ایک چین ہے جو کہ ہابیل اور قابیل کے وقت سے چلی آ رہی ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ زندگی کا عذاب ہے۔ میرے کانوں میں گونجنے والی سرگوشی یوسف باگا کے سوا کسی اور کی نہیں تھی۔'' میں چونک پڑا میں نے کہا۔

''باگا صاحب! آپ یہاں موجود ہیں۔''

''ہاں! مجھے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی تھیں میں ابھی کچھ لمحے قبل یہاں پہنچا ہوں۔ وہ کام کرنا تھا مجھے جو اس سے آگے کا کام ہے۔ کیا تم نے یہ بات نہیں سوچی کہ اگر ہم صفیہ کو ہسپتال سے یہاں تک لے آئے ہیں تو اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''باگا صاحب! آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہر کوشش ناکام ہو چکی ہے اور میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ آپ سے اب ایک لفظ بھی جھوٹ نہ بولوں چاہے اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔'' مجھے یوسف باگا کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی تھی پھر اس کی آواز ابھری۔

''اصل میں تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے علی فیضان کہ ہم دونوں اب ایک دوسرے پر بھروسا کر چکے ہیں اور ہمارا انداز فکر یوں ہو گیا ہے کہ اگر کوئی کام تم نہ کر سکو تو مجھے یہ بات معلوم ہوگی کہ تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے یا اگر کوئی کام تم نہ کرنا چاہو تو اس کے لیے تمہیں مکمل طور پر اجازت ہے کہ مجھے اس کی وجہ بتا کر انکار کر دو۔ جب ہمارے درمیان یہ مفاہمت ہو چکی ہے تو پھر جھوٹ کا کیا سوال ہے؟''

''بس باگا صاحب! میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ زندگی میں شاید کوئی ایسی نیکی ہو گئی ہے مجھ سے جس کی وجہ سے آپ جیسا عظیم انسان مجھے مل گیا۔ باگا صاحب میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا کہ میں واقعی الجھن کا شکار تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب آگے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

''سوچنے کی بات ہی تھی ظاہر ہے انسان ایسے معاملات میں پریشان ہو سکتا ہے کیونکہ تم ہسپتال سے اسے لے آئے ہو اور اس بے چارے نے بہرحال تم پر بہت زیادہ اعتبار کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں فرائض تو عائد ہو ہی جاتے ہیں۔ اچھا خیر اب ان لوگوں کو کچھ دیر کے لیے یہاں چھوڑ دو اپنے فلیٹ میں واپس چلو۔''

''جی۔'' میں نے کہا وہ لوگ اس طرح جذباتی ہو رہے تھے کہ انہیں میرے فلیٹ سے باہر نکل آنے کی خبر بھی نہیں ہو سکی اور میں اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ دروازہ کھول کر میں نے یوسف باگا کے لیے اس طرح راستہ روک دیا تھا کہ وہ اندر آ جائے اور میں نے اپنے قریب سے ہوا کے ایک جھونکے کو گزرتے ہوئے محسوس کیا یہ میں ہی محسوس کر سکتا تھا کہ یوسف باگا صاحب میرے ہمراہ

ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کس جگہ ہیں۔ کسی اور کو تو اس بات کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک ایسی پرچھائیں جو مکمل طور پر پرچھائیں کی شکل میں نظر بھی نہ آئے ہمارے ہمراہ ہے اندر آنے کے بعد یوسف باگا نے کہا۔

''یہ ایک سفوف ہے اب تمہیں یوں کرنا ہے کہ اس سفوف کی چھوٹی چھوٹی پڑیاں بنا لو یہ پڑیاں تمہیں نیم گرم پانی میں ڈال کر صفیہ کو پلانا ہوں گی اور اس کے بعد اس کے بہتر نتائج حاصل کرنا ہوں گے۔ یہ نتائج ہو سکتا ہے ایک دن میں تمہیں حاصل ہو جائیں' دوسرے دن میں حاصل ہو جائیں یا تیسرے دن میں۔ لیکن بہر طور یہی صفیہ کا علاج ہوگا۔ یہ دوا بہت بدمزہ ہے۔ بہت ہی قابل نفرت ہے ایسی کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن بہرحال جیسے بھی بن پڑے یہ صفیہ کو پلانی ہے۔ میں تھوڑا وقت تمہارے ساتھ گزاروں گا اس کے بعد ہو سکتا ہے میں واپس چلا جاؤں تم جب تک کہ اس مسئلے سے مکمل طور پر نہ نمٹ لو میرے پاس نہ آنا۔ کسی بھی سلسلے میں ہمیں کوئی جلد بازی نہیں ہے۔ باقی جہاں تک کرایہ وصول کرنے والی بات ہے تو اس کے لیے ابھی کافی وقت پڑا ہے۔''

''جی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا اب تم اپنا کام کرو اور مجھے بھول جاؤ۔'' یوسف باگا کے اس حکم کی میں نے مکمل طور سے تعمیل کی تھی اور پھر میں انہیں بھول کر کاغذ پر وہ سفوف ڈال کر ان کی یکساں پڑیاں بنانے لگا۔ کوئی گیارہ پڑیاں بنی تھیں۔ اس پورے سفوف کی جو یوسف باگا کے نادیدہ ہاتھوں نے میز پر رکھ دیا تھا۔ میں پڑیاں بنا چکا پھر کچھ لمحوں کے بعد ہی دروازے پر دستک سنائی دی تھی۔ آنے والا حیدر بیگ تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو وہ اندر آ گیا۔ پھر بولا۔

''بھائی فیضان صاحب! اب آپ مجھے یہ بتایئے کہ صفیہ کے لیے ہم کیا کریں؟ آپ کا مشورہ میرے لیے دنیا کا سب سے قیمتی مشورہ ہوگا۔ بلکہ اب تو آپ یقین کریں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک لمحہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ آپ نے جس طرح ہم لوگوں کو ڈھارس دی ہے اللہ سے بس دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ خود ہی اس کا صلہ آپ کو دے۔ ہم جیسے لوگ بھلا کیا کسی کے کام آ سکتے ہیں؟''

''آپ بالکل بے فکر رہیں حیدر بیگ صاحب! میرے مسئلے میں آپ کو ذرہ برابر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے صفیہ بہن کا علاج ہے ہمارے پاس۔ اب آپ یہ بتایئے کہ وہ اب کس عالم میں ہیں۔''

''میں اس کی کیفیت جانتا ہوں۔ اس کے جسم میں خون کی کمی ہے۔ بدن کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا میرے کہ اب میں اس کا کیا علاج کروں؟ آپ نے ڈاکٹروں کی کہی ہوئی بات تو سن ہی لی ہے وہ ابھی تک یہ نہیں پتا چلا سکے کہ صفیہ کا اصل مرض کیا ہے؟ لیکن عارضی طور پر بچوں کے پاس آ جانے سے وہ خوش ہے اور اس وقت کافی بہتر حالت میں نظر آ رہی ہے۔''

''آیئے! میں صفیہ بہن سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں صرف اس لیے وہاں سے چلا آیا تھا کہ وہ بچوں کے سلسلے میں جذباتی ہو گئی تھیں۔'' حیدر بیگ نے کوئی جواب نہیں دیا میں فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ کمرے کا دروازہ اس وقت میں نے باہر سے بند کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ پھر ہم دونوں یعنی میں اور حیدر بیگ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ صفیہ اندر بستر پر اپنے بچوں کو لپٹائے ہوئے بیٹھی تھی۔ سب سے زیادہ دیکھنے کے قابل حالت میری ننھی دوست سیما کی تھی جو بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔

''اور آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا نا انکل۔ انکل آپ کتنے گریٹ ہیں۔ میں تو یہ سوچتی ہوں کہ کہیں آپ فرشتہ تو نہیں ہیں؟'' معصوم سی بات تھی لیکن اس معصوم بچی کے جذبات کی کتنی بڑی ترجمانی کرتی تھی۔ کہ کوئی بھی صاحب دل اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹے! فرشتے تو بہت عظیم ہوتے ہیں۔ وہ اس ناپاک زمین پر نہیں آسمانوں میں رہتے ہیں اور اپنے معبود کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ خوش نصیب ہیں ہم جیسے بدنصیبوں کی فطرت میں یا

ہماری ذات میں فرشتے کہاں سے آسکتے ہیں۔ امی واپس آگئی ہیں تمہاری۔ اور اب تم دیکھ لینا کہ انشاءاللہ وہ صحت مند بھی ہو جائیں گی۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔" لڑکی بڑے وثوق سے بولی۔ صفیہ بھی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ بہت دن سے یہاں رہتے ہیں فیضان بھائی! میں نے جیسا کہ میں نے حیدر بیگ کو بتایا کہ کئی بار آپ کو دیکھا آپ کی شرافت کا اعتبار کیا۔ کیونکہ آپ نے کبھی نگاہ اٹھا کر کسی دروازے کی جانب نہیں دیکھا۔ جبکہ دروازوں پر آہٹیں بھی ہوتی رہتی ہیں اور انسان فطری طور پر ان کی جانب متوجہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم اس دوران آپ سے نہیں مل سکے۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ آپ نے محبت سے مجھے بہن کہا۔ آپ یقین کریں کہ انسان کے الفاظ کتنی بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ تو بعض اوقات یہ الفاظ انسان کے لیے زندگی بخش بن جاتے ہیں۔"

"یہ آپ کی سوچ ہے صفیہ بہن! لیکن اگر آپ مجھے واقعی اس خلوص کے ساتھ بھائی تسلیم کر رہی ہیں تو پھر بھائی کے فرائض تو خیر ہوتے ہی ہیں۔ لیکن بہن کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں بھائی پر۔"

"کاش! آپ مجھ سے میرے بدن کی کھال مانگ لیں۔ خدا کی قسم اتار کر دیدوں آپ کو۔ کبھی انکار نہ کروں۔"

"سوچ لیجئے! قسم کھائی ہے آپ نے صفیہ بہن۔"

"ہاں بھائی! قسم کھائی ہے۔ ایک کمزور عورت ہوں لیکن اس قسم کو پورا کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"تو پھر یوں سمجھ لیجئے کہ میں آپ کو ایک انتہائی بدترین سزا دینا چاہتا ہوں۔ کیا آپ وہ سزا قبول کرلیں گی؟"

"سزا؟" صفیہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں پہلے مجھے اور پھر حیدر بیگ کو دیکھا۔ حیدر بیگ نے شانے ہلا دیئے تھے تو پھر صفیہ نے کہا۔

"ہاں میں قبول کرلوں گی۔ قسم کھائی ہے آپ کے سامنے۔ بھائی کہا ہے آپ کو۔ لیکن اب میں بے چین ہو گئی ہوں اس سزا کو جاننے کے لیے۔ جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"صفیہ بہن! یہ سزا ایک دوا کی شکل میں ہے جو آپ کو پینا پڑے گی۔ ہو سکتا ہے یہ زہر ہو اور چند لمحوں میں آپ کا خاتمہ کر دے لیکن آپ کو اس سلسلے میں مجھ پر اعتبار کرنا ہی ہوگا۔" صفیہ ہنسنے لگی۔ حیدر بیگ بھی ہنسنے لگا تھا۔ پھر صفیہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے! اگر وہ زہر بھی ہے تو میں اس سلسلے میں آپ پر اعتبار کروں گی۔"

"اب آپ جایئے جناب حیدر بیگ صاحب! ایک ایسے برتن میں پانی رکھ دیجئے جس میں تقریباً ایک سیر پانی آجائے۔ اسے نیم گرم کر کے یہاں لے آیئے۔ اور ایک ایسا برتن بھی جسے گلاس کی شکل کہا جا سکے۔ صفیہ بہن کو وہ پانی پینا ہوگا۔"

"یہ سزا ہے؟" صفیہ بولی۔

"جی۔"

"میں جاؤں! پہلے پانی گرم کرلاؤں اس کے بعد آپ سے پوچھوں گا کہ یہ انوکھی سزا کیسی ہے؟"

"اصل میں صفیہ بہن! یہ ایک دوا لے کر آپ کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ حیدر بیگ مجھ سے یہ پوچھ رہے تھے کہ اب ہسپتال سے ہم لے تو آئے ہیں آپ کو لیکن اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے میں اسی بات کا جواب دے رہا ہوں۔"

"اگر دوا پینے والی بات ہے تو بھائی اس دوران میں نے کیا کیا کچھ نہیں کرلیا ہے؟ واقعی! اب آپ کے الفاظ میری سمجھ میں آرہے ہیں۔ لیکن آپ بھی مجھے ثابت قدم ہی پائیں گے۔ دوا چاہے کیسی بھی ہو۔ آپ مجھے اس کی تھوڑی سی نوعیت بتا سکیں گے؟"

"ہاں! کیوں نہیں؟"

"تو پھر بتایئے۔"

"یہ ایک سیر پانی جو گرم کیا ہے یہ آپ کو پینا پڑے گا۔ میں اس میں ایک سفوف ڈالوں گا۔ ہو سکتا ہے وہ سفوف بہت کڑوا ہو؟ ہو سکتا ہے بہت بدمزہ ہو۔ آپ کو ہر قیمت پر وہ پانی پینا ہے۔"

"پی لوں گی میں۔ آپ اطمینان رکھیے۔ پی لوں گی۔ میں اپنے بچوں کے لیے جینا چاہتی ہوں۔ اور پھر جب اعتبار کی بات ہے تو کسی کے اعتبار کو شکست دینا تو انتہائی افسوسناک عمل ہوگا۔ آپ دیکھیے میں کتنی ثابت قدمی سے آپ کے احکامات پر عمل کرتی ہوں۔"

"ویری گڈ! مجھے آپ پر مکمل یقین ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد اس کام کا آغاز ہوگیا۔ بڑا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک ایسا برتن بھی لاکر رکھ دیا گیا تھا نیچے کہ اگر اس سفوف کی بدمزگی سے صفیہ کو الٹی ہو تو وہ فرش گندا نہ ہو سکے۔ اس کے لیے انتظام کرلیا گیا تھا۔ مجھے یوسف باگا پر یقین تھا۔ وہ شخص جس کا ماضی اتنا پراسرار اور انوکھا رہا ہو اگر یہ عمل کر رہا ہے تو یقینی طور پر اس کا بہتر ہی ردعمل ہوگا۔ اس بات کا پورا پورا یقین تھا مجھے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس کے نتائج ابھی میرے سامنے نہیں آئے تھے۔ گرم پانی آگیا۔ برتن بھی آگیا اور میں نے ایک پڑیا اپنی جیب سے نکالنے کے بعد اس گرم پانی میں گھول دی۔ جب میں سفوف کی پڑیاں بنا رہا تھا اور اس سے مس ہو کر چلنے والی ہوائیں میری ناک میں خوشبو لا رہی تھیں تو میں نے محسوس کیا تھا کہ میری ناک میں اس سے زیادہ بدذائقہ اور بدبودار چیز کوئی اور نہ ہو۔ یہ سفوف پانی میں ڈالنے کے بعد اس پر سے ہلکے ہلکے آبی بخارات اٹھنے لگے اور ان آبی بخارات نے یہ بات ظاہر کردی کہ سفوف کی نوعیت کیا ہے؟ صفیہ نے آنکھیں بند کرلی تھیں پانی نیم گرم تھا اور اتنا تھا کہ اسے آسانی سے پیا جاسکے۔ چنانچہ اس پانی کو برتن میں ڈال کر صفیہ کو دے دیا گیا۔ صفیہ نے ایک لمحے کے لیے اسے چہرے کے قریب کیا۔ ناک ایک چٹکی سے پکڑی اور پھر پورا گلاس خالی کردیا۔ اس کے چہرے پر جان کنی کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ لیکن اس نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ دوسرا تیسرا اور پھر چوتھا گلاس پینے کے بعد یہ پانی خالی ہوگیا۔ صفیہ کی جو حالت ہو رہی تھی اس وقت مجھ سے بھی نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ حیدر بیگ بھی تھوڑے فاصلے پر کھڑا عجیب سی نگاہوں سے کبھی مجھے اور کبھی صفیہ کو دیکھ رہا تھا۔ صفیہ کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا پھر اچانک اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ایک بڑی سی الٹی کردی۔ جو برتن میں گری تھی۔ وہ تمام پانی جو اس کے معدے

میں گیا تھا باہر نکل آیا تھا۔ مجھے یوسف باگا کی آواز سنائی دی۔

"اب اسے ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد دوسری پڑیا۔ اب میں چلتا ہوں۔ ہر گھنٹے کا خیال رکھنا۔ جب تک اس کے بہتر نتائج ظاہر نہ ہوں۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ حیدر بیگ بولا۔

"یہ تو غلط ہوگیا۔"

"نہیں۔ کیا غلط ہوگیا؟"

"میرا مطلب ہے دوا ان کے جسم میں رک نہ سکی۔"

"رکے گی۔ ابھی تو اس کی بہت سی پڑیاں ہیں میرے پاس۔" صفیہ نڈھال ہوگئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کرکے بستر پر لیٹ گئی۔ اور حیدر بیگ اس کا چہرہ وغیرہ صاف کرنے لگا۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد میں نے اسے دوسری پڑیا کے لیے تیار کیا۔ وہ رحم طلب نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔

"صفیہ بہن! آپ نے وعدہ کیا ہے اور وعدے کو پورا کرنا انسان کا فرض ہے۔"

"جی۔" صفیہ کی پھنسی پھنسی آواز ابھری۔ حیدر بیگ کچھ تھوڑا سا پریشان نظر آرہا تھا۔ لیکن بہرحال اس نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ دوسری بار بھی ردعمل پہلے سے مختلف نہیں ہوا تھا لیکن تیسرے گھنٹے پر صفیہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ایک دن زندہ رہنے دیجیے مجھے۔ کل اب باقی کل۔ آج رات اپنے بچوں کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار لوں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میری آنکھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہو۔ اور پیٹ سے ہٹ کر سینے تک آپہنچی ہوں اور اب تھوڑی دیر کے بعد سینے سے حلق تک آجائیں گی۔ خدارا اب کچھ نہ کیجیے۔"

"نہیں صفیہ بہن! ہر ایک گھنٹے کے بعد آپ کو یہ تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ ورنہ پھر یہ کہہ دیجیے کہ آپ اپنا وعدہ توڑ رہی ہیں۔"

"نہیں! موت ایک دن آنی ہے۔ اگر اس وقت آنی ہے تو اب سہی۔" تیسری پڑیا

استعمال کرتے ہوئے صفیہ بہت بد دل نظر آ رہی تھی اور میں بھی یہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی اس کیفیت میں وہ گیارہ پڑیاں ہضم کر سکے گی۔ لیکن یوسف باگا کی ہدایت تھی اور پھر ویسے بھی میں یہ جانتا تھا کہ صرف الٹی کر دینے سے انسان موت کی آغوش میں نہیں چلا جاتا۔ اور اس کے بعد صفیہ نے تیسری بار وہ پانی پیا۔ لیکن جس انداز میں پیا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ چند ہی لمحوں کے بعد اسے دوبارہ بلکہ تیسری بار الٹی ہوئی۔ پانی اس کے معدے میں ایک لمحے کے لیے نہیں رکتا تھا۔ لیکن اس کے بعد جو نتائج برآمد ہوئے وہ اتنے حیرت ناک تھے کہ خود صفیہ کی چیخ نکل گئی۔ حیدر بیگ بھی چیخ پڑا اور میں بھی۔ ہم نے الٹی کے ساتھ ایک سیاہ رنگ کی چھپکلی پانی میں گرتے ہوئے دیکھی تھی۔ یہ چھپکلی باقاعدہ منہ کے ذریعے باہر آئی تھی اور اس کے بعد پانی میں تڑپنے لگی تھی۔ صفیہ نے آنکھیں بھینچ لیں۔ حیدر بیگ شدت حیرت سے گم رہ گیا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں کبھی صفیہ کو دیکھتیں، کبھی پانی میں چھپکلی کو۔ وہ تڑپ رہی تھی اور شاید دم توڑ رہی تھی اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ الٹی ہو گئی اس کے سیاہ جسم کا پیٹ نظر آنے لگا جو بالکل سفید تھا۔ ہم شدت سے چھپکلی کو دیکھ رہے تھے۔ میں خود اس قدر حیران تھا کہ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ لیکن یوسف باگا شاید جانتا تھا کہ تیسری پڑیا کارآمد ہوگی اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

''بس یوں سمجھ لو اس کا مرض ختم ہو گیا۔ یہی اس کا مرض تھا۔ کسی وقت کسی ذریعے سے چھپکلی کا یہ چھوٹا سا بچہ اس کے معدے میں پہنچ گیا تھا۔ اور معدے سے چمٹ گیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کے جسم کا زہر آہستہ آہستہ اس کے معدے میں منتقل ہو کر اس کے خون کو متاثر کرنے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ اب اس کا یہ مرض ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد یہ صحت کی طرف چل پڑے گی۔ اس سے کہنا کہ یہ ہلکی ہلکی غذائیں استعمال کرے۔ ابھی یہ غذا یخنی کی شکل میں ہو۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اسے بڑھا دیا جائے۔ تم ان لوگوں کا صفیہ کی زندگی کی مبارک باد دے سکتے ہو۔'' یوسف باگا سے ہاں یا نہیں بھی نہیں کر سکا۔ صفیہ اپنے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ نیم غشی

کی کیفیت کا شکار تھی وہ۔ بہت دیر کے بعد حیدر بیگ کو ہوش آیا اور اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی! یہ یہ یہ کیا ہے؟''

''یہ صفیہ بہن کی بیماری ہے۔''

''آپ۔ کیا آپ مجھے اپنے بارے میں نہیں بتائیں گے؟ آپ مجھے اپنے بارے میں نہیں بتائیں گے بھائی علی فیضان؟''

''حیدر بیگ! میرے بارے میں اور کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''بھائی! آپ کو یہ سب کیسے پتا چل گیا۔ یہ سب کیا ہے؟''

''بس اس بات کو جانے دو۔ میں تمہیں دنیا کی ہر بات بتانے کو تیار ہوں حیدر بیگ، لیکن کچھ چیزیں بزرگوں کی دعاؤں سے انسانوں کو مل جاتی ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ اس بارے میں کسی کو کچھ بتایا نہ جائے۔ کیا تم مجھے اس کا موقع دو گے کہ میں اس حکم کی تعمیل کروں؟''

''ہاں! کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔'' حیدر بیگ نے کہا۔ پھر بولا۔

''کیا صفیہ ٹھیک ہو جائے گی؟''

''ہاں! حیدر بیگ۔ بچوں کو ابھی اندر نہ بلانا۔ ڈر جائیں گے۔ پچاس لوگوں سے بات کریں گے۔ اب تم ایسا کرو، یہ گندا پانی اٹھا کر باتھ روم میں جاؤ اور اسے فلش کے ذریعے گندگی میں بہا دو۔ جاؤ پہلے ایسا کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بات کروں گا۔'' حیدر بیگ نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ ہاتھ منہ وغیرہ دھو کر وہ میرے پاس آ بیٹھا تو میں نے کہا۔

''ہوتا ہے۔ انسان کو ہر حالت میں حفظان صحت کا خیال رکھنا چاہئے۔ بعض اوقات کوئی چھوٹی سی بات اس قدر خوفناک ہو سکتی ہے اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو۔ کبھی کسی وقت صفیہ بہن نے یہ چھپکلی کسی بچے کی شکل میں کسی چیز کے ساتھ اپنے معدے میں اتار لی ہوگی۔ یہ کمبخت زندہ ہی اس کے معدے میں پہنچ گئی۔ اور اس کے بعد معدے سے چپک گئی۔ ظاہر ہے اس کے

زہریلے اثرات پورے جسم کو زہریلا بنائے ہوئے تھے۔ اور یہی ان کی بیماری تھی۔ اور اب تم یہ سمجھو لو حیدر بیگ! یہ صحت مند ہو گئیں۔ اب ایسا کرنا ہے تمہیں جو کچھ میں بتا رہا ہوں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ انہیں کچھ دیر کے بعد یخنی دینا۔ یہ یخنی ظاہر ہے تم خود بناؤ گے یہ یخنی انہیں آج اور کل پلاؤ۔ اس کے بعد دلیہ دے سکتے ہو اور پھر اسی طرح انہیں ٹھوس غذاؤں کی طرف لے کے چلے آؤ۔ میری طرف سے مبارک باد بھی قبول کرو کہ اللہ نے انہیں صحت عطا کر دی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ اجازت دو گے۔''

''بھائی۔ بھائی۔'' حیدر بیگ بس منہ کھول کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔

''یہ پیسے جو آپ نے مجھے دیئے ہیں۔ اب۔ اب۔''

''نہیں حیدر بیگ۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں نہ تو ضد کی جاتی ہے نہ تکلف کیا جاتا ہے۔ جو کچھ ہوا ہے بس تم اسے بھول جاؤ۔ صفیہ ٹھیک ہو جائیں یوں سمجھ لو! ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔ گو میں تنہا ہوں لیکن! یہ فلیٹ میری رہائش گاہ ہے۔ ملاقات ہوتی رہے گی تم سے۔ بہتر ہے کہ زیادہ وقت صفیہ بہن کے ساتھ ہی گزارو۔ اور ان کے صحت مند ہونے کا انتظار کرو کیونکہ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ یہ معصوم سی بچی اس صورتحال کو سنبھال نہیں سکتی۔ کیا سمجھے؟''

''آہ! کاش۔ کاش۔''

''بس کچھ کاش واش نہیں۔ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو بہت ہی حقیر بندہ ہوں۔ تم یہ سمجھ لو کہ یہ حکم کہیں سے مجھے ملا تھا۔ اور میں نے تو صرف تعمیل حکم کی ہے۔ پھر اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا تھا۔ اس سے زیادہ نہ جذباتی ہونا چاہتا تھا نہ ان جذباتی مناظر کو دیکھنے کا خواہشمند تھا لیکن حیرت کی جو لہر میرے پورے وجود میں گردش کر رہی تھی وہ مجھے بھی نڈھال کئے ہوئے تھی۔ فلیٹ میں آ گیا۔ غسل کیا۔ جو منظر نگاہوں کے سامنے آیا تھا بہرحال اک انسان کی حیثیت سے میں خود بھی اس سے متاثر ہوا تھا اور اس وقت بدن پر ایک تھکن کی سی کیفیت طاری تھی۔

یوسف باگا صاحب کی جانب سے جانے کی اجازت تو مل ہی گئی تھی بلکہ وہ بیچارے کبھی بھی میرے اوپر اپنا کوئی حکم مسلط نہیں کرتے تھے۔ میں بستر پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ اور پھر میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر سو جاؤں۔ جب تک نیند نہیں آئی یوسف باگا کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا انوکھا انسان ہے۔ کیا انوکھی شخصیت ہے؟ اور جو کہانی اس کی زندگی سے وابستہ ہے وہ کتنی انوکھی نوعیت کی حامل ہے۔ واقعی! واقعی خوش قسمت لوگوں کو ایسے انسان مل جاتے ہیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ یوسف باگا کی قربت سے بلاشبہ مجھے عزت ملے گی۔ دولت بھی اور اچھی زندگی بھی۔ جو بہرحال مل چکی ہے۔ یا پھر اگر مل نہیں چکی تو اس کا آغاز ہو گیا ہے اور اس کے بعد میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا تھا۔ خیر یہ بات تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ زندگی میں کسی کے لئے کچھ کر کے اندرونی طور پر جو اس کا معاوضہ ملتا ہے اس معاوضے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اور اسے الفاظ میں بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ معاوضہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اور اسے الفاظ میں بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ معاوضہ کس اہمیت کا حامل ہوتا ہے؟ بہرحال! خوب نیند بھر کے سویا اور اس کے بعد اٹھا تیار ہوا اور خاموشی سے فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ ایک چھوٹا سا کام کرنے کے بعد مستقل طور پر ان لوگوں پر مسلط نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بہر طور ہر شخص کی زندگی کے اپنے کچھ معاملات ہوا کرتے ہیں۔ میں بھلا تھا ہی کیا۔ یہ احسان تو کسی اور ہی ذریعے سے ہوا تھا۔ ہاں! اس بات کو خلوص دل سے مانتا ہوں کہ اللہ ہر شخص کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ بناتا ہے اور میں بہرحال ایک ذریعہ تھا۔ اگر یوسف باگا مجھے اس بات کی اجازت دے دیتے کہ ان لوگوں کو میں یوسف باگا کے متعلق تفصیل بتا دوں تو شاید میں کسی طور یوسف باگا کو انکار نہ کرتا اور اپنا علم بلند کرنے کے چکر میں نہ پڑتا لیکن بہرحال یہ اس شخص کی ہدایت تھی اور میرے لئے اس ہدایت پر عمل کرنا لازمی۔ سو میں یہ عمل کرتا چلا آ رہا تھا۔ اور میں نے یوسف باگا کو نمایاں نہیں کیا تھا۔ میرے ذہن میں یوسف باگا ہی تھا اور میں اس کہانی کے اگلے حصے کے لئے بے چین تھا جو عارضی طور پر اس وقت کے لئے رک گئی تھی اور جب میں

یوسف باگا کی کوٹھی میں داخل ہوا اور اس مخصوص جگہ پہنچا تو ڈھانچے سے آواز آئی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں کتنی بے چینیوں سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہر حال کہو اب کیا کیفیت ہے تمہاری' صفیہ بہن کی؟''

''باگا صاحب! میں جان بوجھ کر وہاں نہیں گیا تھا۔ ان لوگوں کا اپنا زندگی کا معاملہ شروع ہو گیا ہو گا۔ وہ پیسے بھی ان کے پاس پہنچا دیئے گئے ہیں۔ یقین کر رہے ہوں گے کہ وہ انہیں خرچ کرنے کے لئے دے دیے گئے ہیں۔ یا یہ سب ایک مذاق ہے۔ اصل میں جن حالات سے وہ گزر رہے ہیں۔ آپ سے ملاقات سے پہلے میں خود بھی ان ہی حالات سے گزر چکا ہوں۔ اور حالات سے اس طرح گزرنے والے کے بارے میں مجھے علم ہے کہ اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔''

''یقیناً۔ یقیناً ویسے وہ ٹھیک ہو جائے گی اب۔ اور وہ لوگ تمہارے احسان مند رہیں گے۔''

''میرا تو دل یہ چاہتا تھا باگا صاحب کہ میں انہیں بتا دوں کہ درحقیقت اس سارے عمل کا موجب میں نہیں ہوں۔ بلکہ وہ شخصیت آپ کی ہے۔''

''نہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ اب تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں۔ یا تم میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔ ہم دونوں مل کر ایک بنتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اسی طرح رہنے دو۔ ورنہ میرا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ جو ہوا ہے اس میں اور شدت آ جائے گی۔ بس اس سے زیادہ اس بارے میں کچھ نہ پوچھنا۔''

''جی بہتر! لیکن بہر حال باگا صاحب اب وہ کہانی وہاں سے آگے نہیں بڑھائیں گے آپ؟''

''ہاں! یہ اس کے لیے مناسب وقت ہے۔ تو ہوا یوں تھا۔ یاد ہے تمہیں ہم کہاں رکے تھے۔''

''جی! ہرچندی کے ساتھ آپ غسل خانے میں تھے اور پھر وہاں سے باہر نکل آئے تھے۔ چونکہ وہاں کا سارا کھیل ختم ہو گیا تھا۔''

''چونکہ میں ہر طرح سے ہرچندی کے معاملات کے لئے مجبور تھا اور صرف وہی کر سکتا تھا جو وہ شخص چاہتا۔ حالانکہ میرے ذہن میں بہت سے احساسات تھے۔ اور یہ خیال تھا کہ دیکھوں تو سہی' آگے کیا ہوا؟ کس طرح ان لوگوں نے اپنے معاملے کو درست کیا۔ اور کس طرح بات آگے چلی؟ شعیب کا کیا ہوا؟ لیکن بات ہرچندی کی تھی۔ وہ پوری طرح میری ذات پر مسلط تھا اور اب تو سچی بات یہ ہے کہ مجھے خود بھی اس کی قربت میں لطف آنے لگا تھا۔ کیونکہ میرا مزاج بھی تخریب کی جانب مائل تھا۔ ہرچندی کی وجہ سے مجھے جو تفریحات حاصل ہوئی تھیں۔ انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر اپنی جگہ محفوظ کا محفوظ۔ کافی دور نکل جانے کے بعد ہرچندی نے کہا۔

''اب ایسا کرتے ہیں کہ یہ شہر چھوڑ دیتے ہیں۔''

''میرا خیال یہ ہے کہ یہ شہر چھوڑ دینا مناسب بھی ہو گا ہمارے لئے۔ کیونکہ بنیادی طور پر وہ بڑے لوگ ہیں اور ہماری تلاش کے لئے ہر ممکن کوشش کر ڈالیں گے۔''

''چل تو پھر ریلوے اسٹیشن چلتے ہیں۔'' ہرچندی نے کہا اور اس کے بعد وہ میرے ہمراہ ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔

''میں اب انسان کی شکل میں آ جاتا ہوں۔ کیا خیال ہے تیرا۔'' کوئی حرج تو نہیں نا؟''

''حرج کیا ہو سکتا ہے ہرچندی؟''

''ہرچندی مہاراج کہا کرو۔ کیا سمجھے؟ ہرچندی مہاراج۔''

''ٹھیک ہے لیکن میں تو مسلمان ہوں۔ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہوں۔''

''ارے واہ رے مسلمان! صرف ایک بات کہنے سے مسلمان ہو گیا۔ اور جو کچھ کرتا رہا ہے اس کے بارے میں کیا کہے گا؟'' درحقیقت میں شرمندہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے ہرچندی سے کچھ نہ کہا۔ ہرچندی کو میں نے ایک بوڑھے کے روپ میں دیکھا۔ کمبل اوڑھے ہوئے تھا جس میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب چھپے ہوئے تھے۔ آرام سے چل رہا تھا اور اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر رہا تھا جیسے ایک عمر رسیدہ اور معروف بوڑھا ہو۔ اس طرح ہم دونوں ریلوے اسٹیشن پہنچے اور پھر ٹکٹ وغیرہ باقاعدگی سے خریدا گیا تاکہ کوئی اور الجھن پیش نہیں آئے۔ اور ٹرین میں بیٹھ گئے۔ ایک جگہ منتخب کر لی گئی تھی۔ سارے کام ہرچندی کے ایما پر ہو رہے تھے اور وہی فیصلے کر رہا تھا اور میں نے ان فیصلوں میں کوئی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ ویسے بھی خود چونکہ میرا اپنا کوئی

نظریہ تھا نہ کوئی ایسا عمل جو میں لازمی طور پر کرنا چاہتا تھا۔ یا جو میری خواہش ہو۔ اس لئے ہرچندی کی بات پر مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ ایک ایسے بوڑھے شخص کی حیثیت سے وہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو بہت ہی لاغر اور عمر رسیدہ ہو۔ اور اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں جبکہ میں قرب وجوار کے ماحول کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ ٹرین نے جب کافی سفر طے کر لیا تو میں نے کہا۔

''تم سو رہے ہو ہرچندی۔''

''نہ مجھے نیند کی ضرورت ہوتی ہے نہ آرام کی۔ بس یہ سمجھ لو وقت گزارنا میرا کام ہے۔ اور جو کچھ میں کر رہا ہوں یوسف باگا! تم یہ سمجھ لو کہ اس کا ایک پس منظر ہے۔ بس اسی پس منظر ہی کے حوالے سے مجھے اپنے تمام کام کرنے ہیں اور اس سلسلے میں تم میرے ساتھی ہو۔ سنو! اگر کبھی کسی موقع پر تم نے مجھ سے فریب کرنے کی کوشش کی جیسے اس وقت تمہارے ذہن میں دین دھرم زیادہ ہے تو سمجھ لینا وہیں سے میری تمہاری دشمنی شروع ہو جائے گی اور اچھا ہے تم میرے ساتھ دشمنی نہ کرنا۔ چونکہ میں اپنے دشمنوں کے لئے برائی ثابت ہوتا ہوں۔''

''دیکھو ہرچندی! ایک بات میں بھی تمہیں بتا دوں اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے نہایت شیطانی عمل کر کے مجھ پر قابو پایا ہے لیکن میں خود بھی کوئی نیک انسان نہیں تھا۔ البتہ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ کبھی نہ تو مجھے دھمکی دینا اور نہ وہ انداز اختیار کرنا جو مجھے ناپسند ہو۔ ورنہ دوسری صورت میں ہرچندی! نتیجہ کچھ بھی ظاہر ہو میں تم سے اختلاف کروں گا۔ اور نہ تمہیں کوئی فائدہ ہوگا نہ مجھے۔ نقصان کے بارے میں البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں ہو سکتا ہے تمہاری پراسرار قوتیں تمہیں نقصان پہنچا دیں۔''

''ارے کیسی باتیں کرنے لگے تم؟''

''نہیں میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے۔ خیال رکھنا اس بات کا۔''

''ٹھیک ہے بھئی ٹھیک ہے' اسے کہتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ اچھا نہیں لگے گا۔ البتہ اپنا مطلب تمہیں بتا چکا ہوں۔''

''کیا؟''

''جہاں کوئی نئی کہانی سامنے آئے کوئی نئی بات سامنے آئے تمہیں راستے میں روک دوں گا۔ اور تمہارا سفر جاری رہنے دیتا ہوں تو اس کا مطلب سمجھتے ہو کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہو رہا ہے۔ اور اسے جاری رہنے دو۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔''

''اور تمہارے پاس سے کہیں گم بھی ہو سکتا ہوں۔ ابھی تو ہمارا ساتھ ساتھ رہنا بھی مناسب تھا۔''

''یہ بتاؤ ہمیں جانا کہاں ہے؟''

''امام پور۔'' اس نے جواب دیا۔

''کہاں؟'' میں ایک دن چونک کر بولا۔

''امام پور ہے اس کا نام۔ جگہ تو خیر جو کچھ بھی ہے پر یہ سمجھ لو کہ میرا دوسرا نشانہ وہی ہے۔''

''میں نے اس کا نام بھی نہیں سنا۔''

''راستے میں پڑتا ہے۔ اچھے اچھے لوگ آباد ہیں وہاں۔ بہرحال وہاں ہم جو کچھ کریں گے وہ تم دیکھ لینا۔''

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا تو اس وقت رات کے تقریباً آٹھ بج رہے تھے۔ جب ہرچندی نے مجھے غنودگی سے چونکا دیا۔ کھانے پینے کے بعد آرام سے لیٹ گیا تھا کہ ہرچندی کی آواز سنائی دی۔

''چلو! امام پور آنے والا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔'' ٹرین رک گئی۔ اور ہم لوگ نیچے آ گئے۔ ایک عجیب سی جگہ تھی۔ ریلوے اسٹیشن بہت چھوٹا سا تھا۔ لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ لیکن امام پور میں موسم بہت اچھا تھا اور ایک بڑی خوبصورت سی کیفیت ماحول پر طاری تھی۔ میں اور ہرچندی اس اسٹیشن پر اترے تھے۔ اور خاموشی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ ہمارا رخ اسٹیشن سے

باہر کی جانب تھا۔ ہم لوگ چلتے رہے۔ ماحول میں بالکل خاموشی طاری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے جاگتا شہراچانک سو گیا ہو۔ جگہ جگہ روشنیاں بے شک نظر آ رہی تھیں۔

لیکن اسٹیشن سے باہر کا ماحول سوچکا تھا۔ میں نے ہر چندی سے کہا۔

''یہاں کچھ عجیب نہیں لگتا ہر چندی؟''

''کیسا عجیب؟''

''میرا مطلب ہے ماحول یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سو گیا ہو۔ یہ عمارتیں خالی خالی نظر آ رہی ہیں۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے؟ چلتے رہو۔'' اور ہم لوگ چلتے رہے۔ پھر ہر چندی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ دیکھو وہ سامنے پرانی مسجد ہے۔''

''ہاں۔''

''کبھی کسی زمانے میں یہ مسجد تھی لیکن اب مسجد کی طرح استعمال نہیں ہوتی۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر وہ پیپل کا درخت ہے۔''

''ہاں مجھے نظر آ رہا ہے۔''

''ہمیں وہیں اپنا ٹھکانہ بنانا ہے۔''

''چلو۔'' اور کچھ لمحوں کے بعد ہم پیپل کے اس درخت کے پاس پہنچ گئے۔ ہر چندی پیپل کے درخت کے پاس بنے چبوترے پر چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں درخت کے تنے سے پشت لگا کر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اب یہاں سے نئی کہانی شروع ہوگی۔ کیا سمجھے؟ کھانا پینا چاہتے ہو تو جاؤ بستی میں نکل جاؤ۔ اپنی پسند کی چیزیں کھا لو۔ گھومنا چاہتے ہو تو بستی میں گھوم لو۔ اور اگر سونا چاہتے ہو تو آرام سے اس درخت کے نیچے سو جاؤ۔''

''بس اس وقت تو آرام ہی کرنا چاہتا ہوں ہر چندی۔ ٹرین کے سفر نے تھکا دیا ہے۔''

''ہاں! تھکا تو دیا ہے۔ چلو پھر آرام کرو مگر پیچھے جا کر لیٹ جاؤ۔ یہاں میں موجود ہوں اور سنو! اگر میں خود تمہیں آواز نہ دوں تو مجھے مت پکارنا۔ جو کچھ میں کہا کروں میری وہ بات مانا کرو۔'' میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔ علی فیضان! بات حقیقت میں یہی تھی کہ خود میں بھی فطرتوں سے مختلف نہیں تھا۔ وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔ اور اسے پراسرار علوم آتے تھے۔ لیکن تھوڑا بہت میں بھی اس سے متاثر تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے مجھے میرے شیطانی ارادوں کی تکمیل میں مدد ملتی تھی۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ آج میں گوشہ نشین ہوں۔ دنیا کی بہتری کے لیے سوچتا ہوں۔ یہ خیال بھی میرے دل میں ہے کہ میری اس ناکارہ ذات سے لوگوں کو کچھ حاصل ہو لیکن یہ سن کر تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی کہ میں نے کیسی زندگی گزاری ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں انسان اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے۔ جو کچھ میں نے کیا ہے اب زندگی کے اس دور میں اسے گناہ سمجھتا ہوں میں۔ اور تم یہ دیکھ لو کہ میرے گناہوں کا پھل اسی دنیا میں میرے سامنے ہے یعنی میں بے بدن ہوں۔ اور میری زندگی کا بظاہر کوئی مقصد نہیں ہے۔ لیکن میں زندگی سے چمٹے رہنا چاہتا ہوں۔ اصل میں ابھی تمہیں یہ بتا کر میں اپنی داستان کا اختتام نہیں چاہتا کہ یہ سب کچھ میں تمہیں کیوں بتا رہا ہوں؟ ہاں! یہ سمجھ لو اس کے پس پردہ کچھ سوچیں ہیں۔ کچھ آرزوئیں ہیں' کچھ خیالات ہیں اور میں ان خیالات کے تحت یہ ساری کہانی تمہیں سنا رہا ہوں۔ جو کم از کم مجھ جیسے شخص کے لیے انتہائی شرمناک ہے۔ کہ یہ جاتا ہے کہ انسان گناہ کرتا ہے لیکن ان گناہوں کی تشہیر ایک الگ گناہ ہے۔ ایسی صورت میں یہ جاننے کے باوجود کہ گناہوں کی تشہیر ایک الگ گناہ ہے میں تمہیں اپنے بارے میں بتا کر تمہیں راز دار بنا رہا ہوں۔ لیکن افسوس! اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔ جو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ میری ان شرمناک کارروائیوں کو یہ نہ سمجھنا کہ میں خوش ہو کر تمہیں سنا رہا ہوں۔ بلکہ ان سب کا بیان کرنا میرے اس مقصد کی تکمیل ہے جس کے لیے میں تمہارے سامنے اپنی یہ کہانیاں سنا رہا ہوں۔ علی فیضان! ایک بات بتاؤ؟''

''جی۔'' میں نے مستعدی سے کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ یوسف باگا اپنے بارے میں

بتارہا تھا وہ بے حد گھناؤنا اور قابل نفرت تھا لیکن بہر حال! پہلی بات تو یہ کہ ابتدائی طور میں اس شخص سے متاثر ہو گیا تھا اور اب جبکہ اس نے صفیہ کو ایک انتہائی موذی مرض سے نجات دلا دی تھی تو سیما کے حوالے سے اور ایک معصوم خاندان کی خوشیوں کی واپسی کے حوالے سے مزید میرے دل میں اس کے لیے عزت اور احترام بڑھ گیا تھا۔ ایسی صورت حال میں جو کچھ یہ مجھے سنا رہا تھا میں جانتا تھا کہ یہ اپنے گناہوں کا اعتراف ہے اور یوسف باگا جیسی شخصیت بلاوجہ یہ سب کچھ نہیں سنا رہی ہوگی۔ میں نے کہا۔

''باگا صاحب! سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے دل میں آپ کا بنیادی احترام اس لیے پیدا ہوا کہ آپ نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کئی معنوں میں خود میری زندگی کے بارے میں آپ کو تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں۔ یہ علم ہو گیا ہے آپ کو کہ میں کس طرح کی زندگی گزارتا رہا ہوں اور اس کے بعد آپ نے میرے ساتھ جو احسانات کیے ہیں‘ جو مراعات مجھے دی ہیں‘ میں کیا کوئی بھی شخص ہوتا آپ سے اتنا ہی متاثر ہو جاتا۔ باقی اس کے بعد حیدر بیگ کا معاملہ آیا اور آپ نے اپنی علمیت سے اس گھرانے کو جو پرسکون زندگی بخشی میں کیا کوئی بھی صاحب دل ہوتا تو آپ کے قدموں میں جھک جانا پسند کرتا۔ ماضی کی یہ کہانی آپ مجھے سنا رہے ہیں۔ اس میں جو کچھ بھی ہے وہ بہر حال برا ہے لیکن انسان خطا کا پتلا ہے اب اس شکل میں اگر آپ کے ان الفاظ کا کوئی پس منظر ہے تو بہر حال آپ اپنی پسند کے مطابق مجھے اس کے بارے میں ضرور بتائیے ہاں! ایک خیال میرے دل میں آتا ہے اجازت ہو تو عرض کر دوں۔''

''جب دو افراد دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں اور ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہوں تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی تکلف یا کوئی ایسا احساس راہ میں نہیں آنا چاہیے جو ماحول کی کیفیت کو ہی ختم کر دے۔ تمہارے ذہن میں جو سوال آئے مجھ سے بے دھڑک پوچھو۔ مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جس طرح آپ نے اپنے اس پوشیدہ علم سے کام لے کر صفیہ کی بیماری کا پتا چلا لیا اگر ہمارے سامنے ایسے معصوم اور ضرورت مند لوگ آئیں تو کیا ہمارے لیے یہ ایک نیک عمل نہیں ہوگا کہ ہم انہیں اگر اس مشکل سے نجات دلا سکتے ہیں تو نجات دلائیں۔'' میرے ان الفاظ سے یوسف باگا کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''میری طرف سے اجازت ہے۔ اگر میرا یہ علم ناقص کسی کے تھوڑا بہت کام آسکے تو میں خلوص دل سے تیار ہوں۔ اور تمہیں اس کی اجازت دے رہا ہوں کہ تم اس سلسلے میں کوشش کرو۔''

''جی! میں معافی چاہتا ہوں اس دخل اندازی کی اور میری آرزو ہے کہ آگے کی کہانی آپ مجھے سنائیے۔''

''ہوں یوں کہ ہم یہاں وقت گزارتے رہے۔ پھر جب میں لیٹے لیٹے تھک گیا اور گرد آلود ہواؤں نے بھی میرا حلیہ کافی خراب کر دیا تو میں نے ہرچندی سے کہا۔

''ہرچندی مہاراج! میری شکل وصورت تو کافی خراب ہو گئی ہے۔ کیا ہم اسی طرح یہاں وقت گزاریں گے؟''

''نہیں!'' اس کی آواز سنائی دی۔

''تو پھر کیا کریں؟''

''کیا چاہتا ہے؟''

''بس اتنا سا کہ ذرا کوئی پرسکون گوشہ ہو۔''

''ہاں ہوگا۔ وقت آجانے دے۔ اور میں خود بھی یہ سوچ رہا تھا کہ تجھے اس بارے میں بتاؤں۔''

''کیا؟''

''دیکھ! وہ سامنے جو ٹوٹی مسجد نظر آ رہی ہے نا اس کے سامنے جانا ہے تجھے۔ لوگ وہاں عبادت کرنے آتے ہیں۔ میں تجھ سے کچھ فاصلے پر موجود رہوں گا اور تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کس شخص کو مخاطب کرنا ہے۔ وہ ایک خاص آدمی ہے۔ میں نے بتایا تھا نا تجھے کہ مجھے یہاں اس حال میں پہنچانے والے جو لوگ ہیں میں ان میں سے مولوی رجب حسین کو سبق دے چکا ہوں اور ایسا

سبق دیا ہے میں نے مولوی رجب حسین کو کہ یاد کریں گے زندگی بھر۔ اس گھر میں اب جو کچھ ہوگا وہ بڑا تباہ کن ہوگا۔ تو خود سوچ تو اس گھر میں رہا ہے۔ تو نے اس گھر کی عزت ملیامیٹ کردی ہے۔ اور اب سب کو اس بارے میں معلوم ہے۔ مولوی صاحب بڑے عالم بنتے تھے' بہت علم ہے ان کے پاس۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا انہیں کہ ہرچندی کا ہرچندا ان کی گود میں جابیٹھا ہے۔ ارے واہ! کیا اچھا نام دیا ہے ہم نے تجھے۔ ہرچندا' واہ! مگر نہیں۔ تجھے وہی رہنا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ تو لوہے کے مقابلے میں لوہا لائے ہیں ہم سمجھا؟ اب تو یوں کر کہ اب سے تھوڑی دیر کے بعد جب سورج ڈوب جائے گا تو اس مسجد کے کچھ فاصلے پر جاکر بیٹھ جانا اور پھر کوئی دس گز کا فاصلہ رکھنا مسجد سے اس کی سیڑھیوں سے دس گز دور بیٹھنا۔ منور حسین اسی راستے سے آتے جاتے ہیں۔ ہم انہیں دیکھ کر تجھے اشارہ دیں گے۔ ہم تو غائب ہوں گے نگاہوں سے مگر تیرے بدن میں چٹکی کاٹیں گے ہم۔ اور تم سمجھ جانا کہ ہمارا اشارہ کس طرف ہے۔ تجھے ایک ایسے شخص کا کردار ادا کرنا ہے جس کی یادداشت کھوگئی ہے۔ اداکاری کرنی ہے۔ جتنا معصوم بن سکتا ہے معصوم بننا اور کوشش کرنا کہ وہ تجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔ کیا سمجھا؟ اب یہ تیرا فن ہوگا کہ تو کس طرح ان کی محبت اور توجہ حاصل کرلیتا ہے۔ پہلے ان کے گھر میں گھس جا۔ اس کے بعد باقی باتیں ہم پھر تجھے بتائیں گے۔ بس تیار رہوں کام صرف اتنا ہوگا کہ انہیں اپنے آپ سے متاثر کرلے۔ کیا سمجھا؟"

"ٹھیک ہے! اور یہ نہیں بتاؤ گے ہرچندی مہاراج کہ مجھے کرنا کیا ہوگا؟"

"ارے اب تو تو یہ سمجھ لے کہ تو چلنے نہیں بلکہ دوڑنے لگا ہے۔ تیرے منہ سے ہرچندی مہاراج سن کر من چاہتا ہے کہ تجھے سنسار کا مہاراج بنادیں۔"

"آپ کی محبت ہے۔" میں نے نیازمندی سے کہا۔

اور ہرچندی مکروہ ہنسی ہنسنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے مجھے جس نئی دنیا سے روشناس کرایا تھا۔ وہ دنیا مجھے بھی پسند آئی تھی۔ بہت ہی لذت آمیز لمحات ہوا کرتے تھے وہ میرے لیے۔ اصل میں

عمر کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ برائیاں اس کی جانب دوڑتی ہیں اور وہ انہیں گلے لگالیتا ہے۔ اگر ایسے لمحات میں کوئی اپنے آپ کو سنبھال لے تو سمجھو کہ اس نے اس دنیا میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں مولوی رجب حسین کے گھر میں جو کچھ کرآیا تھا۔ عرفانہ اور فرزانہ کے ساتھ جو عمل میں نے کیا تھا اب اس کے بعد مجھے ایسا ہی لگتا تھا جیسے ہرچندی میرا سب سے بڑا اور سب سے گہرا دوست ہو اور اس کی ہر بات کی تفصیل اور اس کی ہر خواہش پر سر جھکا دینا میری زندگی کا اہم ترین مقصد۔ چنانچہ میں تیار ہوگیا۔ آہستہ آہستہ شام ڈھلی جارہی تھی۔ مطلوبہ جگہ بیٹھ کر میں ہرچندی کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق اس شخص کے انتظار میں نگاہیں جمائے رہا۔ جس طرح مجھے منور حسین بتایا گیا تھا۔ ہرچندی کے تمام کام اس کی اپنی پسند کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ میرے سپرد جو ذمہ داری اس نے کی تھی میں تو صرف اس کی تکمیل کے لیے تیار تھا اور اس وقت مجھے اداکاری کرنی تھی۔ اس خیال سے ہنسی بھی آرہی تھی کہ اب میں اداکار بھی بن جاؤں گا۔ کافی دیر اس طرح گزر گئی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ آبادی سے کسی حد تک دور یہ پرانی مسجد خاص طور سے کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ دو ہی باتیں تھیں۔ یا تو اس آبادی میں یہ ایک ہی مسجد تھی جو ذرا دور دراز بنی ہوئی تھی۔ یا پھر کسی خاص وجہ سے نمازی ادھر آنا پسند کرتے تھے۔ اچھی خاصی تعداد تھی جو نماز پڑھنے گئی تھی۔ اور پھر نماز پڑھ کے واپس آئی تھی۔ پھر میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس شخص کو دیکھ لیا تھا جس کا حلیہ ہرچندی نے مجھے بتایا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے آرہا تھا۔ ہاتھ میں تسبیح تھی۔ سفید داڑھی اور اچھی صحت کا مالک تھا۔ سادہ سے لباس میں ملبوس وہ میرے قریب سے گزر گیا۔ میں یہ سوچتا ہی رہ گیا تھا کہ میں اپنے کام کا آغاز کروں اس نے ایک نگاہ مجھے دیکھا تھا۔ پھر وہ چار پانچ گز آگے جاکر رکا۔ واپس مڑا اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچا کہ معاملہ بگڑتے بگڑتے بچ گیا ہے۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گیا اور بولا۔

"ایسے کیوں بیٹھے ہو میاں؟" میں نے کھوئی کھوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی

آواز میں بولا۔

''میرا گھر کھو گیا ہے جناب۔''

''کیا؟''

''سب کھو گئے ہیں۔ سب کھو گئے ہیں۔ ماموں بھی کھو گئے ہیں۔ ہم سب کھو گئے ہیں۔'' میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ اور وہ تعجب بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر میرے نزدیک اکڑوں بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

''کہاں سے آئے ہو؟ اس بستی کے رہنے والے تو نہیں معلوم ہوتے۔''

''میں پہلے کہیں سے آیا تھا۔ اب پتہ نہیں کہاں سے آیا ہوں۔ بس میرا گھر کھو گیا ہے جناب! میں اپنا گھر ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں زمین پر جھک گیا اور پتھروں کو ادھر ادھر ہٹانے لگا۔ وہ میرے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ چند لمحات تو مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس دوران میں اپنی اداکاری کے لیے مکمل تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ میں نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا۔

''مل ہی نہیں رہا نہ جانے کب سے تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔'' چونکہ یہ وقت میں نے اور ہرچندی نے پیپل کے درخت کے نیچے گزارا تھا دن بھر مٹی اڑتی رہی تھی۔ اس کے علاوہ ایک سفر بھی کیا تھا۔ بالوں میں بھی گرد اٹی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی گرد آلود تھا اس طرح خود بخود ایک اچھا حلیہ بن گیا تھا اور میں اس وقت اداکاری بھی بہت اچھی کر رہا تھا۔ وہ شخص چند لمحے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''آؤ! میں تمہارے گھر کی تلاش میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''آپ میری مدد کریں گے؟''

''ہاں۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔'' میں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اٹھو!'' وہ بولا اور میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میرے ساتھ چلو۔''

''ہاں!'' میں نے کہا اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ چند قدم آگے بڑھ کر اس نے پھر کہا۔

''کون کون تھا تمہارے گھر میں؟''

''امی تھیں، ابو تھے، باجی تھیں، ماموں تھے، سب چلے گئے، سب کھو گئے۔ کوئی ملتا ہی نہیں ہے۔''

''مل جائے گا! مل جائے گا۔'' بے فکر رہو مل جائے گا۔ پریشان نہ ہو۔''

''اچھا۔'' میں نے معصوم بچوں کے انداز میں کہا۔

مجھے خود اپنی اداکاری پر حیرت ہو رہی تھی۔ لیکن اتنے دن تک ہرچندی کے ساتھ رہ کر میں بھی آدھا شیطان بن چکا تھا اور کسی بھی شیطانی عمل کو کرتے ہوئے مجھے کوئی دقت نہیں پیش آتی تھی اور نہ اس وقت پیش آ رہی تھی۔ جب کہ میری مناسبت سے وہ شخص نہایت معصوم اور شریف انسان معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال! وہ مجھے ساتھ لیے چلتا رہا۔ اور پھر بستی کے ایک گھر کے دروازے پر رک کر اس نے دروازے پر لٹکی ہوئی زنجیر بجائی۔ اور چند لمحوں کے بعد جس لڑکی نے دروازہ کھولا اسے دیکھ کر میرے دل و دماغ روشن ہو گئے۔ چھوٹے سے قد کی بھرے بھرے بدن والی بڑی حسین لڑکی تھی جس نے سر پر دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ رنگ ایسا تھا کہ بس انسان اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا رہے۔ نقوش بھی اتنے جاذب نگاہ تھے۔ چہرے پر حیا تھی۔ کالی کالی سیاہ آنکھوں میں ایک حسین چمک تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور جلدی سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ تب میرے ساتھ آنے والے شخص نے کہا۔

''راحیلہ! یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ بیٹے اندر آ جاؤ۔''

''یہ میرا گھر تو نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا گھر بھی مل جائے گا۔ پہلے آؤ ذرا اپنا حلیہ تو ٹھیک کر لو۔ دیکھو بالکل مٹی کے پتلے لگ رہے

ہو۔'' میں نے پھر معصومیت سے اچھا کہا۔ اور اندر داخل ہو گیا۔ منور حسین صاحب نے خود دروازہ اندر سے بند کیا تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ باورچی خانہ، غسل خانہ، ایک برآمدہ اور اس میں تین کمرے۔ یہ اس گھر کی کل کائنات تھی۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ جیسے دالان میں ایک تخت تین پیر کی کرسیاں، دو مونڈھے اندر کمروں میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ لیکن اس لڑکی کے علاوہ گھر میں اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ منور حسین صاحب مجھے اندر لے آئے اور پھر بولے۔

''دیکھو! ایسا کرو پہلے نہا لو۔ غسل خانے میں نل لگا ہوا ہے۔ ٹھنڈا پانی آ رہا ہوگا البتہ کپڑے؟ تہبند باندھتے ہو؟''

''پتا نہیں!'' میں نے جواب دیا۔

''ایسا کرو! میں تمہیں تہبند دیتا ہوں۔ تہبند اور بنیان پہن کر باہر نکل آنا۔ تمہارے بدن کے ناپ کے کپڑے تو نہیں ہیں میرے پاس۔ لیکن اللہ مالک ہے۔ بندوبست کریں گے۔ فی الحال یہ کپڑے اتار کر مجھے باہر دے دینا۔ ان کی جھاڑ پونچھ کر دی جائے گی۔ بعد میں دیکھ لیں گے جو کچھ بھی ہوگا۔ یہ تمام چیزیں میں نے البتہ اطمینان سے لے لی تھیں۔ دیوانگی کا مظاہرہ ضرور کرنا تھا۔ لیکن باقی معاملات میں تو اپنے آپ کو تماشہ نہیں بنانا تھا۔ غسل خانے کا پانی واقعی اتنا فرحت بخش تھا کہ ریل کے سفر اور اس کے پورے دن کی گرد و مٹی کی تمام کوفت دور ہو گئی۔ غسل خانے میں آئینہ اور کنگھا وغیرہ بھی تھا۔ جو میں نے بڑے سلیقے سے استعمال کیا۔ تہبند اور بنیان پہن کر باہر نکلا تو منور حسین کو کھڑے ہوئے پایا۔ میرے صاف کیے ہوئے کپڑے ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ بولے۔

''لو! باہر نہ نکلو بلکہ ایسا کرو کہ ان کو پہن کر باہر آ جاؤ۔ ویسے بالکل صاف ہو گئے ہیں بس گرد مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔ کل کچھ اور بندوبست کریں گے۔'' میں نے خاموشی سے ان بزرگ کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ باہر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً وہ لڑکی جس کا نام راحیلہ لیا گیا تھا اور میں نے اندر سنا تھا۔ منور حسین صاحب سے میرے بارے میں سوالات کر رہی تھی۔ مجھے منور حسین

صاحب کی آواز سنائی دی۔

''بس یوں سمجھ لو! درسِ عبرت ہے۔ اس شخص کو تم نے دیکھا بالکل نوجوان ہے۔ کتنے اچھے نقوش کا مالک، کشادہ پیشانی سے پتا چلتا ہے کبھی ذہین بھی رہا ہوگا۔ کوئی ایسا حادثہ پیش آیا ہے بیچارے کے ساتھ جس نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔''

''وہ پاگل ہے ابو؟''

''نہیں! پاگل نہیں ہے۔ بس اپنا گھر ڈھونڈ رہا ہے۔''

''کہاں؟'' یہ آواز لڑکی کی تھی۔

''بیٹھا ہوا تھا زمین پر۔ بے یار و مددگار، کسی سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ بس زمین پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی اہم بات ہے۔ میں نے دیکھا قریب پہنچا تو مغموم لہجے میں بولا کہ میرا گھر کھو گیا ہے۔ ایسا دل کاٹ دینے والا لہجہ تھا کہ میں نظرانداز نہیں کر سکا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ کہتا ہے گھر میں سب تھے۔ مگر اب کوئی نہیں ہے۔ پتھروں، کنکریوں، زمین اور مٹی میں اپنا گھر تلاش کر رہا تھا۔

''میرے خدا، میرے خدا، ویسے ابو یہ خطرناک پاگل تو نہیں ہوگا۔''

''بیٹے! لگتا تو نہیں ہے۔ لیکن اللہ مالک ہے اب تم خود سوچو اللہ کا ایک ایسا بندہ جو مظلوم ہے ضرورت مند ہے، دکھی ہے، مغموم ہے، ہماری نگاہوں کے سامنے آیا ہے تو نظرانداز کیسے کر سکتے ہیں۔ یوں سمجھ لو یہ تو ہماری ذمہ داری ہے کہ تھوڑا سا اس کا ساتھ دیں۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اگر خطرناک ثابت ہوا تو زمیندار صاحب سے کہیں گے کہ وہ اسے سنبھالیں۔ ہم اس قابل نہیں ہیں۔ زمیندار صاحب بھی اچھے انسان ہیں۔ ضرور اس کی مدد کریں گے لیکن ابتدائی مدد تو ہمیں ہی کرنی ہے نا۔''

''جی ابو۔''

''تم جاؤ! ذرا دیکھو کھانے پینے کے لیے کیا ہے؟ کچھ اضافہ کر لینا اور ذرا جلدی کر لینا۔ پتہ نہیں

بیچارہ کب کا بھوکا ہو؟ کیا کہا جا سکتا ہے؟''

''جی ابو!'' لڑکی کی آواز سنائی دی اور میرے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کوئی اور لمحہ ہوتا کوئی شریف آدمی ہوتا تو ایک ایسے ہمدرد انسان کی دل میں نہایت عزت' نہایت قدر کرتا لیکن میں کیا کرتا؟ میں تو ہر چندی کا ہرکارہ تھا۔ بہرحال اس گھر میں میری جس طرح خاطر مدارت کی گئی اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی بار دل پر ضربیں پڑیں لیکن ان ضربوں کو برداشت کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ بڑی اداکاری کرنی پڑ رہی تھی۔ ہر چندی کے اندر ایک خوبی تھی۔ جس جگہ بھی اپنے مقصد کے لیے بھیجتا وہاں میرے مقصد کا کام بھی نکل آتا تھا۔ اول تو شیطان صفت ہر چندی اس طرح میری امداد کیا کرتا تھا کہ میں خود حیران رہ جاتا تھا دوسری بات یہ کہ وہ جس ماحول کا انتخاب کرتا وہ اپنی جگہ بے مثال ہوتا۔ منور حسین صاحب واقعی فرشتہ صفت انسان تھے۔ رات کو میں نے اپنا چولا بدل لیا۔ تو انہوں نے نماز سے فراغت حاصل کی اور دالان میں تخت پر میرے پاس آ بیٹھے۔ جبکہ وہ لڑکی راحیلہ کمرے کے اندر تھی۔ منور حسین صاحب نے کہا۔

''بیٹے! آپ نے اپنا نام تک نہیں بتایا ہمیں؟''

میں نے اداس نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر غمزدہ لہجے میں بولا۔

''یہی تو دکھ کی بات ہے جناب! مجھے اپنا نام تک یاد نہیں رہا۔''

''ہونہہ! خیر اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ دنیا کا ہر کام وقت آنے پر ہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی اس کا وقت نہ آیا ہو کہ تم ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔ لیکن مایوس نہ ہونا بیٹے! جب وقت آئے گا تو سب کچھ خود ہی پتا چل جائے گا۔ میں نے اداسی سے آنکھیں بند کر لیں تو کچھ دیر کے بعد وہ بولے۔

''اور فکر نہ کرنا! یہاں تمہاری بہن ہے۔ مجھے چچا جان کہہ لو۔ تمہارا گھر بھی بعد میں تلاش کر لیں گے۔''

میں نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا اور گردن جھکا لی۔ دل ہی دل میں' میں نے کہا کہ چچا جان

بہن بھائی تو میں بھی بہت سے چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ کہاں مجھے اس جال میں پھنسا رہے ہیں۔ نہ بہنوں سے کچھ ملنا ہے نہ بھائیوں سے۔ دنیا بالکل مختلف چیز ہے۔ آپ جو کچھ بھی کہلوا لیں کہوں گا۔ اور جب میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہوں گا تو پھر میرے اوپر کچھ ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتیں۔ منور حسین صاحب نے کہا۔

''ویسے تمہیں کوئی نام دینا ضروری ہے۔ ہم لوگوں سے تمہاری ملاقات کرائیں گے۔ تو کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی ہوگا۔ ایک بات بتاؤ؟ اگر ہم تمہیں یوسف کہیں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

ایک لمحے کے لیے میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ میں نے سوچا کہ کہیں یہ بڑے میاں مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ میری شخصیت سے واقف ہوں۔ تعجب کی کوئی بات نہیں تھی بہرحال! میں بھی ایک بڑے گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ ہو سکتا ہے میرے سلسلے میں تشہیر کی گئی ہو اور لوگوں کو بتایا گیا ہو اور یہ بزرگ مجھے جانتے ہوں تاہم میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ کا جو دل چاہے کہہ لیں مجھے۔ میں بھلا کوئی اعتراض کر سکتا ہوں۔'' بزرگ خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''راحیلہ! بچے کو ایک چادر اور دیدو۔ رات کو ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔''

''جی ابو!'' اور راحیلہ مجھے چادر دینے کے لیے آئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''ابو! ان کا نام کیا ہے؟''

''یوسف!'' میرے بولنے سے پہلے منور حسین نے کہا۔

''یہ خود جواب نہیں دیں گے؟''

''بھئی جواب دیجئے!'' منور حسین کسی قدر پر مذاق لہجے میں بولے۔

''جی میرا نام یوسف ہے۔ میں' میرا' میرا گھر گم ہو گیا ہے۔ میں اپنا گھر تلاش کر رہا ہوں۔''

''اس کی تم فکر نہ کرو بیٹے! گھر مل جائے گا تمہارا۔ پر دامت کرو۔ بہرحال! پھر اس کے بعد منور

حسین صاحب میرے تخت کے برابر ہی چار پائی بچھا کر لیٹ گئے پھر بولے۔

''یوسف میاں، اب بجائے اس کے کہ میں تم سے تمہارے ماضی کے متعلق پوچھوں میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں۔ میرا نام منور حسین ہے۔ ہم بس بڑی بڑی مشکلوں سے گزرتے رہے ہیں۔ زندگی نے بڑے الٹ پھیر دکھائے ہیں۔ کچھ زمینیں تھیں ہمارے پاس جو ہماری کفالت کرتی تھیں۔ بعد میں وہ زمینیں ہم سے چھن گئیں۔ شادی ہوئی مگر بیگم صاحبہ ہمارا زیادہ عرصہ تک ساتھ نہیں دے سکیں اور اس دنیا سے چلی گئیں۔ اس کے بعد ہمارے سپرد ذمہ داری کر دی گئی کہ ہم اپنی بیٹی کو پروان چڑھائیں۔ بس زندگی یہاں تک محدود ہے۔ ہر انسان کے لیے آگے کے راستے آسمانوں سے متعین ہوتے ہیں اور وہیں سے صحیح فیصلے ہوتے ہیں۔ اب وقت گزاری کر رہے ہیں۔'' اچانک ہی میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا۔ میں نے منور حسین صاحب سے پوچھا۔

''چچا جان! ایک سوال کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے؟'' میرے لہجے کی سنجیدگی پر منور حسین صاحب کو حیرت ہوئی۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''جی بیٹے! کہو؟''

''یہ گندے علوم کیا ہوتے ہیں؟'' سفلی علم کہتے ہیں انہیں۔ یہ سفلی علم کیا ہوتے ہیں؟'' منور حسین صاحب حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے۔

''تمہیں ان کا خیال کیوں آیا؟''

''پتہ نہیں! ذہن پر کچھ مٹے مٹے سے نقش ہیں۔ کبھی کبھی یاد آتا ہے ایک گھر۔ ابو تھے۔ امی تھیں بہن بھائی تھے۔ ماموں تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا؟ یہ سب بچھڑ گئے۔ ویرانے رہ گئے۔ تنہائیاں رہ گئیں اور اس کے بعد ان ویرانوں میں بھٹکنے کا احساس رہ گیا۔ نہ جانے کیوں ایک بار ایک عجیب و غریب شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ وہ بہت ہی عجیب تھا کہنے لگا کہ میاں جی کالا علم کرایا گیا ہے تم پر سفلی علم میں ڈوبے ہوئے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ ہمارا ساتھ دو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

عجیب و غریب چیز تھی۔ لمبے لمبے ہاتھ پاؤں جیسے ہاتھوں اور پیروں کی جگہ ہڈی ہی نہ ہو۔ جیسے سانپ ہوتے ہیں۔

''میرے خدا' میرے خدا پھر کیا ہوا؟''

''بس اس کے بعد کچھ پتا نہیں چلا کہ کیا ہوا' کیا نہیں ہوا؟'' منور حسین صاحب دیر تک کچھ بیٹھے سوچتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔

''جو حلیہ تم نے بتایا ہے وہ تو بڑا پریشان کن ہے۔''

''کیوں؟''

''بس بہت پرانی بات ہے کافی پرانی۔'

ایک ایسے ہی سفلی علوم کا ماہر مل گیا تھا۔ ایک گھرانے کو پریشان کر رکھا تھا اس نے۔ اس وقت ایک ایسی شخصیت تھی جو بڑا علم رکھتی تھی۔ ہم سب اس کے مرید تھے۔ وہ بدقسمت آدمی جس کا نام ہرچندی تھا۔ ایک گھرانے کو وہ تکلیف پہنچانے پر تلا ہوا تھا کہ لاکھ بار منع کرنے کے باوجود باز نہیں آیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بابا رحمان نے اسے جال میں جکڑ لیا اور اسے ہاتھ پاؤں سے مفلوج کر دیا۔ یہ ایک وارننگ تھی اس کے لیے مگر وہ بدبخت وہاں سے فرار ہو گیا۔ پھر دوبارہ کبھی سامنے نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے اسی نے کوئی کارروائی کی ہو۔ خیر' جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ البتہ ہم تمہیں ایک بات بتائیں۔ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ کسی جادو کا توڑ کر سکیں۔ یہ گندے علوم ناپاک علم والے کرتے ہیں۔ دیکھو! دنیا میں شیطان کو بھیجا گیا ہے اور اس کمبخت کو اجازت دی گئی ہے کہ نیک بندوں کو بہکائے۔ ان کے لیے جتنے بھی نقصان کے راستے ہوں۔ وہ اپنائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جو اس کے نیک بندے ہوں گے وہ بہکیں گے بھی نہیں اور جو گندے علوم وہ کرے گا ان کا توڑ بھی ہوگا۔ ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے۔ یہ ناپاک علم والے اپنا گندا علم کرتے ہیں اور اگر بعض اوقات کوئی چھوٹا موٹا عامل اس کا توڑ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خود بھی مصیبتوں کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس لیے عام قسم کے لوگ جو یہ سب

نہیں کرتے اس قصے میں نہیں پڑتے البتہ تم نے یہ سنا ہوگا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ تم بے فکر رہو میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''کیا؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے منور حسین صاحب کو دیکھا اور وہ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

''اصل میں ایک ایسا شخص میرے علم میں ہے جو خود بھی گندے علوم کرتا ہے۔ اس سے مل کر ذرا معلومات حاصل کریں گے۔ وہ بہت تیز طرار آدمی ہے اور شاید گندے علم بھی کرتا ہے۔ ہندوؤں کو اس سے بڑی عقیدت ہے اور ان کے سارے کام وہ خود ہی کرتا رہتا ہے۔ اسی وقت تمہیں اس کے پاس لے چلتا ہوں۔ شاید وہ تمہارے کام آجائے۔''

''آپ سے اس کی کیسے شناسائی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہماری شناسائی اس وقت سے ہے جب ہمارے درمیان رنگ، مذہب، نسل، عقائد کی عقل نہیں تھی۔ اتفاق سے بعد میں وہ باقاعدہ مختلف راستوں پر چل پڑے۔''

''باقاعدہ مختلف راستے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں۔''

''میں اس بات کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ ہے کہ اس نے برے راستے اختیار کر لئے جوگیوں اور سادھوؤں میں بیٹھ کر نجانے کیا کیا الٹے سیدھے جنتر منتر سیکھ لیے اور لوگوں کو بے وقوف بنانے لگا، ہمارے لیے ہمارے مرشد نے کچھ راستے منتخب کر دیئے اور حکم دیا کہ لوگوں کی چھوٹی چھوٹی مشکلات کا حل تلاش کریں کچھ وظیفے بخش دیئے گئے جن کی تکمیل کے بعد ہم ضرورت مندوں کو اپنی بساط بھر مدد فراہم کرنے لگے۔''

''اس بات پر اسے اعتراض نہیں ہوا؟''

''نہیں، بس اتنا کہا اس نے کہ میاں جی کہیں ہماری ہی چوٹی مت کاٹ دینا۔''

''چوٹی!'' میں نے تعجب سے کہا۔

''ہاں تم واقف نہیں ہو ہندو اپنے سر کے درمیان ایک چھوٹی سی بالوں کی لٹ چھوڑ دیتے ہیں یہ ان کا مذہبی عمل ہے۔''

''اچھا اچھا۔'' میں نے کہا۔ پھر وہ بولے۔

''تم تھوڑی دیر آرام کرو میں کچھ کام کر لیتا ہوں اس کے بعد میں تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا۔''

''اس کا نام کیا ہے؟''

''نند کشور۔'' منور حسین صاحب نے جواب دیا۔

''بہر حال مجھے کسی کے نام وغیرہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی'' میں یہ سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں میری یہ کارروائی ہرچندی کی پسند کے مطابق چل رہی ہے یا نہیں لیکن ہرچندی کے لیے یہ مشکل نہیں تھا کہ اگر میں غلط راستہ اختیار کر رہا ہوں تو مجھے روک دے اور بتا دے ہاں یہ الگ بات ہے کہ منور حسین جیسے نیک اور شریف آدمی کے گھر میں ہرچندی کا گزر نہ ہوا اچانک ہی میرے دل میں خیال آیا کہ ذرا دیکھوں تو سہی کہ منور حسین صاحب کیا کر رہے ہیں، میں چھپتا چھپاتا اندر داخل ہو گیا۔ اس گھر میں باپ اور بیٹی کے سوا تھا ہی کون منور حسین راحیلہ سے باتیں کر رہے تھے۔

''ہاں وہ کسی اچھے گھرانے کا ہی معلوم ہوتا ہے چہرے وغیرہ ہی سے پتا چلتا ہے کہ کسی بڑے باپ کا بیٹا ہے لیکن مصیبتوں میں پڑ گیا ہے۔''

''کیسی مصیبتوں میں ابو؟'' راحیلہ نے پوچھا۔

''بس بیٹے کیا بتاؤں یوں سمجھ لو کہ ایک شیطان نے اسے چیل کی طرح اپنے پنجے میں جکڑ رکھا ہے۔''

''شیطان نے۔'' راحیلہ کی آواز میں خوف تھا۔

''ہاں۔''

''ابو مجھے کھل کر بتایئے۔''

"میرا خیال ہے تم تھوڑا سا انتظار کرو۔"

"نہیں ابو میرا مطلب ہے آپ نے گھر میں ایک مہمان کو رکھا ہے' دیکھنے میں بے شک وہ بھلے آدمی لگتے ہیں لیکن مجھے بھی تو ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"ہاں بیٹی میں ذرا اسے نند کشور کے پاس لے جا رہا ہوں۔"

"نند کشور وہ۔۔۔ وہ سادھو؟"

"ہاں' تمہیں معلوم ہے نا کہ وہ میرا دوست ہے۔"

"ہاں عجیب دوستی ہے آپ کی' دونوں آگ اور پانی مگر ساتھ ساتھ۔"

"بات اصل میں یہ ہے راحیلہ کہ نند کشور بھٹک کر گندے راستوں پر نکل گیا ہے البتہ اندر سے وہ برا آدمی نہیں ہے۔ اب جنتر منتر تو اس نے کیا ہی سیکھے ہوں گے' تکے لگا لیتا ہے کبھی کوئی تکہ لگ گیا تو رقم اس کے ہاتھ آ گئی اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے وہ دل کا کمبخت اچھا ہی ہے اور بچپن کی اس دوستی کو بھولا نہیں ہے۔"

"وہاں لے جا کر آپ کیا کریں گے ابو؟" راحیلہ نے پوچھا اور جواب میں منور حسین صاحب کی ہنسی سنائی دی پھر انہوں نے کہا۔

"بڑا تجسس ہے تمہارے اندر راحیلہ بیٹی۔"

"نہیں ابو اگر کوئی بات ایسی ہے جو بتانے کی نہیں ہے تو میں معافی چاہتی ہوں کہ اتنا آپ سے کہا وہ تو بس یہ ہے کہ بات جاننے کی خواہش دل میں بیدار ہو ہی جاتی ہے بس اس لیے پوچھ لیا تھا میں نے۔"

"ارے نہیں نہیں میں کوئی برا تھوڑی مان رہا ہوں' اچھا چلو چھوڑو اصل میں کبھی کبھی ذرا سا الجھ جاتا ہوں میں۔"

"کس بات سے؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"اس کی یادداشت گم ہو گئی ہے اسے اپنا گھر یاد نہیں ہے لیکن کبھی کبھی اس کی آنکھوں سے ذہانت جھلکنے لگتی ہے یوں لگتا ہے جیسے کہ وہ بالکل باہوش و حواس ہو اور اس کے اندر کوئی کمی نہ ہو۔"

"ابو کبھی اس سے پہلے آپ کا واسطہ کھوئی ہوئی یادداشت کے کسی مریض سے پڑا ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ آپ یہ شناخت نہیں کر سکتے کہ سامنے والا کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ہے بھی یا نہیں۔"

"کیا مطلب؟" منور حسین صاحب حیرت سے بولے۔

"نہیں میرا مطلب یہ ہے ابو' پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہوں میں' خیر چھوڑیئے۔"

"اور۔۔۔ نہیں بیٹے بات صرف یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں تجسس جاگ اٹھا ہے اس کے بارے میں۔۔۔ چاہتا ہے کہ نند کشور کچھ انکشافات کرے خود اس نے جو انکشاف کیا ہے وہ بڑی عجیب ہے بہت پرانی بات ہے بابا رحمان کا نام تم نے میری زبانی سنا ہوگا بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے ہرچندی نامی ایک شیطان صفت جادوگر جو بڑی قابل نفرت قوتوں کا مالک تھا اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ کچھ ایسے عمل کر رہا تھا جس کے لیے بابا رحمان نے اسے منع کیا اور وہ باقاعدہ بابا رحمان کے سامنے آ گیا بابا رحمان ان لوگوں میں سے تھے جو زندگی میں کسی کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن صرف اپنی ذات تک کے لیے بات نہیں تھی ہرچندی کے ناپاک ارادوں سے واقف ہو کر انہوں نے اسے دو تین بار منع کیا کہ ہرچندی یہ سب کچھ نہ کر مگر وہ بھی اچھا خاصا کالا علم حاصل کر چکا تھا نہ مانا نتیجہ یہ ہوا کہ بابا رحمان کو اس کے ساتھ کچھ کرنا پڑا' بابا

رحمان اسے مفلوج کر دینا چاہتے تھے عمل تو ہوا لیکن اس کے ہاتھ پاؤں بے ہڈیوں کے بغیر رہ گئے اور اپنے منتروں کے ذریعے وہاں سے بھاگ نکلا جب بابا رحمان نے اس کے خلاف عمل کیا تھا تو ہم میں سے کچھ افراد ان کے حکم کے مطابق اس کے گرد حصار کیے ہوئے تھے اور اس حصار میں اسے گھیر کر اس کے کالے علم کو ختم کیا گیا تھا بعد میں اس نے یہ کہا تھا کہ وہ بدلہ لے گا لیکن پھر وہ نظر نہیں آیا بابا رحمان بھی اس دنیا میں نہ رہے اور بات ختم ہوگئی' بہت عرصے کے بعد اس شخص کے ذریعے ہر چندی کا نام سامنے آیا ہے۔

''اس کے ذریعے۔''

''ہاں میں اسے یوسف کہہ کر مخاطب کرتا ہوں کیونکہ اسے اپنا نام یاد نہیں ہے۔ یوسف کی بات کر رہا تھا میں۔''

''مگر اس کے ذریعے آپ نے اس کا نام کیسے سنا؟''

راحیلہ نے پوچھا۔

''اس سے معلومات حاصل کرتے ہوئے بیٹا مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر چندی نامی ایک شخص اسے ملا تھا اور اس نے اسے اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''کیا آپ اس بات سے پریشان ہیں ابو؟''

''بالکل نہیں' لیکن کالی غلاظت' کالی گندگی میں شامل کرنے لے جا رہا ہوں' نند کشور ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں تو کم از کم مجھے یہی بتا دے کہ اس شخص کی کیا کیفیت ہے' اچھا اب میں چلتا ہوں تم احتیاط سے رہنا حالانکہ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

حمیدی

''جی ابو پتا نہیں کیوں میں کچھ خوفزدہ سی ہوگئی ہوں۔''

''ارے نہیں بیٹے ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے مجھے احساس ہوا کہ منور حسین صاحب باہر آ رہے ہیں چنانچہ میں پھرتی سے وہاں سے ہٹ آیا۔ منور حسین صاحب میرے پاس پہنچے اور بولے۔''

''ہاں میاں تیار ہو؟''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں؟'' میں نے معصومیت میں کہا اور اس کے بعد منور حسین صاحب باہر نکل آئے میں نہیں جانتا تھا کہ نند کشور کہاں رہتا ہے لیکن جب منور حسین صاحب نے وہاں جانے کے لیے تانگہ روکا تو میں سمجھ گیا کہ وہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے خیر مجھے اس سے کیا غرض تھی یہ سب تو ایک ڈراما تھا اور میں اس ڈرامے میں حصہ لے رہا تھا اصل بات جو تھی وہ میرے دل میں تھی اور منور حسین صاحب کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنے بڑے نقصان سے دوچار ہونے جا رہے ہیں۔

☆......☆......☆

یوسف باگا نے اپنی کہانی پھر درمیان میں روک دی اور میں معمول کے مطابق اسی طرح چونک پڑا جیسے کسی نے مجھے دلکش خواب سے جگا دیا تھا۔ یا میری نگاہیں پردہ سیمیں پر کوئی فلم دیکھ رہی ہوں۔ کہانی تسلسل سے جاری ہو اور اچانک لائٹ چلی جائے اور کہانی کا سلسلہ ٹوٹ جائے۔ میں کھوئی کھوئی نگاہوں سے خلا میں گھورنے لگا جیسے یوسف باگا کو اس کے بدن سمیت تلاش کر رہا ہوں۔ اور یوسف باگا کی آواز ابھری۔

''فیضان بہت منسلک ہو گئے ہو میری کہانی سے۔''

اس آواز میں جیسے خوابوں کی دنیا سے واپس لوٹ آیا۔ میں نے کہا۔

''باگا صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں آپ کی تعریف و توصیف میں کچھ الفاظ کہتا ہوں تو خود مجھے اپنے آپ سے شرمندگی محسوس ہو گی کہ میں آپ کو خوش کرنے کے لیے یہ الفاظ کہہ رہا ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔''

''نہیں تم مجھے سمجھ چکے ہو اور میں تمہیں۔ تمہاری فطرت کو میں جانتا ہوں۔ چنانچہ اس خیال کو دل سے نکال دو انسان اپنے مزاج میں سب کچھ ہوتا ہے۔ تم یہ نہ سوچو کہ میں کیسے کوئی بات سوچ سکتا ہوں۔''

''شکریہ باگا صاحب! حقیقت یہ ہے کہ آپ کی داستان اس قدر دلچسپ ہے کہ اس میں تسلسل کا خاتمہ میرے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے۔'' جواب میں مجھے باگا کی ہنسی سنائی دی پھر اس نے کہا۔

''چلو یہ بھی تم نے بہت اچھی بات کہہ دی اب میں تمہیں اس کے بارے میں یہ بتاؤں کہ انسانی خواہش زندگی سے بہت سی خوشیاں چھین لیتی ہے۔ اور انسان اپنی خواہشوں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے اور جب یہ خواہشیں پوری نہیں ہوتیں تو اسے دکھ ہوتا ہے۔ اگر اپنے آپ کو اس انداز میں ڈھال لیا جائے کہ خود خواہشوں کو جنم دیا جائے اور خود ان کی گردن دبا دی جائے تو انسان کے اندر صبر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ صبر تم سمجھ لو جینے میں اس کا بہترین معاون ہوتا ہے۔ زندگی کو صرف ایک مشغلے میں ڈھالنا میرے خیال میں مناسب نہیں ہوتا۔ مزاج کی تبدیلی زندگی میں تغیر پیدا کرتی ہے۔ اور یہ تغیر زندگی کے لیے ایک ٹانک ہے۔ کیا سمجھے؟''

''جی۔''

''اچھا ان لوگوں کا حال بتاؤ اپنی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں۔''

''کن لوگوں کا؟''

''صفیہ اور حیدر بیگ کی بات کر رہا ہوں۔''

''بہت ٹھیک ہیں وہ لوگ۔ بہت خوش ہیں۔ صفیہ بالکل تندرست ہو گئی ہے اور میری دوست بہت خوش نظر آتی ہے۔ چند لمحات کے لیے خاموشی طاری ہو گئی۔ یوسف باگا نے پر خیال انداز میں کہا۔

''حقیقت یہ ہے کہ جینے کے لیے صرف ایک روشن نقطہ چاہیئے۔ آپ اس نکتے پر نگاہیں جمائے جیتے رہیئے اور پھر بچوں کا معصوم حسن تو اس کائنات کا ذریعہ زندگی ہے۔ اس حسن بے مثال کا بھلا کیا جواب ہو سکتا ہے۔''

''جی باگا صاحب۔''

''بس بہت سی نعمتوں سے محروم رہا ہوں۔ ان میں یہ ایک نعمت بھی ہے۔''

''باگا صاحب بہت سے خیالات دل میں آتے ہیں آپ نے صفیہ کے سلسلے میں جو کارنامہ کر دکھایا ہے اس سے یہ خیال مسلسل میرے دل میں پیدا ہوتا رہا ہے بلکہ شاید میں آپ سے اس کا تذکرہ بھی کرتا رہا ہوں۔''

''ارے نہیں تم نے یہ خیال ہی خیال میں یہ خیال بھی کرلیا ہوگا کہ تم مجھ سے اپنے خیال کا تذکرہ کر چکے ہو کیا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے؟'' باگا نے سوال کیا۔

''صفیہ اور حیدر بیگ کے خاندان کو ایک نئی زندگی ملی ہے اور آپ نے جو عنایت ان پر کی ہے وہ بے مثال ہے۔ لیکن ایک عرض کروں اگر آپ سے تو آپ اس پر غور کیجئے گا۔''

''ہاں بولو۔''

''یہ اتنی ساری جائیداد آپ کی جو ادھر ادھر بکھری پڑی ہے اس سے کرایہ وصول ہوتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں یہ آپ کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں تمہیں اپنی ضرورتیں بتا چکا ہوں۔''

''ہاں بے شک! اگر آپ ان تمام چیزوں کو سمیٹ کر یکجا کر دیں ایک ایسا گھر بنا دیں جو وسعتوں میں پھیلا ہوا ہو اور وہاں آپ ایسے لوگوں کا علاج کریں جو زندگی سے مایوس ہو چکے ہوں۔ اگر ان کا علاج ممکن ہو تو آپ کی زیرک نگاہیں بخوبی یہ کر سکتی ہیں ایسی شکل میں باگا صاحب کیا ان تمام چیزوں کو جمع کر کے ہم ایک ایسی جگہ نہیں بنا سکتے۔ آپ خفیہ طور پر ان کا معائنہ کریں مجھے ہدایت دیں ہم کچھ ڈاکٹروں کو باقاعدہ تنخواہ دے کر ایسے علاج کے لیے مقرر کرلیں جو وہاں آپ کے عمل سے کی جا سکے۔ اور اس طرح یہ ممکن ہو کہ ہماری زندگی کو بھی کوئی راستہ مل جائے۔'' باگا نے خاموشی اختیار کر لی تھی دیر تک خاموش رہا۔ پھر بولا۔

''ہاں قابل غور بات ہے۔ لیکن علی فیضان دنیا بہت بری جگہ ہے۔ اتنی بری کہ جس کا واسطہ اس سے پڑ چکا ہے وہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ تم انسانیت کی بھلائی کے لیے کسی کام کا آغاز کرو گے لیکن کچھ ہی عرصے بعد تمہارے ان اداروں میں مفاد پرستوں کا ایک مجمع لگ جائے گا۔ ان میں وہ بھی ہونگے جو تم سے حسد کریں گے۔ ہائی پروفیشن تم سے مختلف قسم کے معاملات طے کریں گے۔ پیش کش کریں گے اور اگر تم ان پیش کشوں کو قبول نہیں کرو گے تو پھر وہ تم سے منحرف ہو جائیں گے۔ تمہیں نقصان پہنچانے پر تل جائیں گے اور تم مختلف قسم کی پریشانیوں کا شکار ہو جاؤ

گے سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی۔ یہ ایک خیال تھا میرے ذہن میں جو میں نے آپ سے عرض کر دیا۔ اب موجودہ صورت حال یہ تھی کہ کہیں میرے دل میں آپ کے لیے بھی ایک تصور ہے باگا صاحب!''

''ساری باتیں اپنی جگہ ہمارے سروں پر ایک بہت بڑی قوت ہے جو اس کائنات کی مالک ہے۔ اور وہ سب کچھ کر سکتی ہے جو ہماری سوچ میں بھی نہ آ سکے۔ اس نے اپنے بے کس اور بے بس بندوں کے لیے خود اپنے طور پر انتظامات کیے ہیں۔ اور وہ انتظامات مکمل حیثیت رکھتے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں کہ اس دنیا کے رہنے والے کسی بھی طور تمہاری کاوشوں سے خوش نہیں ہو سکتے بلکہ ہر اچھے کام میں کوئی نہ کوئی مداخلت ہوتی ہے۔ تمہارا نظریہ بہت اچھا ہے لیکن میرے اپنے خیال میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ جہاں جسے دکھی پاؤ وہاں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کر ڈالو۔ جہاں تک رہا باقی معاملات کا تعلق تو اس وقت اس دور میں بے کاری' بھوک' بے روزگاری سب سے بڑی بیماری ہے۔ اور اس بیماری کو میں یا تم دور نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ تصور ذہن میں لاؤ جو تمہارے لیے ممکن ہو سکے۔'' بات بالکل درست تھی۔ اور میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

''میں تمہیں کوئی بھی اچھا کام کرنے سے منع نہیں کرتا لیکن بس اس کے لیے اپنا نظریہ صرف اتنا سا بناؤ کہ جہاں کسی بے کس اور بے بس کو پاؤ اور دل اس بات کی گواہی دے کہ یہ مدد کے قابل ہے تو اس کے لیے مصروف عمل ہو جاؤ۔''

''جی باگا صاحب۔''

''اب جاؤ بہتر ہے کہ اب آرام کرو۔ اور اپنے وقت پر آ جاؤ۔ فی الحال تو تمہاری ڈیوٹی یہی لگی ہوئی ہے کہ میرے دل کا بوجھ ہلکا کرو۔'' بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ باگا جو کچھ بھی کہتا تھا اس کا ایک مقصد ہوتا تھا۔ گھر واپس آ گیا۔ حیدر بیگ' صفیہ' رسب سے بڑی بات یہ

کہ میری دوست سیما میرے لیے دعاؤں کے دروازے کھلے رکھتے تھے۔ اور جب بھی ان کے پاس واپس پہنچتا یوں محسوس ہوتا کہ جیسے یہ خاندان میری بہت زیادہ قربتیں حاصل کرنا چاہتا ہو۔

باگا صاحب نے اپنی کہانی پھر شروع کی۔

بہرحال زندگی کا ایک راستہ بن گیا تھا اور اس میں تھوڑی بہت تبدیلی کبھی کبھی رونما ہو جاتی تھی۔ میں اپنی اس زندگی سے خوش تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مستقبل کے فیصلے کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ بس کچھ اور بھی قوتیں ہوتی ہیں جو یہ فیصلے کرتی ہیں اور میرے لیے یہ قوتیں فیصلے کر رہی تھیں۔ میں ان سے مکمل طور پر مطمئن تھا۔ ہم دونوں تانگے میں بیٹھ کر چل پڑے۔ راستے میں منور حسین صاحب نے مجھے نند کشور کے بارے میں بتایا کہنے لگے۔

''نند کشور میرا بچپن کا دوست ہے ہم نے ایک طویل عرصہ ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہوئے گزارا اور اس کے بعد مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ نند کشور ذرا مختلف طبیعت کا مالک ہے۔ وہ آسان ذرائع سے دولت حاصل کرنے کا خواہش مند ہے۔ میٹرک ہم دونوں نے ساتھ کیا اور اس کے بعد نند کشور باہر نکل گیا۔ میں اپنے مسائل سے دوچار ہو چکا تھا۔ اور نند کشور تقریباً بارہ سال مجھے نہیں مل سکا۔ پھر ایک دن اتفاقیہ طور پر میں ایک علاقے سے گزر رہا تھا کہ میں نے وہاں پتھروں سے بنی ہوئی ایک عمارت دیکھی جہاں پینے کا پانی رکھا ہوا تھا۔ بس یونہی اس خیال کے تحت کہ یہ نئی عمارت کس طرح نمودار ہوئی ہے اور یہ کون ہے؟ میں وہاں پہنچ گیا۔ بڑی سبیل لگی ہوئی تھی۔ ایک شخص تانبے کے لوٹے میں پانی بھرے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ ہر گزرنے والے کو جو پیاسا ہوتا پانی پلاتا۔ اور پھر میں نے وہاں پہنچ کر صورت حال معلوم کی تو پتا چلا کہ پنڈت نند کشور جی نے یہاں اپنی مڑھیا بنائی ہے۔ خیر میرے ذہن میں نند کشور کا تصور بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن بس پھر اتفاق سے ہی میں نے لمبی ڈاڑھی بڑے بڑے گیسو اور ایسے حلیے میں ایک شخص کو دیکھا نہ جانے کیوں وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ میں اسے واقعی بالکل نہیں پہچان پایا تھا۔ وہاں سے واپس پلٹ رہا تھا کہ ایک پجاری میرے پاس پہنچا اور کہا کہ مہاراج نند کشور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے

ہیں۔ وہ آپ کو آپ کے مستقبل کے بارے میں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ میں اس وقت بھی صورت حال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو نند کشور سادھوؤں کے لباس میں بیٹھا تھا۔ ہاتھ اٹھا کر مجھ سے بولا۔

''بیٹھ جاؤ منور جی؟'' میں اس کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا تھا۔ میں اس کے سامنے بیٹھ گیا تو اس نے کہا۔

''ماضی کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو، حال یا مستقبل کے بارے میں۔''

''میں تو کچھ بھی نہیں پوچھنا چاہتا سادھو جی! آپ اگر کچھ بتانا چاہتے ہیں تو بتا دیجئے۔''

''نہیں میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم انتہائی بے وقوف آدمی ہو۔'' اس نے کہا۔ اور نہ جانے کیوں مجھے اس کا چہرہ جانا پہچانا لگا۔ میں کچھ بول بھی نہیں پایا تھا کہ وہ پھر کہنے لگا۔

''جو شخص اپنے بچپن کے ساتھی کو نہ پہچان سکے اسے اگر بے وقوف کے علاوہ کچھ اور کہہ سکتے ہیں تو تم مجھے وہ نام بتا دو۔''

''تو تم واقعی وہی نند کشور ہو؟''

''اب اس میں بھی کوئی سوال کرنے والی بات ہے؟''

''یار تم نے اتنی لمبی ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ اتنے بڑے بڑے بال بڑھا لیے ہیں اس کے بعد تجھے پہچاننا کتنا مشکل کام ہے۔ یہ تو خود ہی جانتا ہے لیکن یہ بدمعاشی کیا ہے؟''

''سارا سنسار بدمعاشی کے کام کر رہا ہے میں کیوں نہ کروں۔'' اس نے کہا۔

''گویا تم نے جو کچھ سوچا تھا وہ کر دکھایا۔''

''انسان جو کچھ سوچے اسے وہ کر دکھانا چاہیے۔ ورنہ ایسی سوچوں کو اپنے ذہن پر کیوں پہنچنے دیتا ہے جن کی تکمیل وہ نہ کرنے پائے۔''

''مگر یار تو کر کیا رہا ہے۔''

''جو دنیا کر رہی ہے۔''

''دنیا تو یہ نہیں کر رہی جو تو کر رہا ہے۔''

''کیا بات کرتے ہو یار صرف ایک بات بتا دو کہ اس وقت دنیا ایک دوسرے کو بے وقوف بنا رہی ہے یا نہیں؟ ملکی پیمانے پر ملکوں کے حکمران دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کو بے وقوف بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اس کے بعد تھوڑی سی نچلی سطح پر آ جاؤ۔ ہر شخص الٹی سیدھی تقریریں کر کے دوسروں کو بے وقوف بناتا ہے۔ ڈاکٹر الٹی سیدھی دوائیں لکھ کر مریضوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ سرکاری دفاتر میں بیٹھے ہوئے لوگ اپنے آپ سے منسوب لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ تم صرف میری بات کر رہے ہو۔ دنیا کی بات کیوں نہیں کرتے جو وہ کر رہے ہیں۔ وہی میں کر رہا ہوں۔''

''بہر حال بات تو اس کی کسی حد تک ٹھیک ہے۔ منور حسین صاحب!''

''نہیں خیر ہر شخص کو اپنا اپنا حساب دینا ہوگا۔ اور کسی غلط بات کی تائید کرنا گناہ ہی ہوتا ہے۔'' پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گئے ہر طرف ایک عجیب سی ویرانی پھیلی ہوئی تھی جو عمارت وہاں بنائی گئی تھی وہ مخصوص طرز کی عمارت تھی نہ اسے مندر کہا جا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی رہائش گاہ بس ایک بے تکی سی عمارت خود بخود بنا دی گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم جس شخص کے سامنے پہنچے وہ ایک مضبوط بدن کا لمبا تڑنگا آدمی تھا اور اس نے اپنا حلیہ ایسا بنا لیا تھا کہ دیکھ کر ایک عجیب سی کراہت ذہن میں ابھر آئے۔ وہ قریب پہنچا اور اس نے منور حسین صاحب کی طرف دیکھا تو منور حسین بولے۔

''وہ! پنڈت جی مہاراج واہ۔ ہم درحقیقت تمہارے جال میں آ گئے۔'' جواب میں وہ شخص ہنس پڑا پھر بولا۔

''اصل میں بہت سے لوگ میرے لیے گاہک لے کر آتے ہیں۔ اس وقت نہ جانے کیوں میرے ذہن میں آیا کہ تمہیں بھی مجھ پر یا تو رحم آ گیا ہے یا تم نے میری بڑائی قبول کر لی ہے۔''

''تیری بڑائی؟ تجھ جیسے رنگے سادھو کی؟''

''یار ذرا آہستہ بولو۔ یہاں میرے بہت سے عقیدت مند ہیں۔''

''تو میں کیا کروں؟''

''اچھا ایسا کرو اندر آ جاؤ۔'' وہ بولا اور وہاں سے ہمیں ایک بالکل ہی اندرونی کمرے میں لے گیا۔ یہ بہت بڑا حال نما کمرا تھا جس کی چھت بہت اونچی تھی۔ درمیان میں ایک ٹوٹا پھوٹا فانوس لٹکا ہوا تھا۔ بیشتر حصے تاریک تھے۔ جگہ جگہ پتھر پڑے ہوئے تھے۔ ایک جگہ بہت سی اینٹیں چبوترے کی شکل میں چنی ہوئی تھیں۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا اور بولا۔

''زمین تو اللہ کی ہوتی ہے پاک ہوتی ہے۔''

''ہاں بے شک۔ مگر بعض جگہ زمین پر تم جیسے ناپاک لوگ بھی تو رہتے ہیں۔''

''چلو ٹھیک ہے مگر مولوی منور حسین جیسے پاک لوگوں سے ہماری ناپاکی دور ہو جاتی ہے۔ اچھا خیر چھوڑو۔ سناؤ کیسے حال ہیں؟ اور کیسی گزر رہی ہے۔''

''بس سب ہی کی اچھی گزر جاتی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کون کس طرح اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ خیر میں انہیں لے کر آیا ہوں۔ تمہارے کسی بھائی بند کا شکار معلوم ہیں یہ۔ نام کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہے۔ یوسف کے نام سے مخاطب ہوتے ہیں ہم ان سے۔ ذرا بتاؤ؟ کیا صورت حال ہے۔ اگر کچھ عقل میں آتی ہے تو صحیح بتانا ورنہ کوئی فضول بات میں برداشت نہیں کروں گا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔ اور اس کے بعد کچھ عجیب و غریب حرکتیں کیں۔ ایک آدھے ٹوٹے ہوئے مٹکے میں اس نے پانی بھرا۔ اس پانی میں تھوڑا سا سیندور ڈالا پھر چٹکی بھر ایک سفوف جس سے پانی سے ہلکا ہلکا دھواں بلند ہونے لگا۔ یہ دھواں ہلکی ہلکی سرخی لیے ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے ایک منتر پڑھنے لگا تھا۔ دیر تک وہ یہ منتر پڑھتا رہا اور اس کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر پانی میں دیکھا اور پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

''میں کیا بتاؤں اس بارے میں۔لگتا ہے کسی بڑے گندے علم کے ماہر سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی ہے۔وہ کالے جادو کا ماہر ہے۔اور لگتا ہے بہت کچھ چکر چلا رکھا ہے اس نے۔''

''تو یہ بات سچ ہے۔مگر یہ بتاؤ ہوگا کیا؟''

''دیکھو بات بڑی عجیب سی ہے۔کیوں کہ ہم لوگ ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں۔میں تو خیر کچھ بھی نہیں جانتا بس تکے لگا کر کام چلا لیتا ہوں۔کچھ بڑے منتر جاننے والے لوگوں سے رابطہ رہا ہے اور انہوں نے کچھ چیزیں بتا دی ہیں۔باقی یوں سمجھ لو کہ اداکاری کرتا ہوں اور ادھر ادھر کے لوگوں سے تھوڑا بہت سیکھ چکا ہوں۔اس سے کام چل جاتا ہے میرا۔''

''ان ساری باتوں کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ اس کے لیے کیا کر سکتے ہو؟''

''کچھ کام کرنا ہوگا۔محنت کرنی پڑے گی۔''

''مثلاً۔''

''مثلاً یہ کہ میں انہیں ایک جاپ بتاؤں گا اور وہ یہ جاپ پڑھیں گے۔اصل میں گندگی کو گندگی سے مارنا پڑتا ہے۔جو گندگی ان تک پہنچ چکی ہے اسے دور کرنے کے لیے انہیں اس گندگی کا الٹا کام کرنا پڑے گا۔اور جب وہ قریب آجائے گا تو اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔''منور حسین نے میری جانب دیکھا اور پھر آہستہ سے بولے۔

''کیا کہتے ہو؟''

''جیسا آپ چاہیں۔''

''ٹھیک ہے تو پھر یوں کرو کہ تم یہاں رک جاؤ۔نند کشور جو کچھ بھی بتائے وہ کر لینا۔یہ میرا اتنا اچھا دوست ہے کہ اگر یہ کام نہ کر سکتا تو منع کر دیتا۔''

''جی۔''پھر منور حسین صاحب چلے گئے۔راما تندی نے مجھے ایک عجیب سا منتر بتایا اور کہا کہ اس منتر کو الٹا پڑھنا ہوگا۔الٹے پڑھنے سے برا کام بن جائے گا۔خیر منتر ونتر تو مجھے کیا کرنا تھا نند کشور نے جو جگہ بتائی وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ایک ویران سی جگہ تھی۔تھوڑے فاصلے پر ایک پانی کا تالاب

نظر آرہا تھا تالاب کے کنارے کنارے بہت سے درخت اگے ہوئے تھے۔مجھے وہاں ہرن کی ایک کھال پر بٹھا کر نند کشور نے جو منتر بتائے تھے اسے دہرانے کے لیے کہا گیا۔اور جب میں نے وہ منتر تین بار دہرا دیے تو نند کشور وہاں سے واپس چلا گیا۔وہ مجھے بتا گیا تھا کہ ایک سو اکتالیس بار مجھے یہ منتر پڑھنا ہے اور اس کے بعد خاموشی سے جا کر اس درخت کی چھاؤں میں سو جانا ہے۔میں منتر کیا پڑھتا قرب وجوار کے جائزے لیتا رہا اور اس کے بعد میں نے دل ہی دل میں ہر چندی کو آواز دی۔

''ہر چندی مہاراج۔''دوسرے لمحے مجھے اپنے کاندھوں پر ہر چندی کے شانوں کی گرفت کا احساس ہوا اور اس نے کہا۔

''نہیں۔پلٹ کر مت دیکھنا۔پلٹ کر مت دیکھنا۔''

''ہر چندی مہاراج آپ ہی ہیں ناں۔''

''ہاں یہ میں ہی ہوں۔''

''آپ کو ساری صورت حال کا پتا ہے۔''

''کیوں نہیں۔''

''ہر چندی مہاراج مجھے بتائیے اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''ٹھیک جا رہے ہو۔بالکل ٹھیک جا رہے ہو۔پریشانی کی کیا بات ہے اس میں۔''

''نہیں مہاراج پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔بس میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو میری یہ کوشش آپ کی کسی پریشانی کا باعث بن جائے۔''

''نہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرتے رہو۔منور حسین صاحب نے یہ بات تو پتا چلا لی ہے کہ میں تم سے کام لے رہا ہوں۔لیکن یہ شخص جو ہے نا نند کشور ابھی میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکا ہے۔یہ معلوم کرے گا تو ذرا نقصان ہو جائے گا مجھے۔اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ میں اسے ٹھیک کرتا ہوں۔تم یہاں سے واپس چلو۔''

''کہاں؟''

''منور حسین صاحب کے گھر۔''

''میں وہاں جا کر کیا کروں؟''

''ارے پاگل میں کوئی تجھے اکیلے تھوڑی چھوڑ دوں گا۔ بس وہاں جا کر تجھے یہ کہنا ہے کہ نند کشور نے کہا ہے کہ اب میں جاؤں اور گھر جا کر آرام کروں۔''

''ٹھیک ہے لیکن مجھے وہاں کا راستہ نہیں آتا۔''

''آ جائے گا۔ آ جائے گا۔ اب تو یوں کر کہ اس عمارت سے جتنی دور جا سکتا ہے چلا جا۔ بلکہ وہ جو آگے برگد کا درخت ہے تو اس کے نیچے پہنچ جا باقی باتیں میں تجھے بتا دوں گا۔'' میں نے ہرچندی کی ہدایت پر عمل کیا اور فاصلہ طے کر کے درخت کے پاس پہنچ گیا۔ مجھے نہیں اندازہ تھا کہ ہرچندی وہاں کیا کر رہا ہے لیکن مجھے اندازے لگانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ میں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ بھی کرے گا بہر حال میرے لیے برا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ میں تو اس کا بھرپور ساتھی بن چکا تھا۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد ہرچندی میرے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہ اپنی اصلی شکل میں تھا۔ اس نے میرے قریب پہنچ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ابھی تھوڑی دیر کے بعد دیکھنا ادھر کیا ہوگا؟ ہماری سواری کے لیے بھی بندوبست ہو رہا ہے۔''

میں نے تھوڑی دیر کے بعد ایک تانگہ اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تانگہ ابھی ہمارے پاس پہنچا بھی نہیں تھا کہ اچانک ہی ہرچندی کی اس بات کی نشان دہی ہوگئی جو اس نے کہی تھی۔ نند کشور کی رہائش گاہ میں ایک دھماکا ہوا اور اینٹیں فضا میں بلند ہونے لگیں۔ پھر دوسرا اور تیسرا دھماکا ہوا اور اس کے بعد شعلوں کے بادل آسمان کی جانب پرواز کرنے لگے۔ یہ شعلے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے اور میں سہمی ہوئی نگاہوں سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ تانگہ ہمارے قریب آ کر رک گیا۔ اس میں کوئی کوچوان نہیں تھا۔ ہرچندی نے خود گھوڑوں کی باگیں سنبھالیں اور مجھ سے بولا۔

''آ جا۔'' میں تانگے میں بیٹھ گیا اور تانگہ چل پڑا۔ آبادی میں داخل ہونے کے بعد ہرچندی نے کہا۔

''اب تو چلا جا اور ذرا سی بات بدل دینا۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اصل میں اس وقت میں نہیں چاہتا تھا کہ نند کشور کو مار دوں، لیکن وہ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اس لیے مجھے آگے کا کام کرنا پڑا۔ اب تو منور حسین صاحب سے یہی کہہ دینا کہ نند کشور کی رہائش گاہ تباہ ہوگئی اور اس کی وجہ کیا تھی یہ میں نہیں جانتا۔

''ٹھیک ہے۔''

''تو اب جا۔ باقی کام تیرا ہے۔'' اس نے کہا اور میں راستے کے اندازے کرتا ہوا منور حسین کے گھر کی جانب چل پڑا۔ دروازے کی زنجیر بجائی تو دروازہ منور حسین صاحب نے ہی کھولا تھا۔ یہ ان کی عادت تھی۔ مجھے دیکھ کر بری طرح چونک پڑے۔ اداکاری کرنا تو خیر مجھے آ گیا تھا۔ شروع سے اب تک اداکاری ہی کرتا رہا تھا ان سے۔ میں نے اپنے چہرے پر افسردگی کے آثار پیدا کر لیے تو منور حسین صاحب بولے۔

''خیریت تو ہے آؤ اندر آؤ۔ کیا ہوا؟ یہ تمہارے چہرے سے کیا اظہار ہو رہا ہے۔''

''برا ہوگیا ہے۔ منور حسین صاحب۔''

''ارے بتاؤ تو سہی بھائی۔ آؤ بیٹھو۔ بیٹھو۔ کیا ہوا ہے۔ خیریت؟''

''غالباً نند کشور کوئی منتر پڑھ رہے تھے۔ بس تو ان سے کافی فاصلے پر ان کا بتایا ہوا عمل دہرا رہا تھا لیکن اچانک ہی میں نے دیکھا کہ ان کی رہائش گاہ میں دھماکا سا ہوا اینٹیں فضا میں پرواز کرنے لگیں۔ پھر کئی دھماکے ہوئے اور آگ لگ گئی۔ بس اس کے بعد میں وہاں نہیں رک پایا۔ بڑی دہشت کا احساس ہوا تھا مجھے۔ غالباً وہاں موجود لوگ بھی مر گئے ہوں گے۔''

''اوہو۔ بہت برا ہوا یہ تو۔ بہت ہی برا ہوا۔ خیر اب جو ہونا تھا وہ تو اب ہو ہی چکا ہے۔ ظاہر ہے اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ ذرا جا کر خبر لیتا ہوں۔ پتا تو چلے کہ نند کشور کا کیا ہوا؟ تم آرام سے یہاں بیٹھو۔ راحیلہ۔ راحیلہ۔'' منور حسین صاحب نے راحیلہ کو آواز دی

اور وہ آ گئی۔

''دیکھو انہیں جو بھی ضرورت ہو پوری کرو۔ میں آتا ہوں ابھی تھوڑی دیر میں۔'' چنانچہ وہ چلے گئے۔ میں تخت پر بیٹھ گیا تھا۔ راحیلہ بڑے خلوص سے مسکراتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے لیے چائے بنا کر لائی اور بولی۔

''یہ چائے لے لیجئے۔'' میں نے گردن ہلائی لیکن اچانک ہی میرے شانوں پر دباؤ محسوس ہوا۔ اور یہ دباؤ ہرچندی کے قریب آنے کا ہوتا تھا۔ راحیلہ تو چلی گئی۔ ہرچندی کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔

''ہاں رے بول کیسا رہا یہ سب کچھ؟''

''بہت اچھا ہرچندی۔''

''اور وہ سندری۔''

''کون؟''

''ارے یہ مجھ سے پوچھ رہا ہے کون؟''

''کس سے پوچھوں پھر؟''

''ارے وہی جو تیرے سامنے پھدک رہی ہے۔ انگ انگ میں مستیوں کا سمندر لیے ہوئے۔ رس ہی رس ہے پورے بدن میں۔ اور تو اس رسیلی کو دیکھنے کے باوجود پوچھ رہا ہے کہ کون؟'' میں نے ایک لمحہ کے لیے اپنے ذہن میں الجھن محسوس کی تو ہرچندی کی آواز پھر سنائی دی۔

''اس وقت تیرا شریر میرے قبضے میں ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر پریشان ہو رہا ہے۔ بتا نہیں چکا ہوں تجھے کہ یہ منور حسین مہاراج ہیں میرے دشمنوں میں ہیں۔ مجھے نقصان پہنچانے والوں میں اور اب یہ تجھے لے گئے تھے۔ اس لفنگے کے پاس جو نہ تیتر ہے بٹیر نہ سادھو ہے نہ شیطان۔ ارے پاگل انہیں چوک دینی ہے ہمیں۔ تو کہاں چلا گیا تھا ان کے ساتھ۔ اس سسرے کو مروانے کے لیے۔ چل ٹھیک ہے اس کی ہمارے ہاتھوں آئی تھی نہ تو روک سکتا تھا نہ ہم۔''

حمیدی

''تو وہ تم نے کیا ہرچندی۔''

''تو اور کون کرتا؟''

''تو بیٹھ تو گیا تھا جاپ کرنے کے لیے۔''

''کیا میں نے جاپ کیا؟''

''نہیں۔''

''کرتا بھی تو ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔''

''ارے یہ تو ٹکے ٹکے کے لوگ ہیں ہمارے سامنے۔ ہم مہان ہیں مہان۔''

''اب مجھے کیا کرنا ہے؟''

''چل اب نہ سہی پھر سہی۔ حالانکہ مہاراج تو گئے ہیں۔ ایک لمبے سمے کے لیے۔ ارے ایک بات اور کریں تجھ سے۔ وہ جو کہتے ہیں نا ''جو کل کرو سو آج کرو۔ اور آج کرو سو اب' اس سے اچھا وقت اور کوئی نہ ہوگا۔ ذرا دیکھ اس رس بھری کو۔'' میں خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ موجود نہیں ہے۔ راحیلہ اپنے کاموں میں مصروف تھی اور اس وقت میری آنکھوں میں شیطان آ گیا تھا۔ میں نے راحیلہ کو بغور دیکھا۔ اور درحقیقت مجھے احساس ہوا کہ منور حسین صاحب نے اپنی بیٹی کو بھرپور طریقے سے پالا ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ دروازے کی کنڈی تو لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں کمرے میں داخل ہو گیا اور پھر میں نے راحیلہ کو آواز دی۔ دوسری آواز پر راحیلہ دوڑتی ہوئی دروازے پر آئی اور بولی۔

''کیا بات ہے؟''

''راحیلہ ذرا دیکھنا۔ میرے پاؤں میں کسی نے کاٹا ہے۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔'' میں نے اپنی پنڈلی کھول کر کہا۔ راحیلہ بے اختیار آ کر میرے پاؤں پر جھک گئی۔ اس نے میرے بتائے ہوئے اشارے پر پنڈلی کے اس حصے کو دیکھا۔ ایک مخلص اور پرخلوص لڑکی تھی۔ سوچ بھی نہ پائی تھی کہ شیطان کس طرح اس کے قریب پہنچ چکا ہے۔ میں نے اچانک ہی اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈالا

اور پوری قوت سے اسے کھینچ لیا۔ راحیلہ کے حلق سے ایک حیرت بھری آواز نکلی تھی۔ اس کے بعد میں نے کوئی آواز اس کے منہ سے نہ نکلنے دی۔ اور میری شیطانیت عروج پر پہنچ گئی۔ میں نے یہ بھی غور نہیں کیا تھا کہ دروازے پر آوازیں ہو رہی ہیں۔ اور اس کے بعد شاید کنڈی بھی کھول لی گئی ہے۔ اس وقت میں اپنے جنون کی تمام حدیں عبور کر چکا تھا۔ جب کمرے کے دروازے پر میں نے منور حسین کو دیکھا۔ منور حسین گنگ کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے راحیلہ کو چھوڑ دیا۔ ایک لمحہ کے اندر اندر میری کیفیت بدلی۔ اور شرمندگی کا احساس ہوا۔ منور حسین تو پتھرائے ہوئے کھڑے تھے نہ کچھ بول سکے تھے نہ کچھ ہل جل سکے تھے۔ راحیلہ نے البتہ روتے ہوئے چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔ بس آنکھیں شرم سے جھک گئی تھیں۔ تو گویا پورا وجود جھک گیا۔ منور حسین صاحب اب بھی اسی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ میں تھوڑا سا وہاں سے ہٹا اور پھر ضروریات پوری کر لیں۔ منور حسین صاحب اب بھی اسی طرح پتھرائے ہوئے کھڑے تھے۔ میں آگے بڑھا اور میں نے ان سے کہا۔

''مجھے معاف کر دیجئے۔'' میرے ان الفاظ سے وہ جیسے ہوش میں آ گئے۔ پھر انہوں نے راستہ دینے کی بجائے ایک ٹکر میرے سینے میں ماری تھی۔ اور اس کے بعد درد بھرے لہجے میں بولے تھے۔

''ہائے یہ تو نے کیا کیا۔ کیا انسان انسانیت سے اتنا گر سکتا ہے۔'' میں تو کچھ بھی نہیں بول پایا تھا۔ لیکن اچانک ہی مجھے ہرچندی کی آواز سنائی دی۔

''انسان' انسانیت ذرا ہمیں بھی بتاؤ مولوی صاحب! انسان کیا ہوتا ہے اور انسانیت کیا ہوتی ہے۔ انسان وہی ہوتا ہے نا جس کے دو ہاتھ پاؤں' ایک چہرہ اور سینے میں دل ہوتا ہے۔ بتاؤ ہمیں جاندار ہوتا ہے نا انسان؟ ارے مولوی صاحب کیا ہم انسان نہیں تھے۔ کیا کیا تم نے ہمارے ساتھ' اتنے سارے مل گئے تھے اور ہم اکیلے تھے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو فاتح سمجھا ہوگا تم نے۔ ارے ہم بھی فتح کر سکتے تھے دیکھ لو۔ فتح کر لیا ہم نے تمہیں۔ اب تم ہارے

ہوئے ہو۔ اس سے تم نے ہم سے ہمارا شریر چھین لیا تھا اور اپنے آپ کو بڑا مہان سمجھنے لگے تھے۔ دیکھی تم نے مہانتا کیا ہوتی ہے۔ چت کر دیا ہم نے تمہیں مولوی صاحب! عزت لوٹ لی تمہاری۔ اب جاؤ پتھروں سے سر پھوڑو۔ خودکشی کر لو۔ چل رے چل آگے بڑھ۔ مولوی صاحب میں جتنی جان ہے ہمیں معلوم ہے۔''

''ہٹو سامنے سے۔'' اس نے زور سے مولوی صاحب کو دھکا دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا۔ پھر بولا۔

''بھاگ۔ بھاگتا رہ بھاگتا رہ۔ بڑے میاں کو ہوش ہو جائے تو ٹانگ پکڑ لیں تیری۔ دانت گاڑ دیں گے اس میں۔ اور پھر چودہ انجکشن لگوانے پڑیں گے تجھے' کتے کا کاٹا تو بچ بھی سکتا ہے۔ انسان کا کاٹا بہت کم بچتا ہے۔ چل بھاگ' بھاگ۔'' اور میں نے بے سوچے سمجھے دوڑنا شروع کر دیا۔ مجھے احساس ہوا کہ ہرچندی تھوڑی دور تک تو میرے ساتھ دوڑا ہے اور اس کے بعد اس کے دوڑنے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ لیکن میں مسلسل دوڑتا چلا جا رہا تھا نہ جانے کہاں پہنچنا تھا مجھے۔ میرا اپنا تو کوئی عمل تھا ہی نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے راحیلہ کے وجود سے جس سرشاری کا احساس ہوا تھا وہ اب بھی میرے رگ و پے میں رچا ہوا تھا اور میں ذہن میں مستیاں محسوس کر رہا تھا۔ لیکن سب کچھ ہرچندی کی مرہون منت تھا۔ کسی سمت کا اندازہ کیے بغیر دوڑا تھا' اور نہ جانے کس تک دوڑتا رہا تھا۔

رات گزر گئی۔ فضا کے دھند لکے نمودار ہوئے اور میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ نہ جانے کس وقت اپنے اس عمل کا آغاز کیا تھا۔ اور نہ جانے جس وقت تک دوڑتا رہا تھا۔ لیکن جب روشنی میں قرب و جوار کا منظر دیکھا اور یہ احساس ہوا کہ میں نے دوڑتے رہنے کے بہت سے ریکارڈ قائم کئے ہیں تو خود دنگ رہ گیا۔ اور اس وقت یہ انکشاف بھی ہوا کہ انسان درحقیقت جب تک اپنے احساس کو دبائے رکھے وہ کبھی نہیں تھکتا شاید احساس ہی تھکن کا دوسرا نام ہے۔ یعنی یہ احساس کہ تھکن بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ اب

میں دوڑ نہیں سکتا تھا۔ بہر حال یہ سب کچھ بڑا عجیب لگا تھا۔ روشنی میں، میں نے قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ قرب و جوار کے ماحول میں زندگی کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ سب کچھ بڑا عجیب ہے اور یہ علاقہ ناقابل فہم۔ پہلے تو یہ خیال بھی دل میں پیدا نہیں ہوا۔ بعد میں یہ احساس ہوا کہ اگر اس علاقے میں رہا تو نہ کھانے کو ملے گا نہ پینے کو۔ میں نے ہرچندی کو آواز دی۔ عموماً ایسا ہوتا تھا کہ جب مشکل میں پھنس جاتا اور ہرچندی کو آواز دیتا تو وہ میرے پاس موجود ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت یہ صورت حال کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ کیوں کہ بارہا آواز دینے کے باوجود ہرچندی کا نام و نشان نہیں ملا۔ میں نہ جانے کیوں نروس سا ہوگیا تھا۔ شاید اس کی بنیادی وجہ یہ ہو کہ اب میری قوت ارادی تو ختم ہوگئی تھی۔ کسی بھی مسئلے میں کوئی مشکل پیش آتی تو ہرچندی ہرچندی پکارنے لگتا تھا۔ بڑا عجیب سا احساس ہوا میں نے ایک جگہ بیٹھ کر بدن کی تھکن دور کرنے کی کوشش کی۔ دیر تک اس کوشش میں مصروف رہا اور اپنی جگہ سے اٹھا اور چلنے لگا۔ لیکن یہ احساس ہوا کہ رات بھر چلتے رہنے یا دوڑتے رہنے کی وجہ سے ٹانگیں بالکل ساتھ چھوڑ گئی ہیں۔

کھلا میدان سورج آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ اور سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوف ناک تپش کا احساس بے دار ہوتا جارہا تھا۔ میں گرتا پڑتا چلتا رہا۔ اور کافی فاصلہ طے کرلیا۔ لیکن اب گرمی کی شدت جان لیوا ہو رہی تھی۔ قرب و جوار میں خشک زمین چٹیل راستے اور اس زمین کے رقبوں میں کہیں کہیں ابھری ہوئی تھوہڑ کی جھاڑیاں اور کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ میرے اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ بار بار میں ہرچندی ہرچندی پکار رہا تھا اور میری زبان خشک ہوتی جارہی تھی۔ دوپہر کے بعد تو بالکل نڈھال ہوگیا۔ زمین گرم ہوگئی تھی۔ دوپہر کے بعد تو بالکل نڈھال ہوگیا۔ زمین گرم ہوگئی تھی۔ چٹانی راستے تپ رہے تھے۔ سر پر کوئی سایہ نہیں تھا۔ منہ سے ہائے ہائے کی آوازیں نکلنے لگیں۔ شاید ہرچندی کو گالیاں بھی دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بدبخت نے کہاں چوڑے میں مروادیا۔ لیکن ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ ہرچندی کا کہیں کوئی وجود تھا ہی نہیں۔ بہر حال میں اس پریشان وقت سے گزرتا رہا۔ سورج نے دماغ میں خرابی پیدا کردی تھی۔ دھوپ ایسی تھی کہ گردن کے گرد کھال چٹختی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ آہ! کیا کروں۔ کیا کروں، بیٹھتا تو بدن جلنے لگتا۔ چلتا تو تھکن ساتھ نہ دیتی۔ یہ احساس ہوا کہ اب شاید زندگی کا آخری وقت آپہنچا ہے۔ لیکن ایسا کیوں ہوا؟ کیا ہے یہ سب کچھ، سوچنے سمجھنے کی قوتیں بے شک ساتھ نہیں دے رہی تھیں لیکن پھر بھی سوچ رہا تھا اور پھر تمام قوتوں نے جواب دے دیا۔ ایک سنگلاخ چٹان کے پاس پہنچ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ ٹانگیں اب بالکل ساتھ نہیں دے رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی حواس بھی معطل ہوئے جارہے تھے۔ وہ شاید بے ہوشی ہی تھی جس نے ماحول سے بے خبر کردیا تھا۔ پھر یہ بے خبری نہ جانے کب تک طاری رہی۔ ہوش تو آنا ہی تھا۔ زندگی کے ساتھ ہوش کا تصور بھی وابستہ ہے لیکن ہوش آنے کے بعد جو کچھ دیکھا وہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پتا نہیں وہی جگہ تھی جہاں بے ہوش ہوا تھا۔ یا کوئی اور جگہ۔ کسی اور جگہ کا تو تصور ذہن سے مٹتا جارہا تھا۔ وقت کا بھی صحیح تعین نہیں ہو پارہا تھا۔ میں جس جگہ پڑا ہوا تھا وہاں اس وقت چٹان موجود نہیں تھی۔ یہی بات ذرا حیرت کا باعث بنی تھی۔ وہ چٹان کہاں گئی۔ سورج شاید چھپ چکا تھا۔ یا پتا نہیں کیا تھا۔ ایک عجیب سی خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ قرب و جوار میں کچھ بڑی بڑی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں دفعتاً ایک بڑی سی جھاڑی کے پیچھے سے کچھ گدھ نکل آئے۔ ان کی لمبی لمبی گردنیں ہل رہی تھیں اور انہوں نے اپنے پر چادر کی طرح پھیلائے ہوئے تھے۔ آسمان پر پھیلے ہوئے خاموش سناٹے کی بنا پر وہ بے حد بھیانک لگ رہے تھے۔ پھر وہ ایک قطار میں پھیل گئے اور لمبی لمبی گردنیں ہلاتے ہوئے پیروں کے بل میری جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سے نامعلوم انسان ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کسی کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ میرے حلق سے ایک وحشت بھری چیخ نکل گئی۔ خوف نے مجھے دیوانہ کردیا تھا اور اسی دیوانگی کے عالم میں، میں چیخیں مارتا ہوا ان کی جانب دوڑ پڑا۔ خوف اور جوش میں ڈوبی ہوئی آواز مجھے خود بے حد بھیانک لگ رہی تھی۔ پھر وہ گدھ بھی آگے بڑھنے سے رک گئے اور ان میں ابتری پھیل گئی۔ وہ پیروں کے بل اچھلنے لگے اور اچھل اچھل کر پیچھے ہٹنے لگے۔ میں پھرتی سے

ایک گدھ کے قریب پہنچا تو اس نے بھیانک چیخ ماری اور فضا میں پرواز کر گیا۔ یہ دوسروں کے لیے جیسے ایک وارننگ تھی۔ وہ سب ایک ایک کر کے اڑنے لگے اور کافی دیر تک میرے سر پر چکراتے رہے۔ خوف میرے روئیں روئیں میں سما گیا تھا۔ لیکن ان گدھوں سے زندگی بچانا ضروری محسوس ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیسے ان سے جان بچاؤں؟ پھر رات ہو گئی۔ میرے وجود نے اب سوچ کے دوراز ے بند کر دیے تھے اور غالباً اعصاب عمل کر رہے تھے۔ چنانچہ اب مجھے تھکن کا احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ میں آگے بڑھنے لگا۔ پھر کافی فاصلے پر مجھے روشنیاں نظر آئیں۔ مدہم مدہم روشنیاں جیسے فضا میں بہت سے ستارے نیچے اتر آئے ہوں اور زمین سے کچھ فاصل پر معلق ہو گئے ہوں۔ الٰہی یہ کیسی روشنیاں ہیں اچانک ہی ہرچندی یاد آیا اور میں نے نفرت بھری آواز میں کہا۔

''غدار کمینے۔ جادوگر مجھے چھوڑ کر کہاں دفن ہو گیا تو۔ مروا دیا نا برے احوال میں اور اب میری مدد کو بھی نہیں آتا۔ میں ان روشنیوں کو نگاہوں میں رکھے ان کی سیدھ میں آگے بڑھنے لگا۔ پتا نہیں کیسی روشنیاں تھیں۔ کافی فاصلہ طے ہو گیا اور پھر مجھے کچھ گنبد نظر آئے۔ ان کا رنگ کیسا تھا۔ اس کا اندازہ تو رات میں نہیں ہو پا رہا تھا۔ لیکن روشنیاں ان ہی گنبدوں میں سجی ہوئی تھیں۔ کچھ جھنڈے بھی لہراتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ پھر مزید کچھ فاصلہ طے کیا تو درخت بھی دیکھے۔ یہ درخت ہرچند کہ زیادہ گھنے نہیں تھے لیکن بہرحال یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے آب و گیاں راستے ختم ہو گئے ہیں اور سرسبز راستہ ہے۔ جو یہاں موجود ہے۔ بہر طور میں نے اپنا یہ سفر جاری رکھا اور آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ اندازہ ہو گیا کہ کسی بلند پہاڑی پر سیڑھیاں چڑھا کر بلندی تک پہنچائی گئی ہیں اور وہاں نظر آنے والا یہ گنبد کسی مزار کا گنبد ہے۔ دل میں کوئی احساس نہیں تھا کوئی خیال نہیں تھا۔ بس قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ اب جو بھی جگہ ہے جیسی بھی ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر کوئی چیز بجا کر گانے اور ناچنے کی آوازیں سنائی دیں انسانی' آوازیں ہی تھیں میں تیز قدم اٹھاتا ہوا جھاڑیوں کی دوسری طرف نکل آیا۔ یہ لوگ جوگا بجا رہے تھے اپنے ہاتھوں میں مشعلیں لیے ہوئے تھے انہوں نے ایک حلقہ سا بنا رکھا تھا۔ اور اس حلقے کے درمیان ملنگ رقص کر رہے تھے۔ بار بار ان کے حلق سے آوازیں بھی نکل جاتی تھیں۔ ان کے جسموں پر نیالے رنگ کی عبائیں تھیں جو لہریں لے رہی تھیں۔ وہ کسی قدر گہرائی میں تھے اور میں بلند جگہ جہاں سے میں انہیں دیکھ سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ میں ان کے قریب پہنچ گیا اور وہ اسی طرح گاتے بجاتے رہے۔ پھر میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں تب مجھے احساس ہوا کہ درختوں کی چھاؤں میں لوگوں نے اپنے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ جگہ جگہ کھانے پینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ غالباً یہ مزار پر آنے والے زائرین تھے جو تمام انتظامات کر کے گھر سے نکلے تھے اور یہاں کھانے پینے کا بندوبست کر رہے تھے۔ خاصا ہجوم تھا۔ لوگوں نے دریاں بچھائی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ کھانے پینے کی اشیاء لنگر کے طور پر بٹ رہی تھیں۔ میں جلدی جلدی قریب پہنچ گیا بھوک اور پیاس کی شدت نے دیوانہ کر رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگ دیگ لیے بیٹھے ہیں۔ اس سے چاول نکال نکال کر دوسروں کو دے رہے ہیں۔ میں نے بھی دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور چاول دینے والے نے چاول میرے ہاتھوں میں ڈال دیے۔ مجھے ان کی گرمی کا احساس ہوا لیکن بھوک کی شدت ہر احساس پر حاوی ہوتی ہے۔ میں نے تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کتوں کی طرح ہاتھوں میں ہی وہ چاول کھانا شروع کر دیے اور بہت دیر تک کھاتا رہا۔ لنگر ختم ہو گیا تھا۔ میں نے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں پھر ایک طرف پانی کے برتن دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر میں نے سلور کے گلاس میں مٹکے سے پانی لیا اور پینے لگا۔ لیکن اچانک ہی میری گردن پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور میں اوندھے منہ گرتے گرتے بچا۔

''کمینے' ناپاک گندے وجود تو نے سارا پانی گندا کر دیا جو دوسروں کے پینے کے لیے تھا۔''

''میں نے کیا کیا ہے بھائی بس تھوڑا سا پانی ہی تو پی لیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''او گندے ناپاک کمینے یہ پانی مسلمانوں کے پینے کے لیے تھا۔ تیرے لیے نہیں۔''

''مگر میں بھی تو مسلمان ہوں۔''

''کیا! تو مسلمان ہے؟''

''ہاں۔''

''کیا نام ہے تیرا؟''

''یوسف۔''

''اچھا تو مسلمان ہے تو؟ غیرت نہیں ہے تجھے۔ غیرت نہیں ہے۔ شرم کر غیرت کر۔ کیا مسلمانی عمل کرتا رہا تھا تو؟ کیا انسانوں کو اس طرح دھوکا دیا جاتا ہے۔ تو ایک کمینے گندے وجود کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ تیرا ستیاناس ہو جائے۔ چل بھاگ یہاں سے اور دفع ہو۔ جاتا ہے یا نہیں۔''

''جاتا ہوں مگر سنو تو سہی۔ پہلے میری بات سنو۔'' میں نے کہا۔ لیکن اس شخص نے فوراً ہی ایک چھڑی نکالی اور بری طرح میرے بدن پر دے ماری۔ شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ اب اتنا کمزور بھی نہیں تھا نہ ہی بزدل تھا۔ اس سے پہلے جو زندگی گزاری تھی اس میں بہرحال ایک کہانی پوشیدہ تھی۔ ایک لمحے کے لیے دل میں نفرت ابھری۔ میں چاہتا تو اپنے ساتھ یہ سلوک کرنے والے کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ جب اس نے کئی چھڑیاں میرے جسم پر مارلیں تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چھڑی اپنی گرفت میں لے لی۔ پھر میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''دیکھو! تم اپنا کام پورا کر چکے ہو کہیں ایسا نہ ہو میں اپنا کام پورا کرنے پر آ جاؤں اور تمہیں میرے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑے۔ اپنی تمام تر نصیحت لے کر بس میرے سامنے سے چلے جاؤ۔'' اس شخص نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ گردن گھما کر وہاں سے واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ میرے جسم پر جہاں چھڑیاں پڑی تھیں وہاں جلن کا شدید احساس ہو رہا تھا اور یہ احساس مجھے غصہ بھی دلا رہا تھا۔ میں وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک جگہ جا بیٹھا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ جس درخت کے پیچھے میں جا کر

بیٹھا ہوں اس کے سامنے کی سمت پر کوئی کمبل اوڑھے سو رہا تھا۔ اس کا اندازہ تو مجھے بعد میں ہی ہوا تھا لیکن میں بیٹھ کر ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے کیا وہ سچ ہے؟ ذرا سا اپنے آپ پر غور کیا تو ماضی کے سارے دریچے روشن ہو گئے اور ان کی روشنی میں مجھے اپنا ایک ایک عمل نظر آنے لگا۔ ابراہیم باگا کی حویلی اور اس کے بعد پرانے دوست دیپو اور پھر میری اپنی تمام کوششیں کاوشیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک مجرم ہوں۔ اور سامنے میرے ماضی کی کتاب لائی جا رہی ہے۔ مجھ پر فرد جرم عائد کر کے مجھے میرے جرائم کی تفصیل بتائی جا رہی ہے۔ بات تو سچ ہی تھی۔ ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا جا رہا تھا۔ وہ سارے جرائم میرے نام سے منسوب تھے جو اس خاموش آواز میں میرے سامنے سنائے جا رہے تھے۔ میں غور کرتا رہا، دیکھتا رہا، سوچتا رہا خیر ماضی ہی کون سا خوش گوار گزرا تھا۔ جو یہ سوچتا کہ بعد کی ساری برائیاں اس پیر فرتوت کی قربت میں شروع ہوئیں۔ میں نے تو ابتداء ہی سے برائیوں کے راستے اپنائے تھے اور شاید بعد میں بھی میرے لئے وہی راستے میرا مستقبل بن گئے۔ درحقیقت اگر انسان کے اندر تھوڑی بہت برائی ہوتی ہے تو بھٹکانے والے اس کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اگر خود ٹھوس کردار کا مالک ہو تو کوشش کرنے والوں کو بھی چند لمحوں میں ناکامی کا احساس ہو جاتا ہے۔ اور وہ سوچ لیتے ہیں کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔ سو یہ ساری صورت حال میرے ساتھ بھی تھی۔ اور یہی ہو رہا تھا۔ نہ جانے کب تک میں اس طرح سوچتا رہا۔ ایک عجیب سی چبھن تھی۔ کیا میں نے اب تک غلط کیا ہے؟ یہ تو واقعی برائی ہے۔ اور برائی کا انجام کیا ہو گا؟ بہت سے خیالات دل میں آ رہے تھے۔ اور میں ان ہی الجھنوں کا شکار تھا کہ کمبل اوڑھ کر سونے والا اپنی جگہ سے اٹھا مجھے سرسراہٹیں محسوس ہوئیں تو میں نے گھوم کر دیکھا ایک دبلا پتلا سا آدمی تھا معمولی سے لباس میں ملبوس لیکن اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں بڑی روشن تھیں کہنے لگا۔

''یہ بدبخت جب ضمیر کی آنکھ بند ہو جاتی ہے تو بینائی اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ دیکھنا مشکل ہو جائے۔ اکیس چھڑیاں کھائی تھیں تجھے۔ آٹھ چھڑیوں پر ہی تو نے راستہ بند کر دیا۔ آدھی سے

آگے گزر جاتا تو تیرے دل میں خواہش پیدا ہو جاتی کہ اکیس پوری ہو جائیں۔'' میری سمجھ میں ایک بات بھی نہیں آ رہی تھی میں نے کہا۔

''کس سے کہہ رہے ہو؟ کیا خود کلامی کے مریض ہو۔''

''نہیں ایک اندھے اور بہرے کو اس کی کہانی سنا رہا ہوں۔''

''کون اندھا بہرا؟'' میں نے کہا۔

''تو اور کون۔''

''کیا مطلب ہے تیرا۔''

''اکیس چھڑیاں پوری ہونی چاہئیں تھیں اکیس چھڑیاں۔ غلاظت تیرے جسم سے بہہ جاتی۔ اور ہوسکتا ہے کہ پاکیزگی کی ہوائیں تیرے وجود کو چھونے لگتیں۔ مگر نصیب 'نصیب' نصیب۔''

''اس شخص کی بات کر رہے ہو جو مجھے مار رہا تھا۔''

''ہاں۔''

''تو پھر کیا ہوتا؟''

''اکیس چھڑیاں مار کر تیرے وجود سے وہ غلاظت اتار رہا تھا۔ جیسے تو نے نہ جانے کون سے علوم سے اپنے آپ کو لپیٹا ہوا ہے۔''

''مجھے چھڑیاں نہیں کھانی تھیں۔''

ہاں' اگر کھانی ہوتیں تو خاموشی سے کھا لیتا واقعی تجھے یہ چھڑیاں نہیں کھانی تھیں۔ چل تیری مرضی۔ تو جانے تیرا کام۔'' اس نے کمبل لپیٹ کر کندھے پر رکھا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لیکن نہ جانے کیوں میرے بدن میں وہ لرزشیں چھوڑ گیا تھا اور یہ لرزشیں مجھے انوکھی کہانیاں سنا رہی تھیں۔ میں لیٹ گیا لیکن دل میں ایک خلش بیدار ہو گئی تھی زندگی میں پہلے کبھی ماضی یاد نہیں آیا تھا لیکن اب نہ جانے کیوں ماضی میرے ذہن میں اجاگر ہونے لگا تھا اور میں سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ کیا وہ جو کچھ کہہ رہا تھا سچ کہہ رہا تھا۔ بدن پر پڑنے والی چھڑیوں کی جگہوں پر اب بھی

تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ چھڑیاں مجھے اس لیے ماری جا رہی تھیں کہ میرے وجود کی یہ غلاظتیں پاک ہو جائیں۔ کیا میرے وجود پر اتنی ہی غلاظتیں چڑھی ہوئی ہیں۔ غور کیا تو اندازہ ہوا کہ بات تو واقعی سچ ہے۔ شروع ہی سے اپنے اہل خاندان کے لیے مصیبتوں کا باعث بنا ہوا تھا اور ایک عجیب سی کیفیت کا شکار رہا تھا۔ یہ ساری باتیں بہر طور بہتر نہیں تھیں اور میں اپنے آپ کو بری اذیت میں محسوس کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ کچھ تبدیلی ہونی چاہئے زندگی میں' بہر حال اس وقت جو کیفیت ہوئی تھی میری اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس وحشت کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں سے چل پڑا۔ بے اختیاری کے عالم میں ایک بار پھر میں نے ایک طویل سفر طے کیا۔ پیر جواب دیتے جا رہے تھے۔ جسمانی قوتیں ساتھ چھوڑتی جا رہی تھیں۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ حواس واپس آئے تو ایک جگہ رک کر میں نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ کہاں نکل آیا ہوں۔ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں' دیکھوں تو سہی ایک بار پھر آبادی چھوڑ آیا ہوں۔ اس مزار کے قرب و جوار میں بہت سے افراد تھے۔ انسانوں کو انسانوں کے درمیان ہی زندگی گزارنے کی عادت ہوتی ہے۔ ان لوگوں سے دل کو تھوڑی بہت ڈھارس ہوئی تھی۔ حالانکہ وہاں میرے ساتھ جو سلوک ہوا تھا عام حالت میں بہتر نہیں تھا لیکن اب حقیقت جاننے کے بعد میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی میرے بدن کی اتنی چھڑیاں مکمل ہو جاتیں تو جس تبدیلی کا میں خواہش مند ہوں وہ ضرور میرے اندر پیدا ہوتی اور وہ تبدیلی بہر حال بہتر ہی ہوتی۔ کیا اندازہ لگاؤں؟ کیسے اندازہ لگاؤں۔ کافی فاصلے پر ایک پہاڑی ٹیلہ نظر آ رہا تھا۔ میرے قدم اس کی جانب بڑھ گئے۔ حالانکہ وجود اس قدر زخمی ہو چکا تھا کہ ٹیلے پر چڑھنا میرے لیے خاصا مشکل کام تھا۔ وہ خالص پتھر کا تھا اور چکنا پتھر جو اوپر چڑھنے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ میں یہ مشکل تمام بلندی پر پہنچا تو توازن سنبھالا اور دور دور تک دیکھتا رہا۔ لیکن تا حد نظر زمین اور آسمان کی بلندیاں اور بس اور کچھ نہیں تھا اور کچھ نہیں نظر آ رہا تھا اگر کہیں روشنیاں ہوتیں تو پتا ضرور چلتا لیکن ہر طرف آسمان سیاہ ہی نظر آتا تھا۔ ہاں واقعی کالی تقدیر لے کر کہاں جاؤں؟ بہت دیر تک وہیں

بیٹھا رہا اور رات آہستہ سے گزرتی رہی۔ بہرحال ایک بار پھر وہاں سے چلنا پڑا تھا یہ تو کوئی کام نہیں ہوگا اگر یہیں مرجاؤں۔ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ اس دوران نہ جانے کیوں ہرچندی کا خیال دل میں نہیں آیا تھا اور میں اس کے خیال کے بغیر یہ سفر کررہا تھا جب تک ہمت ساتھ دیتی رہی چلتا رہا پھر مجھ پر غنودگی کا غلبہ ہوگیا تھا اور میری آنکھیں کھل گئیں۔ تب ایک مکروہ شکل میں نے اپنے چہرے کے بالکل قریب دیکھی۔ لمبی مڑی ہوئی مضبوط چونچ جو کسی خنجر کی مانند تھی۔ میری پیشانی کے بالکل قریب تھی۔ میں پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخا اور میرے سینے پر بیٹھا ہوا خوفناک پرندہ خوفزدہ ہوکر اڑ گیا۔ ایک لمحے کے لیے میرے حلق سے مشینی انداز میں چیخیں نکلیں اور پھر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دوڑنے لگا مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑا۔ پورے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے سارے بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ شاید نوکیلے پتھروں سے میرے جسم کو چوٹیں بھی لگی تھیں اور میں خوفزدہ انداز میں چیخا۔

"مدد کرو ارے کوئی میری مدد کرو۔ میری مدد کرو۔"

لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا اور ایک بار پھر اٹھ کر وہاں سے چل پڑا۔ یہ ہمت خوف نے پیدا کی تھی نہ جانے کس چیز سے میں خوف زدہ ہوگیا تھا۔ کافی دور تک میں پھر چلتا رہا۔ چاروں طرف پتھروں کے انبار تھے۔ میں بیٹھ کر اپنی یہ تھکن دور کرنے لگا۔ بہت دیر تک بیٹھا رہا تھا۔ پھر میری نگاہوں نے ایک عجیب زاویہ اختیار کیا اور ایک لمحے کے لیے یہ احساس ہوا کہ شاید زندگی ایک بار پھر مجھے آواز دے رہی ہے۔ چند درخت تھے سرسبز و شاداب۔ ان کی شادابی بتاتی تھی کہ آس پاس کہیں پانی موجود ہے۔ اس وقت پانی کی شدت سے ضرورت محسوس کررہا تھا۔ میں ان درختوں کی جانب دوڑنے لگا۔ دل میں یہ احساس تھا کہ شاید وہ ایک نظری دھوکا ہو لیکن وہ ایسا نہیں تھا۔ دس بارہ درخت تھے جو ناریل کے درخت تھے بہت سے ناریل ٹوٹے ہوئے زمین پر پڑے تھے۔ ناریل قدرت کا ایک ایسا تحفہ ہے جس پر اگر غور کیا جائے تو انسان قدرت کی ہر صفت کا قائل ہوجاتا ہے۔ قدرت نے صحراؤں میں انسانوں کے لیے زندگی مہیا کی ہے چھوٹے چھوٹے بکس بنا کر اس میں غذا اور پانی محفوظ کردیا گیا ہے اور اس وقت یہ غذا اور پانی میرے سامنے تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ تھوڑے فاصلے پر ایک قدرتی چشمہ بھی نظر آرہا تھا۔ میں فوراً ہی اس کی جانب لپکا اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو چشمے میں ڈبو دیا۔ میرا دل وہاں سے ہٹنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ اس چشمے کے پانی سے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے نئی زندگی بخش دی ہو۔ بہ مشکل تمام میں چشمے کے پانی سے آدھا باہر نکلا اور اس کے بعد میرے ہوش وحواس نے پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا حالانکہ میں سوچ رہا تھا پہلے بدن کو خوب ٹھنڈا کرلوں گا اس کے بعد ناریل اٹھا کر میں توڑوں گا ان کا پانی پیوں گا اور گودا کھا کر اپنے بدن میں دوڑتی ہوئی پیاس اور بھوک کی آگ کو کم کروں گا۔ ایسا کرلوں تو ایک بار پھر زندگی پاؤں اور زندگی کی آرزو کتنی شدید ہوتی ہے انسان کے دل میں مجھے اس وقت اس کا احساس ہورہا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر تک اسی طرح آنکھیں بند کیے بے ہوش رہا اور اس کے بعد پھر آنکھیں کھلیں۔ ذہن میں وہی خیالات تھے۔ یہ احساس بھی نہیں ہورہا تھا کہ چشمے کے پانی سے سیراب ہونے کے بعد میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا ہوں لیکن ماحول پھر بدل گیا تھا سینے پر ایک وزن کا احساس ہورہا تھا اور وزن کے اس احساس نے مجھے وہ گدھ یاد دلا دیا جو اگر میری آنکھ چند لمحے نہ کھلتی تو نہ جانے میرے بدن میں کہاں کہاں سوراخ کرچکا ہوتا۔ خوف زدہ ہوکر میں اٹھا تو ایک نرم آواز سنائی دی۔

"ہوش میں آؤ' ہوش میں آؤ۔ تم زخمی ہو کیا کررہے ہو۔" میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو میرے سامنے ایک باریش شخص بیٹھا ہوا تھا۔ سیاہ داڑھی تھی۔ آنکھوں میں اک عجیب سی کشش' سفید لباس میں ملبوس۔ میرے سینے پر اسی کا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

"ہوش میں آؤ بھائی ہوش میں آؤ۔ یہ کوئی خطرناک جگہ نہیں ہے۔ تم محفوظ ہو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"کون ہو تم؟ کون ہو۔ میں کہتا ہوں کون ہو' مجھے بتاؤ۔"

''حسن علی ہے میرا نام۔ بس ایک بندہ خدا ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' میں۔۔۔۔''

''پانی' مجھے پانی پلاؤ۔''

''ہاں' ہاں کیوں نہیں۔'' اس شخص نے کہا پھر قریب رکھے ہوئے ایک مٹکے سے تانبے کے کٹورے میں پانی لے آیا۔ میں نے ایک لمحہ کے اندر اندر کٹورا خالی کر دیا تھا اور پھر میں نے کہا۔

''اور مل سکے گا؟''

''کیوں نہیں کیوں نہیں۔'' پانی کے کئی کٹورے پینے کے بعد مجھے ایک سکون کا احساس ہوا اور میں نے ہاتھوں کا سہارا لے کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔

''بھوک لگ رہی ہے؟'' اس نے پوچھا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

''وہ اگر کچھ مل جائے تو۔۔۔۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' مجھے عمدہ قسم کے کچھ پھل دیے گئے جو لوکاٹ کی شکل کے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک برتن میں دودھ بھی پیش کیا گیا۔ میں نے پھل کھانے سے پہلے دودھ پیا اور دودھ نے میرے بدن میں خاصی توانائی پیدا کر دی۔ اس کے بعد میں شکر گزاری کے انداز میں دیکھتے ہوئے پھل کھانے لگا۔ بہرحال اس شخص نے میری بے لوث مدد کی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور ان دونوں چیزوں کو کھانے کے بعد مجھے بہت سکون محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے کہا۔

''آپ نے اپنا نام حسن علی بتایا ہے بھائی؟''

''ہاں۔''

''یہ کون سی جگہ ہے جہاں میں موجود ہوں؟''

''یونس گڑھی۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ بتا سکتے ہیں کہ میں یہاں کب اور کیسے پہنچا؟''

''بھائی میں تانگے میں آ رہا تھا' کام سے گیا ہوا تھا کہ یہاں راستے میں' میں نے آپ کو پڑے ہوئے دیکھا۔ پہلے تو میں خوفزدہ ہو گیا تھا کہ خدانخواستہ کہیں آپ زندگی سے محروم نہ ہو گئے ہوں۔ پھر انسانی ہمدردی کی بنیاد پر میں آپ کو اٹھا کر یہاں لے آیا۔''

''کتنا وقت ہوا؟''

''کل دن کی بات ہے۔''

''میں' میں اتنے عرصے بے ہوش رہا ہوں۔''

''ہاں۔''

''آپ یہاں تنہا رہتے ہیں؟''

''تنہا ہی سمجھ لیجئے قریب کی ایک مسجد میں موذن کے فرائض انجام دیتا ہوں' بس۔''

''ٹھیک! بھئی محبت ہے آپ کی کہ آپ نے میرے اوپر احسان کیا۔''

''نہیں احسان کی کیا بات ہے۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ زندہ سلامت ہیں۔ بہرحال میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ کون ہیں کیا ہیں؟ ہاں اگر آپ کا دل چاہے تو مجھے اپنے بارے میں صرف اس لیے بتا دیجئے کہ آئندہ کے لیے مجھے اپنی خدمت معلوم ہو جائے۔'' میں عجیب سی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھنے لگا۔ کتنی نرمی ہے اس کے لہجے میں اور اس کے الفاظ میں' بے مقصد اور بالکل ہی بے لوث ہے یہ شخص۔ لیکن کس طرح میری خدمت کر رہا ہے۔ کیا واقعی! میں انسانیت سے اتنا بھٹک گیا ہوں کہ میرے اپنے دل میں کبھی کسی کے لیے ایسا کوئی عمل کرنے کا خیال نہیں آتا۔ حسن علی بہت اچھا انسان تھا۔ اس نے مجھے بڑی اچھی زندگی دی اور میں بڑا پر سکون محسوس کرنے لگا اپنے آپ کو۔ بعد میں' میں نے یونس گڑھی کے بارے میں تفصیلات بھی معلوم کیں اور باہر نکل کر اسے دیکھا بھی۔ وہ مسجد آبادی سے فاصلے پر تھی جس میں حسن علی نماز پڑھایا کرتا تھا۔ دو تین دن تو میں یہاں بہت پر سکون رہا پھر حسن علی نے مجھ سے لجاجت بھری آواز میں کہا۔

''تم نماز نہیں پڑھو گے یوسف؟'' میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔

''خیر مسلمان ہو' نماز پڑھنا ضروری ہے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کر لو' کوئی جھجک ہو تو بتانا میں سارے کام کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ لیکن شدید کشمکش کا شکار تھا۔ پھر اس دن حسن علی ظہر کی نماز کی تیاریاں کرنے چلا گیا تھا اور میں آبادی سے کچھ فاصلے پر بنی ہوئی اس چھوٹی سی جھونپڑی نما جگہ میں سے باہر نکل کر ایک طرف جا بیٹھا تھا۔ حسن علی نے جان بوجھ کر اپنی رہائش آبادی سے دور رکھی تھی تا کہ اسے عبادت میں خلل نہ ہو۔ مسجد میں یہاں سے خاصے فاصلے پر تھی اور حسن علی ایک طویل راستہ طے کر کے وہاں تک جاتا تھا۔ میں باہر نکل آیا۔ ہر چند کہ باہر دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اور ماحول میں تپش تھی لیکن سامنے کچھ فاصلے پر ایک گھنا درخت تھا جس کی چھاؤں مجھے بے حد پسند تھی۔ پچھلے دنوں میں ہی دوپہر کو سخت موسم میں اس درخت کے نیچے وقت گزار چکا تھا۔ اس وقت بھ میرے قدم اسی جانب اٹھ گئے اور میں خاصا فاصلہ طے کر کے درخت کے پاس آ گیا لیکن یہاں میں نے جو دیکھا اسے دیکھ کر اچانک ہی بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ وہ سو فیصدی ہر چندی ہی تھا اور بڑی عجیب شکل میں نظر آ رہا تھا اس نے اپنے سر پر ایک عجیب سا ٹوپ پہنا ہوا تھا جس میں دو سینگ ابھرے ہوئے تھے۔ گردن میں لوہے کی دو بڑی بڑی زنجیریں لٹکی ہوئی تھیں۔ نچلے بدن پر ایک دھوتی نما کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ پورے بدن میں کوڑیوں کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں جس میں رنگین دھاگے لٹک رہے تھے اس کے ہاتھ میں ایک لمبی سی لکڑی تھی جس میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے سینے پر مالاؤں کے درمیان کھوپڑی کا نشان بنا ہوا تھا اور ایک ہاتھ میں سنک تھا جسے اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ پکڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی دوڑ رہی تھی۔ میں اسے دیکھ کر ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا پھر اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہونہہ رہا نہ غدار کا غدار۔''

''ہر چندی۔'' میرے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

''مت نام لے میرا۔ مت نام لے' بس مت نام لے۔''

''ہر چندی' میں' میں۔۔۔۔''

''میں میں کے بچے تو نے بڑے کمینے پن کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے تجھ سے ایسی امید نہیں تھی۔''

''لیکن ہر چندی میں' میری بات تو سن لو۔''

''کوئی بات نہیں سنوں گا میں تری۔ سزا دینے آیا ہوں تجھے۔ تیار ہو جاؤ۔'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میری بات سنے بغیر اگر سزا دینا چاہتے ہو تو تمہاری خوشی ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں' لیکن ایک بات میری بھی سن لو۔ میں جن حالات کا شکار رہا ہوں تم نے ان حالات میں مدد کرنے سے گریز کیا ہے اور اب اگر تم مجھے الٹا نخرے دکھا رہے ہو تو بھاڑ میں جاؤ۔ میں بھی جوتے کی نوک پر نہیں مارتا تمہیں۔ اپنی مرضی سے تو میں ویسے بھی تمہارے ساتھ شامل نہیں ہوا تھا لیکن اب زیادہ نخرے دکھا رہے ہو تو مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو بگاڑنا چاہتے ہو بگاڑ لو میرا۔'' میرے ان الفاظ سے اس کے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلی رونما ہوئی۔ میں نے نفرت سے منہ بنا لیا تھا۔ پھر میں واپس پلٹنے لگا تو وہ بولا۔

''بات سن بات سن کیا لڑکیوں کی طرح نخرے دکھا رہا ہے۔''

''ہوش میں آ جا ہر چندی' میں جنونی آدمی ہوں۔ اگر تجھے میرا ماضی نہیں معلوم تو جا پہلے میرا ماضی معلوم کر لے پھر اس کے بعد مجھ سے بات کرنا۔ دنیا کے بڑے سے بڑے مفاد کو ٹھکرا سکتا ہوں میں' کیا سمجھا؟''

''سمجھتا تو ہوں اچھی طرح سے پر کیا کروں تجھ سے پریم ہو گیا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''پریم کا بچہ! ایک تو میں ہر طرح سے تیری ہر بات مانتا رہا ہوں اور اوپر سے تو مجھے نخرے دکھا رہا ہے۔''

''ارے بس کیا باتیں ہی بنائے جائے گا۔ بہت زیادہ تیز بننے کی کوشش مت کر۔ ورنہ میرا دماغ بھی گھوم جائے گا۔''

''تو پھر کیا کرے گا میرا؟''

''جو کچھ کرلوں گا تو اس کا شبہ بھی نہیں کرسکتا مگر دوستوں میں ایسی بات کہاں ہوتی ہے تو خود سوچ۔ میں نے تو تجھے اپنے جیون کے لیے بہت بڑا دوست بنایا تھا اور تو مجھے بیچ میں ہی چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔''

''میں بھاگ رہا ہوں کہہ چکا ہوں تجھ سے کہ نہ جانے کیسی کیسی مشکلوں کا شکار رہا ہوں۔ زندگی موت سے زیادہ بدتر ہوگئی تھی میرے لیے۔ میں نے تجھے ہزاروں بار آوازیں دیں۔ اس وقت تیرے کان بند ہوگئے تھے اور اب ذرا سکون ملا ہے تو آگیا ہے ڈراما کرنے کے لیے۔''

''پاگل تو خود ہی غلط جگہ جانکلا تھا۔''

''کون سی غلط جگہ۔''

''ارے تو جانتا ہے کہ ہماری اور ان مولویوں کی خوب چلتی ہے جو اپنا اپنا دین دھرم الگ الگ رکھتے ہیں اور وہ مزار والے۔ ایسے لوگ تو ہمارے دشمن ہوتے ہیں تو ان کے علاقے میں تھا۔ ہم ان کے علاقے میں نہیں جاسکتے تھے اب ہم کیا کریں کہ تو جدھر سینگ سمائے بھاگ اٹھا۔ ایسے منہ اٹھا کر بھاگنے کے لیے تھوڑی کہا تھا تجھ سے۔ جس علاقے میں تو جا گھسا وہاں ہمارے پیر نہیں جاسکتے تھے۔'' میں حیرت سے ہرچندی کو دیکھنے لگا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

''کیوں ہرچندی، وہاں تیرے پیر کیوں نہیں جاسکتے تھے؟''

''بتاؤں تجھے؟'' وہ غرائے ہوئے لہجے میں بولا اور میں ہنسنے لگا۔

''ہرچندی اس میں کوئی شک نہیں کہ تو بڑا کمینہ انسان ہے۔ میں تجھے اب بار بار بتا چکا ہوں کہ جو وقت گزر گیا، وہ گزر گیا اب میں ہوش میں ہوں اور کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اپنے آپ کو سمجھ رہا ہے تو سمجھنا چھوڑ دے۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا تجھے۔''

''دیکھ میں پھر تجھے بتائے دیتا ہوں کہ میرا مقام معمولی نہیں ہے۔ میں بہت مہان ہوں اور آنے والا سمے تجھے یہ بتادے گا کہ ہرچندی کیا ہے۔ ہرچندی تجھے جو کچھ بتانا چاہتا ہے وہ تو بننے سے گریز کررہا ہے۔ باز آجا مان لے میری بات۔''

''اور اب تک تو جیسے میں نے تیری بات مانی ہی نہیں ہے۔''

''کہاں مانی ہے تو نے میری بات۔''

''دیکھ میں پھر یہ الفاظ کہوں گا کہ بھاڑ میں جا۔ جتنا میں کرچکا ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں کروں گا تیرے لیے۔ سوچ لے اس بات کو۔'' ہرچندی خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''اب نکل ادھر سے نکل۔''

''حالانکہ میں یہاں بہت پرسکون ہوں لیکن خیر! تو کہتا ہے تو میں نے پہلے بھی اس سے انکار نہیں کیا تو خود ہی غائب ہوگیا تھا میں کیا کرتا۔''

''اب تو غائب ہورہا ہے یا نہیں تھوڑی دیر کے بعد وہ میاں جی آجائیں گے اور تجھے الٹی سیدھی پٹی پڑھانے لگیں گے۔''

''ڈرتا ہے تو۔ بزدل ہے ڈرپوک ہے۔'' جواب میں ہرچندی میرے پاس آیا اور اس نے اپنے لجلجے پیروں سے ایک زوردار لات میری کمر میں ماری۔ چونکہ یہ لات اس نے غیر متوقع طور پر ماری تھی اس لیے میں اچھل کر کئی فٹ دور جاگرا لیکن مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کا وہ رسی جیسا پاؤں اتنا طاقتور ہوگا۔ زمین پر اوندھے منہ گرا تھا۔ دونوں ہاتھ ٹکا کر اپنے چہرے کو زمین پر ٹکرانے سے بچایا اور سانپ کی طرح پلٹ کر سیدھا ہوگیا لیکن یہ کیا؟ میرے سامنے نہ درخت تھا نہ ہرچندی۔ نہ وہ بستی بلکہ میں ریلوے پلیٹ فارم پر پڑا ہوا تھا اور قرب و جوار میں لوگ آجارہے تھے۔ چھوٹا سا ریلوے پلیٹ فارم تھا۔ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا بیٹھ کر سامنے دیکھا تو ہرچندی بھی مسخرے پن سے بیٹھا میرا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں غرائے انداز میں اٹھ گیا اور اس نے

دونوں ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے کہا۔

''مارے گا مجھے' مارے گا۔ چل ایسا کر جوابی لات مار لے میرے۔ تجھے خود پتا چل جائے گا کہ میں تجھ سے کتنا پٹتا ہوں۔'' میں اسے گھورنے لگا۔ ہرچندی ہنستا ہوا بولا۔

''اب تم ہم تم دوست بن چکے ہیں تو میرے لیے کام کر رہا ہے ویسے بڑا ہی کمینہ ہے تو۔ میں نے تجھے کیسے کیسے عیش کرائے ہیں۔ ایسی ایسی حسین کنیاؤں کو تیرے پہلوؤں میں لا ڈالا ہے اور تیرا رویہ یہ ہے میرے ساتھ۔''

''تو نے مجھے لات ماری تھی۔''

''دوستی کی لات تھی وہ۔ تجھے یہاں تک لانا جو تھا۔ پیدل چلتا تو تھک جاتا۔'' اس نے کہا اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے جھکتے ہوئے بولا۔

''شما کر دے بابا' بس شما کر دے اور معافی کتنی دفعہ مانگوں تجھ سے۔'' میں اسے گھورتا رہا پھر ہرچندی بولا۔

''اب تیار ہو جا' کام کرنا ہے تجھے۔''

''کیا کام کرنا ہے۔''

''بتا دوں ابھی تھوڑی دیر کے بعد ریل آنے والی ہے۔ ریل میں دونوں بھائی سفر کریں گے۔''

ہرچندی کی بات پر میں خاموش ہو گیا۔ یہ کشمکش اس شیطان کے آنے سے ختم ہو گئی تھی جو میرے دل میں اپنے عمل کے خیال سے پیدا ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ برائی بہت جلد قبضہ جما لیتی ہے جبکہ بھلائی کے راستے اپنانے میں نہ جانے کتنی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے پہلے میں جس کشمکش کا شکار تھا ہرچندی کے آ جانے کے بعد وہ کشمکش خود دل سے دور ہو گئی تھی۔ گویا ضمیر تھوڑا بہت جاگا تھا تو اس شیطان نے ایک بار پھر اسے سلا دیا تھا۔ ہرچندی میرے پاس بیٹھا رہا۔ میں نے کئی بار اس سے پوچھا کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے لیکن ہر بار اس نے یہی جواب دیا کہ ریل آ جانے دے بعد میں بات کریں گے۔ یہاں تک کہ ٹرین آ گئی ہرچندی میرے ساتھ ہی اٹھا تھا اور ہمارے سامنے ریل کا جو ڈبہ آ کر رکا تھا ہم دونوں اسی میں سوار ہو گئے تھے۔ یہ ایک ائرکنڈیشنڈ ڈبہ تھا۔ دو تین گھرانے اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ہرچندی سے کہا۔

''اس ڈبے میں سفر کرنے کے لیے بہت مہنگا ٹکٹ لانا پڑتا ہے۔'' ہرچندی مجھے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھ سے کہہ رہا ہے یہ بات؟''

''ٹی ٹی آئے گا پھر مانگے گا۔''

''اپنی جیب میں دیکھو۔'' اس نے کہا اور بے اختیار میرا ہاتھ اپنی جیب کی جانب چلا گیا میری جیب میں ٹکٹ موجود تھا۔ ائرکنڈیشنڈ ڈبے میں کچھ خاندان اور بھی تھے لیکن کسی نے ہماری جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ریل یہاں صرف چند منٹ رکی اور اس کے بعد آگے بڑھ گئی۔ میں نے ان سب کو دیکھا اور پھر ہرچندی کو دیکھنے لگا جو میرے برابر میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''ان میں سے جتنے ہیں نا ان میں سے کوئی مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ تجھے یہ لوگ دیکھ سکتے ہیں۔''

''کیا ان میں سے کوئی تیرا شکار ہے؟''

''نہیں بالکل نہیں۔ اچھا ٹھیک ہے تو نے کہا تھا کہ راستے میں بتائے گا اچھا سن' اب ہم لوگ جس نئی جگہ جا رہے ہیں اس کا نام شادپور ہے۔''

''شادپور' یہ نام سنا ہے میں نے۔''

''ارے بہت بڑا شہر ہے' بڑے بڑے اعلی درجے کے لوگ یہاں رہتے ہیں۔''

''ٹھیک' وہاں جا کر کیا گل کھلائے گا۔''

''جہاں ہم دو بھائی چلے جائیں وہاں گل و گلزار ہونے کے سوا اور کیا ہوتا ہے؟ بس تجھے تھوڑی سی دقت پیش آئے گی۔''

''کیا مطلب؟''

''دیکھ اب جو ہمارا شکار ہے نا وہ شادپور میں ہی رہتا ہے۔''

''کون ہے کیا نام ہے اس کا؟'' میں نے سوال کیا۔

''مرزا شمشاد بیگ۔''

''ہونہہ ہے کون؟''

''اپنا آدمی ہے۔''

''شکار کیا ہے تیرا؟''

''ساری باتیں ایک لمحے میں معلوم کر لے گا۔''

''کیوں نہیں بتانا چاہتا؟''

''بیٹا ٹھنڈی ٹھنڈی کر کے کھاتے ہیں۔ گرم گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے۔''

''تو نے میرے سارے وجود کو جلا کر رکھ دیا ہے۔''

''جیون بنا دیا ہے تیرا اور ابھی کیا ہے ذرا آگے آگے دیکھ۔ کام ہو جانے دے ذرا میرا۔ اس کے بعد دیکھنا کہ ہرچندی مہاراج کی کس طرح ہر جگہ جے جے کار ہوتی ہے۔''

''ہرچندی کی جے جے کار ہوگی مجھے کیا؟''

''تو ہرچندی کا بھائی جو ہوگا' ساتھی جو ہوگا۔''

''ہونہہ شاد پور میں کیا کرنا ہے یہ بتا۔''

''مجھ سے شمشاد بیگ کا نام تو پوچھ ہی چکا ہے۔''

''ہاں۔''

''شاد پور میں تجھے جو کام کرنا پڑے گا میں اس کی تفصیل تجھے بتائے دیتا ہوں اور ایک بات کان کھول کر سن لے کہ کرنا وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔'' وہ مدہم آواز میں مجھے بتاتا رہا کہ شاد پور میں مجھے کیا کرنا ہے۔ کام دلچسپ تھا۔ زندگی کا ایک نیا تجربہ دیکھوں ذرا اس تجربے سے مجھے کیا حاصل ہو سکتا ہے جہاں تک ہرچندی کا سوال تھا تو اتنا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شیطان آسانی سے میرا پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہے اس کے احکامات پر عمل کرنے کے بعد ہی میں زندگی آسانی سے گزار سکتا ہوں۔ ایک ناپاک وجود میرے پاس موجود تھا جو کسی بھی وقت

میرے جسم میں تحلیل ہو کر میرے دماغ کو اپنی گرفت میں لے سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے جب دماغ کسی ناپاک ہاتھ کی گرفت میں ہو تو اس میں پاک خیالات کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور اب میں پوری طرح ہرچندی کے قبضے میں تھا۔ اک طویل سفر طے کرنے کے بعد ہرچندی نے مجھے ہوشیار کیا اور بولا۔

''اب ٹرین رکے گی تو شاد پور کے اسٹیشن پر ہی رکے گی۔'' میں نے چونکتے ہوئے انداز میں گردن ہلا دی تھی ٹرین کی رفتار سست ہوئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ٹرین رک گئی۔ میں اور ہرچندی نیچے اتر آئے تھے۔ بہت بڑا شہر تھا۔ اسٹیشن ہی بہت شاندار تھا۔ ہم اسٹیشن سے باہر نکل آئے اور پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ میں بہرحال ایک طویل عرصے تک عجیب وغریب حالات کا شکار رہا تھا اور میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ہرچندی کی قربت کے بغیر کوئی کام ہونا مشکل ہے ایک بار پھر میں ان ہی غلاظتوں میں آلپٹا تھا۔ جن میں' میں نے اتنا وقت گزارا تھا اور اب میرے دل میں ندامت کا جو احساس بیدار ہوا تھا وہ نہیں تھا۔ ہرچندی خود تو نظر نہیں آتا تھا۔ میرے لیے اس نے بندوبست کیا اور ہم ایک عمدہ ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئے۔ سنگل بیڈ تھا۔ کمرا بہت شاندار تھا' ہرچندی نے مجھے ڈھیروں کپڑے مہیا کیے' کہنے لگا۔

''اب ایسا کر کہ چار چھ آٹھ دن آرام سے یہاں قیام کر اپنی مرضی سے جی لے۔ کیونکہ اس کے بعد تجھے کام شروع کرنا ہے۔ یہ بہت لمبا کام ہوگا۔'' میں نے گردن ہلا دی تھی۔ ہرچندی نے کافی تعداد میں مجھے کرنسی دی۔ لباس بھی بہترین تھے۔ چنانچہ خوب عیش سے زندگی گزارنے لگا۔ البتہ جو کام شروع کرنا تھا اس کے لیے داڑھی ضروری تھی چنانچہ میں نے ہرچندی کی ہدایت کے مطابق شیو کرنا چھوڑ دیا تھا۔ لوگوں کی تفریحات اور شاد پور کے حسین مقامات اس کے ساتھ ساتھ ہی زندگی گزارنے کے دوسرے لوازمات یعنی عیاشی۔ جس کا مجھے ہرچندی نے پورا پورا موقع دیا تھا اور میں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ البتہ ہرچندی نے ایک بات مجھ سے کہی تھی' کہنے لگا۔

"گر کی بات بتائیں تجھے۔ زیادہ پھل کھانے سے پھل بے مزہ ہو جاتے ہیں۔ جس چیز کی تشنگی انسان کے حق میں رہے وہ چیز ہمیشہ دل کشی پیدا کرتی رہتی ہے اور من چاہتا ہے کہ اسے کھایا جائے اس لیے پھل ذرا کم ہی استعمال کرنا۔" بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ بہرحال وہ جو کہتا تھا اس میں بڑے فائدے تھے۔ اپنی پسند سے وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا کر سکتا تھا' لیکن اس کے موقع بھی مجھے ہرچندی نے ہی فراہم کیے تھے۔ بہرحال اس کے بعد میں نے سب کچھ ہرچندی کے مطابق ہی کیا اور آخر کار میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں مجھے اپنا کام سرانجام دینا تھا۔ یہ تو نہیں دیکھا میں نے کہ جگہ کون سی ہے' البتہ یہ دیکھا کہ بہت سے فقیر وہاں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ روزانہ نئے نئے فقیر بھی آ جاتے تھے۔ اور لوگ انہیں خیرات دینے کے لیے وہاں آتے تھے۔ کیونکہ اتنے دن میں نے عیش و آرام میں گزارے تھے۔ اس لیے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ ہرچندی آخری دن جب مجھ سے ملا تو بولا۔

"چندا! ایسے ہو کر رہ گئے پورے کے پورے کام۔ میں وقت پیش آئے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے تمہیں فقیر کا روپ دھارنا ہے' فقیر ایسے ہوتے ہیں۔"

"نہ میں فقیر ہوں اور نہ فقیر بن سکتا ہوں۔ تو کیا چاہتا ہے؟"

"بابا وہ تو کرو کم از کم جس کی ضرورت ہے۔"

"داڑھی بڑھی ہوئی ہے منہ پر مٹی اٹھا کر مل لیتا ہوں اور کیا کروں؟"

"ہاں ایسا ہی کرو اور لو یہ چادر اوڑھ لو۔ تاکہ بدن ڈھکا ہی رہے۔ بات یاد ہے نا جو میں نے کہی تھی۔"

"سب یاد ہے سب یاد ہے۔" میں نے کہا اور درخت کے نیچے بیٹھا رہا۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں اسی طرح چادر اوڑھے خاموش بیٹھا رہا تھا۔ آوازیں آ رہی تھیں اور لوگوں کے قریب سے گزرنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بہت دیر ہوگئی پھر ہرچندی نے کہا۔

"ہمت مت ہارنا بڑے بڑے ڈرامے ہوتے ہیں۔ لوگ پتا نہیں کیا کیا ناٹک کرتے ہیں۔ تجھے اس وقت ایک فقیر کا ناٹک کرنا پڑ رہا ہے۔ بہت ہوشیاری سے کام کرنا۔ آنے ہی والے ہیں۔"

میں حیران تھا۔ اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہرچندی نے جن لوگوں کی نشاندہی کی ہے وہ کیسے آنے والے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑی سی کار میرے سامنے آ کر رکی۔ میں نے چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ کار کے پیچھے پیچھے ایک لوڈر بھی تھا۔ لوڈر میں دیگیں رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ نیچے اترے اور دیگیں سنبھال لی گئیں۔ قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے سارے فقیر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ لیکن لوڈر سے اترنے والوں میں سے ایک قوی ہیکل اور لمبی لمبی مونچھوں والے نے لمبی سی لکڑی اٹھائی اور اسے سیدھی کرتے ہوئے بولا۔

"سب لوگ لائن بنا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر بغیر لائن کے ایک بھی گاڑی کے قریب آیا تو چھڑیاں مار مار کر ہڈیاں توڑ دوں گا۔ ہٹو پیچھے۔" اس نے سب سے آگے والے فقیر پر لکڑی اٹھائی۔ وہ سب سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس کی شکل اتنی ہی خطرناک تھی' کار میں بیٹھے ہوئے لوگ خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

پھر کار سے کچھ خواتین نیچے اتریں۔ عمدہ لباس میں ملبوس ان خواتین میں سے ایک سب سے آگے والی لڑکی دیکھنے کے قابل تھی اس کے کالے بال گھونگھریالے تھے اور ایک لمحے میں دیکھنے سے مصنوعی معلوم ہوتے تھے۔ اس کے ٹخنوں تک لٹکے ہوئے تھے۔ انہیں باندھ دیا گیا تھا لیکن بہت سی آوارہ لٹیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ لباس بہت خوب صورت تھا۔ شانوں پر ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ہرچندی نے مجھے اسی لڑکی کے بارے میں ہدایات دی تھیں چنانچہ چادر میں تھوڑا سا جھروکا بنا کر میں اسے دیکھتا رہا۔ فقیروں میں کھانا تقسیم کیا جانے لگا۔ انہیں رقم بھی دی جا رہی تھی اور کھانا بھی۔ ہر کھانے کے بعد لڑکی کا ہاتھ لگوایا جاتا تھا۔ لڑکی کے چہرے کے نقوش میں کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔ کھویا کھویا سا انداز صاف محسوس ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس تمام ہنگامے سے کوئی واقفیت نہ رکھتی ہو۔ بلکہ اسے شاید اس دنیا سے ہی کوئی واقفیت نہ ہو۔

کتنا دلکش وجود تھا اس کا لیکن وہ دوسروں کے سہارے کھڑی ہوئی تھی۔ میں حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ فقیر لنگر لے لے کر ہٹتے رہے۔ لکڑی والا آدمی انہیں کنٹرول کر رہا تھا لیکن مجھے اپنی جگہ سے نہیں اٹھنا تھا میں تو کھیل ہی دوسرا کھیلنے والا تھا۔ پھر شاید ان لوگوں نے دیکھ لیا۔ محسوس کر لیا' ایک آدمی میرے پاس آیا اور بولا۔

''کھانا نہیں کھاؤ گے بابا جی۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا' جب وہ پھر بولا۔

''کھانا نہیں کھاؤ گے؟'' میں نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا۔

''کون دے گا کھانا؟''

''آؤ اٹھ کر ادھر آؤ' لے لو کھانا۔''

''جاؤ اپنا کام کرو۔ کھانا دینے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ تم کون ہوتے ہو' چلے جاؤ۔'' میں غرایا اور وہ لوگ مجھے دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے البتہ میں نے ان میں سے ایک کی آواز سنی تھی۔

''ڈراما کر رہا ہے ڈراما۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور چادر اپنے چہرے پر ڈھک لی۔ غالباً ان لوگوں نے اس مونچھ والے کو میرے بارے میں بتایا تھا۔ پھر مجھے ایک آواز سنائی دی۔

''قدوس خان! ان بابا جی کو کھانا نہیں دیا؟''

''وہ اٹھ کر نہیں آئے۔'' قدوس خان وہی مونچھوں والا آدمی تھا۔

''ٹھہرو ایک منٹ۔'' یہ ایک بھاری مردانہ آواز تھی۔ پھر میں نے ایک بزرگ شخصیت کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ اچھی جسامت کا مالک تھا اور بہت عمدہ لباس پہنے ہوئے۔ شخصیت بہت اچھی نظر آ رہی تھی۔ وہ برتن لے کر میرے قریب پہنچا اور کہا۔

''بابا جی کھانا کھا لیجیے۔'' میں نے ہرچندی کے اشارے کے مطابق اپنی چادر میں ہاتھ ڈالا اور وہ تھیلی نکال کر کھانے کی پلیٹ میں ڈال دی جو چمڑے کی بنی ہوئی تھی اور ہرچندی نے میرے پاس محفوظ کی تھی' میں نے کہا۔

''تمہارا شکریہ! تم مجھے رزق کا تحفہ دے رہے ہو۔ میری طرف سے بھی یہ تحفہ قبول کرو۔'' اس

شخص نے حیرت سے اس تھیلی کو دیکھا پھر بولا۔

''بابا جی کھانا تو کھا لیجیے۔''

''نہیں سر عام خیرات قبول نہیں کرتے ہم۔ جاؤ ہمارا وقت نہ برباد کرو۔'' وہ شخص خاموشی سے واپس مڑ گیا۔ اب پتا نہیں اس نے اس تھیلی کا کیا کیا تھا؟ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد سارا کھانا تقسیم ہو گیا اور وہ لوگ چلے گئے۔ ہرچندی نے میرے کان کے پاس سرگوشی کی۔

''کبوتر کو دانہ ڈال دیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''کبوتر کا مطلب بتاؤں یا دانے کا؟''

''دل چاہے تو بتا دے ورنہ میرے کان نہ کھا۔ فقیر بنا دیا تو نے مجھے۔''

''فقیر! ارے فقیر ہی تو شہنشاہ ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں سب انہیں شاہ جی' شاہ جی کہتے ہیں۔''

''ہاں اور پھر شاہ جی کو اس طرح رعب ڈالتے ہیں جیسے۔۔۔''

''بس بس چھوڑ۔ تو جذباتی آدمی ہے۔ جذباتی ہو جاتا ہے۔ جذباتی نہیں ہوتے۔ بری بات ہے۔''

''چلو چلو ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ کیا کرو گے آگے۔''

''میں نے کہا نا کہ دانہ ڈال دیا ہے کبوتر کو۔ اور کبوتر آ کر بیٹھنے والا ہے تیرے سر پر۔'' میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ معمولات پھر سے جاری ہو گئے۔ غالباً یہ کوئی ایسی جگہ تھی جہاں عموماً فقیروں کے ڈیرے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ چکر چلتا رہا لیکن کوئی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہی کار پھر قریب آ کر رکی۔ اس میں سے وہ شخص' اس کے علاوہ مونچھوں والا شخص اور دو افراد اور اترے تھے اور ادھر آ کر بار بار مجھے تلاش کرتے رہے تھے۔ میں اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ لوگ مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ سب میرے قریب بیٹھ گئے اور اسی شخص نے جو عمدہ لباس

میں ملبوس تھا مجھ سے کہا۔

''باباصاحب آپ نے مجھے جو تحفہ دیا ہے وہ بہت قیمتی ہے' میں کیا کروں اس کا؟''

''اور تو جو تحفہ ہمیں دے رہا تھا اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا۔

''باباصاحب کیا آپ' ہمیں تھوڑا سا وقت دے سکیں گے؟''

''وقت کون کس کو دے سکتا ہے۔ وقت تو جس کے ہاتھ میں ہے اور جو وقت کا مالک ہے وہی کسی کو دے سکتا ہے۔ ہم دنیا کے رہنے والے نہ کسی کو وقت دے سکتے ہیں نہ کسی سے وقت لے سکتے ہیں۔''

''باباصاحب' میں آپ کی تھوڑی سی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس کے پیچھے بھی تیرا مطلب چھپا ہوگا۔۔۔ ہیں' اس کے پیچھے بھی تیرا مطلب ہی چھپا ہوگا۔ ہم جانتے ہیں اور تو بھی جانتا ہے۔ ہالہ' ہالہ' ہالہ'' وہ شخص شدت حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔ میں نے اس وقت ہرچندی کے بتائے ہوئے اس نام پر بالکل غور نہیں کیا تھا لیکن اب اچانک مجھے احساس ہوا کہ اس نام کے پس منظر میں کوئی اہم بات پوشیدہ ہے اور اب اس میں کوئی شک نہیں رہا مجھ کو کہ اس لڑکی کا نام ہالہ ہے۔ جس کے ہاتھوں یہ غذا اور نوٹ تقسیم کرائے جا رہے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں نے صحیح نام لیا۔ وہ لوگ شدت حیرت سے گنگ تھے۔ پھر خوش لباس آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''باباصاحب! آپ کو خدا کا واسطہ' آپ کو ہمیں وقت دینا ہی پڑے گا۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''بابا کیا چاہتے ہو؟ کوئی کام ہے ہم سے؟''

''جی! آپ نے جس مظلوم کا نام لیا ہے وہ آپ کی مدد کی مستحق ہے۔ خدا کے لیے آپ ہماری مدد کیجیے۔ آپ نے ہمیں تحفے میں ہیرے دیئے ہیں۔ باباصاحب! آپ کا تحفہ تو اتنا قیمتی ہے کہ آپ یہاں سال بھر تک ان فقیروں کو کھانا کھلا سکتے ہیں۔ آپ کا بھلا فقیری سے کیا تعلق؟ دینے

والے اسی طرح دیا کرتے ہیں۔ ہمیں ہمارا قیمتی ہیرا بخش دیجیے' زندگی بھر آپ کا احسان مانیں گے۔'' اس شخص کی آواز میں بھراہٹ پیدا ہوگئی۔ ہرچندی نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانا ہے۔ ابھی ساری تفصیلات تو میرے علم میں نہیں آئی تھیں' لیکن جو آغاز ہوا تھا وہ ہرچندی کی مرضی کے مطابق ہی تھا۔ میں سوچ میں ڈوبا اور وہ شخص مسلسل میری خوشامدیں کرنے لگا تو میں نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھا اچھا چلتے ہیں۔ چلو۔'' میں نے چادر سمیٹی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم جس حویلی میں داخل ہوئے ہم سے مراد یہ کہ میں اور میرے ساتھ آنے والے تو اس کی شان و شوکت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ حویلی کے مکین بلاشک وشبہ بہت بڑی حیثیت کے حامل تھے۔ بے شمار ملازمین چاروں طرف ہنگامہ آرائی۔ حویلی کیا ایک اچھا خاصا محل معلوم ہوتا تھا۔ مجھے رہائشی حویلی کے بغلی حصے میں بنے ہوئے مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں ایک بہت بڑا ہال کمرہ' میرے حوالے کیا گیا تھا۔ دو ملازموں کے ساتھ فوری طور پر مجھے وہاں منتقل کر دیا گیا اور ملازموں کو ہدایت کر دی گئی کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ یہاں تک کہ آتے ہوئے میں نے حویلی کی جو شان وشوکت دیکھی تھی اسے دیکھ کر ہی میں دنگ رہ گیا تھا۔ پھر ملازموں نے میری خوب خاطر مدارت کی' مجھے لباس بھجوایا گیا لیکن بہرحال میں ان ساری چیزوں کو قبول کر کے اپنی شخصیت کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی یہ پیش کش مسترد کر دی۔ ملازموں سے بھی میں نے ابھی تک کوئی کام نہیں لیا البتہ اپنے کمرے سے ملحق غسل خانے میں جا کر میں نے اچھی طرح غسل کیا۔ کیونکہ اب تک جن حالات کا شکار رہا تھا ان میں اپنے وجود کی صفائی کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر میں بیٹھ گیا۔ سوچ رہا تھا کہ اب یہ کمبخت ہرچندی مجھ سے یہاں کیا کرانا چاہتا ہے۔ بات وہی تھی کہ جو کچھ کر رہا ہوں وہ ایک انسانی عمل ہے اور مجھے وہ نہیں کرنا چاہیے لیکن بات وہیں آ جاتی تھی کہ ہرچندی کا ساتھ ہر طرح سے باعث دلچسپی تھا۔ پچھلے چند لمحات میں ذہن کو چرکے لگے تھے لیکن ہرچندی کے پہنچ جانے

کے بعد وہ احساس بھی ختم ہوگیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب اس حویلی میں ہرچندی مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ میں نے تنہائی پانے کے بعد ہرچندی کو آواز دی۔ ایک بار دو بار' تین بار' چار بار' لیکن ہرچندی کا جواب نہیں ملا تھا۔ یہ بات ہرچندی مجھے بتا چکا تھا کہ بعض جگہوں پر اس کا پہنچنا خود اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اس لیے وہ وہاں نہیں آسکتا۔ اس وقت بھی مجھے یہی اندازہ ہوا تھا لیکن ہرچندی کے نمائندے کی حیثیت سے' بہرطور اب مجھے یہاں کام کرنا تھا اور یہ معلوم کرنا بھی میری ذمہ داری تھی کہ ہرچندی نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا لیکن وہ لڑکی ہالہ' بلاشبہ حسن و جمال میں یکتا تھی اور اسے بڑی عجیب سی کیفیت حاصل تھی۔ میں اس کے تصور میں کھو کر لطف لینے لگا۔ آنے والے وقت میں اگر وہ لڑکی میری گرفت میں آجائے تو کیا ہی دلچسپ لمحات گزریں۔ لیکن بہرحال ہرچندی کی ہدایات کا سلسلہ بھی ضروری تھا۔ میں یہاں وقت گزارتا رہا۔ رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے وہی شخص میرے پاس آگیا جو منت سماجت کرکے مجھے یہاں تک لایا تھا۔ میں نے اسے دیکھا وہ بڑے ادب سے گردن خم کرکے میرے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔

''حضور والا! کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں۔''

''یوسف ہے بھائی ہمارا نام اور ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ تم ضرور کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہو۔''

''غلط فہمی کیسی سرکار؟''

''شاید تم ہمیں کوئی بزرگ یا ولی وغیرہ سمجھ بیٹھے ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک گناہ گار انسان ہیں ہم۔ فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے تھے کہ تم نے اتنی اہمیت دے ڈالی۔''

''حضور! اس بات کو جانے دیجئے کہ آپ کون ہیں۔ کیا ہیں اور کیسی زندگی گزار رہے تھے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا جناب سے منسلک کوئی اور شخصیت بھی ہے؟''

''کیسی شخصیت؟''

''جناب کے اہل خانہ میں سے کوئی۔''

''نہیں بھائی ہمارا خانہ ہی نہیں ہے تو اس میں اہل کہاں ہوں گے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تنہا ہیں؟''

''ساری کائنات میں۔''

''یہ سوال میں نے اس لیے کیا تھا کہ اگر اہل خانہ میں سے کوئی ہو تو آپ سے اجازت طلب کرکے ان کی حاجت پوری کی جائے۔ حالانکہ یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہے' کیونکہ آپ بذات خود ہزاروں کی حاجت پوری کرسکتے ہیں۔ اس کا اندازہ مجھ سے زیادہ اور کون لگا سکتا ہے۔''

''آپ کا نام کیا ہے بھائی؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں تفصیلی گفتگو کرنے کے لیے ہی حاضر ہوا تھا۔ میرا نام مرزا افتخار بیگ ہے۔''

''ٹھیک' آپ کے والد۔''

''مرزا شمشاد بیگ۔''

''حیات ہیں؟''

''جی اللہ کے فضل سے۔''

''کہاں ہیں؟''

''بس دیندار آدمی ہیں اپنے حجرے میں ہی رہا کرتے ہیں۔''

''ہونہہ ٹھیک۔''

''جناب والا! میں آپ کو اپنی بیٹی کے بارے میں تفصیلات بتانا چاہتا ہوں۔''

''ہالہ کے بارے میں؟''

''جی ہاں۔''

''اس کی یہ کیفیت کب سے ہے اور کیونکر ہوئی؟''

''جناب والا! وہ ایک زندگی سے بھرپور لڑکی تھی۔ بی اے تک تعلیم دلائی ہے میں نے اسے بی

اے کے بعد خود اس کا دل بھی تعلیم سے اچاٹ ہو گیا۔ اور میں نے بھی اس پر دباؤ نہیں ڈالا کیونکہ بہرحال لڑکیوں کو اپنے گھروں میں جانا ہوتا ہے اور اس کے بعد اپنی سلیقہ مندی خواتین ہی کی حیثیت سے ظاہر کرنی ہوتی ہے۔ تو کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہالہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ انتہائی خوش مزاج زندگی کی تمام دلچسپیوں میں شامل لیکن تقریباً سوا سال سے وہ ایک عذاب میں گرفتار ہو گئی اور آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس عذاب نے اس سے اس کی ساری شخصیت چھین لی۔''

''کیا عذاب؟ آپ بتانا پسند کریں گے۔''

''آپ کو نہیں بتاؤں گا تو اور کس کو بتاؤں گا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری تمام مشکلات کا حل آپ کی شکل میں مجھے مل گیا ہے۔''

''شاید تم نے ہم سے بہت توقعات وابستہ کر لی ہیں مرزا افتخار بیگ۔''

''حضور انسان کچھ دیکھ کر ہی کسی کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اور میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس نے میرے دل میں امیدوں کے چراغ روشن کر دیئے ہیں۔''

''اچھا خیر چلو آگے بڑھو۔ کیا ہوا؟''

''بہت دن یعنی سوا سال پہلے کی بات ہے بچے عموماً سیر و سیاحت کے لیے جاتے رہتے تھے۔ میرے کچھ عزیز باہر سے آئے تھے۔ لڑکے لڑکیاں سبھی تھے ان میں۔ ان عزیزوں کے ساتھ ہالہ پکنک منانے کے لیے شہری آبادیوں سے دور ایک خاص مقام پر گئی۔ جو چنار پور کہلاتا ہے۔ چنار پور درختوں کا علاقہ ہے۔ وہاں کچھ مغلیہ دور کے کھنڈرات بھی بنے ہوئے ہیں۔ ان کے عقب میں ایک عظیم الشان قبرستان ہے اور کہا جاتا ہے بہت سے عظیم الشان افراد کی قبریں وہاں موجود ہیں۔ ان کی ایک تاریخ ہے جو ان قبروں پر کندہ ہے۔ خیر وہ الگ بات لیکن اصل چیز جو ہے، وہاں ایک جھرنا ہے۔ جو قدرتی ہے اور ایک پہاڑی سے چشموں کی شکل میں نکل کر نیچے گرتا ہے۔ عموماً چشمے اتنے وسیع نہیں ہوتے جتنا وہ جھرنا ہے۔ جھرنے سے ایک ندی بن کر دور تک چلی جاتی ہے۔ اور آگے جا کر ایک عظیم جھیل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جھیل کے کنارے عظیم الشان باغات ہیں اور وہاں کا علاقہ ہمارے اس علاقے کا سب سے حسین حصہ ہے۔ یوں سمجھ لیجئے آپ کہ یہاں پر یعنی شاد پور میں اس سے خوب صورت علاقہ اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن اس علاقے سے متعلق کچھ افسانے میں نے بھی سن رکھے تھے۔''

''افسانے؟''

''جی ہاں۔''

''افسانے کیسے؟''

''حضور والا! سنا تھا کہ رات کی تاریکیوں میں جھیل کا پانی سنہرا رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ پھر اس کے اردگرد رقص و موسیقی کا سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ جو اتفاقیہ طور پر رات کو وہاں رک گئے تھے۔ انہوں نے یہ منظر دیکھا تھا اور ان کی کیفیت اور حالت عجیب ہو گئی۔ میں خود ان میں سے ایک دو افراد سے ملا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ سحر زدہ ہو گئے ہیں۔ زبانیں بند ہو گئی ہیں۔ کچھ بولتے نہیں کچھ بتاتے نہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ صاحب حیثیت بھی ہیں۔ اور انہوں نے نہ جانے کیا کیا علاج کرا ڈالے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔''

''ٹھیک اور آپ آگے بتایئے۔''

''میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ ہالہ بھی وہاں ان لڑکیوں کے ساتھ پکنک پر گئی لیکن جب وہ وہاں سے واپس پلٹی تو خاموش خاموش تھی۔ اور یوں لگتا تھا جیسے اس کا ذہن کسی دباؤ کا شکار ہو گیا ہو۔ اس وقت تو خیر بات سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ لیکن اس رات ہالہ کو کسی سے باتیں کرتے ہوئے سنا گیا۔ ایک مردانہ آواز بھی اس کے کمرے سے آ رہی تھی۔ ہم لوگ دنگ رہ گئے اور ہم نے یہ محسوس کیا کہ کوئی غلط حرکت ہو رہی ہے۔ ہالہ کی ماں نے مجھے اس بارے میں بتایا اور میں نے صرف رسوائی کے خوف سے خاموشی اختیار کی اور انتہائی احتیاط کے ساتھ کمرے میں جھانکا۔ ہالہ تو نظر آئی شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی۔ لیکن جس سے وہ باتیں کر رہی تھی اس کا کوئی وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم لوگ کافی دیر تک اس انتظار میں رہے کہ کوئی کمرے سے باہر نکلے تو ہم اس کا

تیا پانچا کریں۔ لیکن صبح ہوگئی اور کوئی ایسا نہیں تھا جو وہاں سے باہر نکلتا اور اس کے کے بعد باہر سے ہمیں مجبوری میں دروازہ کھلوانا پڑا تھا۔ دروازہ ہالہ نے نہیں کھولا تھا۔ وہ تو گہری نیند سو رہی تھی۔ ہمارے پاس کچھ ایسے ذرائع تھے جس سے ہم دروازہ کھلوا سکتے تھے۔ پورے کمرے کی تلاشی لینے کے باوجود وہاں کسی انسان کا نام ونشان تک نہیں ملا تھا۔ ہمیں سخت حیرانی ہوئی کیوں کہ ہم سب نے ایک مردانہ آواز کمرے میں سنی تھی۔ خیر یہ سارا سلسلہ ختم ہوگیا۔ لیکن اس کے بعد ہالہ کے اندر جو تبدیلی رونما ہوئی۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔ میری ہنستی بولتی بچی نہ جانے کس عذاب میں گرفتار ہوگئی ہے۔ کوئی اس کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ آپ یقین کریں میں اس قدر غم زدہ ہوں کہ بیان نہیں کرسکتا۔ باباصاحب! آپ یہ سمجھ لیجیے کہ میں اپنی بچی پر اپنی زندگی قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اس کا مرض معلوم ہو جائے۔'' میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔

''مرزا افتخار بیگ صاحب کیا آپ نے اسے کسی عامل کو دکھایا ہے؟''

''کیا عرض کروں؟ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے خوف بھی محسوس ہوتا ہے۔ کئی عامل یہاں بلوائے گئے۔ انہیں بہترین معاوضے دیے میں نے۔ لیکن وہ روایتی عامل تھے۔ کچھ کر دھر نہیں سکے۔ دولت بٹوری اور چلے گئے۔ وہ جو کسی کو دولت دینا جانتے ہوں وہ دولت کے لالچ میں نہیں رہتے۔ وہ بس انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرتے ہیں۔ باباصاحب میں آپ کی کوئی خوشامد نہیں کر رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے دل نے اندر سے کہا ہے کہ آپ ہماری مشکلات کا حل بن سکتے ہیں۔''

ایک بار پھر میرے سینے میں کچھ کھرچن سی محسوس ہوئی۔ یہ قدرت کا عمل ہوتا ہے۔ میں تمہیں یہ بتاؤں فیضان کہ انسان ساری کائنات سے لڑ سکتا ہے۔ لیکن اس کے اپنے سینے میں ایک چیز ہوتی ہے جسے آپ ضمیر کہہ لیجیے۔ اس سے جنگ ناممکن ہے۔ اگر انسان ضمیر سے جنگ جیت لے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ چنگیز خان ہوتا ہے۔ ہلاکو خان ہوتا ہے۔ ہٹلر ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔ ضمیر سے جنگ جیتنے کے بعد انسان شاید انسان نہیں رہتا۔ بہرحال صورت حال یہ ہوئی کہ میں نے بہت سی باتیں اس شخص سے کہیں اور کہا کہ۔'' میں دیکھوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔'' لیکن جو خلش سینے میں بیدار ہوئی تھی۔ اس سے میں نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیوں کہ بہر طور مجھ سے شیطان تو اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک شیطان کا پیروکار بن کر شیطانیت کے لیے اس گھر میں گھسا تھا میری خاطر مدارت میں زمین آسمان ایک کر دیے گئے۔

ہر چندی نے مرزا شمشاد بیگ کا تذکرہ کیا تھا۔ شمشاد بیگ کے بارے میں مجھے بس اتنا پتہ چلا کہ وہ گوشہ نشین ہیں۔ یہاں کی کئی نشستوں میں میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن بیگم شمشاد بیگ جو دادی اماں کے نام سے مشہور تھیں اور اپنی حرکت سے دادی اماں ہی لگتی تھیں ایک دن اس حویلی کے لان پر مجھ سے ٹکرا گئیں۔ غالباً مرزا افتخار بیگ انہیں مجھ سے ملانے کے لیے لائے تھے۔ تیز و طرار خاتون جو زمانہ قدیم کی بہترین نمائندہ نظر آتی تھیں۔ گورا چٹا رنگ، بالوں میں چوٹی بندھی ہوئی۔ کھچڑی بالوں میں یہ چوٹی بڑی عجیب لگتی تھی۔ بالکل چوہے کی دم کی مانند۔ پانوں کی دھڑی ہونٹوں پر جمی ہوئی۔ اور ٹھوڑی پر لٹکی ہوئی۔ مخصوص طرز کا لباس پہنے سامنے آئیں اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر مجھے گھورنے لگیں۔ پھر افتخار بیگ کی جانب رخ کر کے بولیں۔

''اے افتخار بیگ! تو ہم سے پہلے سٹھیا گیا۔ ارے ابھی تو تیری عمر کوئی بھی نہیں ہوئی۔ مگر تیری حرکتیں۔۔۔ تیری حرکتوں میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''کیا ہوگیا اماں بی؟ کیا ہوگیا۔'' افتخار بیگ نے گھبرائے ہوئے انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ موا مشٹنڈا کہیں کا۔ تو اسے درویش اور ولی سمجھ کر لے آیا ہے۔ ارے اس کی شکل تو دیکھ۔ چہرے ہی سے لفنگا لگتا ہے۔ توبہ توبہ میرا پردہ بھی ختم کرا دیا۔ میں تو سمجھی تھی کہ کوئی بابا جی ہوں گے۔ سفید ریش۔ ارے یہ کالی داڑھی جو ہے نا یہ تو بس تو یہ سمجھ لے کہ سائن بورڈ ہے سائن بورڈ۔

اپنے آپ کو چھپانے کا۔ یہ کوئی شریف آدمی لگتا ہے مجھے چہرے سے۔''

''آئیے آئیے اماں بی آپ تو فضول باتیں کرنے لگیں۔''

''کیا کیا کیا۔ ہوش میں ہے یا نہیں؟ پاؤں کی جوتی اتاروں گی سر پر تڑا تڑ لگانا شروع کر دوں گی۔ ارے رک تو سہی۔''

''آپ آئیے اماں بی آپ آئیے۔''

''ارے رک تو سہی۔ میں اس سے دو چار سوال تو کر لوں۔'' بڑی بی بار بار مرزا افتخار بیگ کے ہاتھ سے نکل رہی تھیں۔ اور میری جانب لپک رہی تھیں۔ مجھے دل ہی دل میں ہنسی تو آ رہی تھی۔ مرزا افتخار بیگ کی بوکھلاہٹ پر۔ اور ان کے کسی مرغے کی طرح بار بار اپنے آپ پر جھپٹنے پر۔ لیکن مرزا افتخار بیگ انہیں کسی نہ کسی طرح اندر لے ہی گئے۔ میں لان میں چہل قدمی کرنے لگا تھا۔ مرزا افتخار بیگ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے۔

''حضور اگلے وقتوں کے لوگ ہیں۔ اپنے ذہنوں میں بس خاص ہی تصور رکھتے ہیں۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ جیسا نوجوان آدمی اس طرح سے کوئی کارآمد شخصیت ثابت ہو سکتا ہے۔''

''بس جانے دیجئے کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کچھ زیادہ ہی محسوس کر رہے ہیں۔ ورنہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''حضور میں تو بس یہ سوچ کر لایا تھا۔ کہ کام بن جائے گا۔ اور اماں جان آپ سے زیادہ بہتر بہتر سوال کر لیں گی۔ لیکن پتا نہیں آپ کا ذہن کس طرح خراب ہوا۔''

''بھائی ہم نے کہا ہے نا کہ ہمارے ذہن میں کوئی خرابی نہیں ہوئی۔''

''یہ بھی آپ کی بڑائی ہے۔''

''اب جو جی چاہے کہہ لو۔ مگر فضول باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔''

''حضور آپ خود ہی فیصلہ کریں گے کہ آگے کیا کرنا ہے؟ چونکہ بہرحال اصل فیصلہ تو آپ ہی کو

کرنا ہوگا۔''

''ہونہہ! ہالہ کہاں رہتی ہے؟''

''آپ کو ان کا کمرا دکھا دیا جائے۔''

''نہیں ہم کسی وقت تنہائی میں ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان سے دل کی باتیں معلوم کی جائیں۔''

''ٹھیک ہے معلوم کر لیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں اس کا موقع آپ کو مہیا کروں گا۔''
ہر چندی اس حویلی کے احاطے میں مجھ سے نہیں مل سکتا تھا۔ اس لیے اسی شام میں نے حویلی میں باہر چہل قدمی کی۔ اور اس کے عقبی حصہ میں دور نکل گیا۔ یہاں ایک حسین باغ پھیلا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں مجھے علم ہو چکا تھا۔ کہ مرزا افتخار بیگ ہی کی ملکیت ہے۔ یہاں پہنچ کر میں نے ہر چندی کو آواز دی۔ تو ہر چندی کی آواز سنائی دی۔

''یہ سب کیا بات ہے؟''

''ہر چندی مہاراج حویلی میں' میں نے کئی بار آپ کو پکارا لیکن آپ کی آواز نہیں سنائی دی۔''

''بتا چکے ہیں تجھے! کہ حویلی میں مرزا شمشاد بیگ موجود ہیں۔ اور وہ ہمارا دشمن ہے۔''

''مگر کوئی نہ کوئی بات تو ہونی چاہیے۔''

''بول کیا بات!''

''اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''ارے باؤلے! وہی سب کچھ جو تو کر رہا ہے۔ جو ہم تجھ سے چاہتے ہیں۔''

''مطمئن ہو؟''

''ایسے ویسے۔''

''ارے مزے کر مزے۔ ہم خوش ہیں کہ تو نے بڑی کامیابی کے ساتھ مرزا افتخار بیگ کو اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ اور مرزا افتخار بیگ اپنے ہاتھوں سے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ جو ہم کرنا

چاہتے ہیں۔"

"تو میں یہ کام شروع کردوں۔"

"سن ایک بات بتائیں تجھے۔ایک محاورہ ہے کہ ٹھنڈی کر کے کھانا اچھی بات ہے جب پہلی بار یہ لڑکی تجھ سے ملے گی تو تو صرف اس کا جائزہ لینا۔تین چار ملاقاتیں کرنا اس سے ابھی وقت لگا یہاں جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔جلد بازی میں کام خراب بھی ہوجاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے یہاں کا ماحول مجھے بھی پسند ہے۔جیسا چاہو تم کہو۔"

"بس تو پھر تھوڑا سا انتظار کر۔اور سن حویلی میں مجھے کبھی آواز مت دینا۔وہیں سے کام گڑ بڑ ہوجائے گا۔"

"ٹھیک ہے تم اطمینان رکھو ہرچندی۔" میں نے جواب دیا۔

"ارے ہمیں تو بہت زیادہ ہی اطمینان ہے۔بڑے کام کا آدمی ہے تو۔" ہرچندی مجھ سے خوش تھا۔بہرحال میں وہاں سے واپس اندر آگیا۔قرب وجوار میں رہنے والے میرا بڑا احترام کرتے تھے۔کئی ملازم یہ جان چکے تھے کہ میں بڑا پہنچا ہوا درویش ہوں۔انہیں اصلیت کا پتا ہی نہیں تھا۔جب بھی میں کبھی باہر نکلتا ان میں سے کچھ میرے آس پاس بھٹکنے لگتے تھے۔لیکن اس وقت تک میں نہیں جانتا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے؟ آج تو کوئی خاص بات نہیں ہوسکی۔لیکن دوسرے دن ایک ملازم میرے پاس پہنچ گیا۔اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور آہستہ سے بولا۔

"میاں صاحب! اللہ آپ کو خوش رکھے میں بہت غریب آدمی ہوں۔چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میرے۔میرے لیے کچھ کر دیجئے۔تو آپ کا زندگی بھر احسان مانوں گا۔" دوسرا ملازم فوراً ہی میرے پاس آگیا اور کہنے لگا۔

"میں بھی آپ کی نظر کرم کا طلبگار ہوں۔میں اس سے زیادہ غریب ہوں۔"

"ابے چپ کر۔بکے جارہا ہے مجھے بات کرنے دے۔"

"بھائی تو سب کچھ ہی خود حاصل کر لینا چاہتا ہے؟ بولنے کو منع کر کے تو میری زبان تو نہیں پکڑ سکتا۔"

"ابے مگر ایک آدمی کو بات کر لینے دے۔"

"کر لینا کر لینا۔پہلے مجھے بولنے دے۔" لیکن پھر فوراً ہی سامنے سے مرزا افتخار بیگ آتے نظر آئے۔تو وہ دونوں عقب سے فرار ہوگئے۔اور انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو قابل ذکر ہو البتہ ان کے بھاگ جانے سے مجھے ہنسی آگئی تھی۔بہرحال مرزا افتخار بیگ میرے قریب پہنچے اور کہنے لگے۔

"حضور اصل میں ہمارا ماحول بڑا دقیانوسی ہے۔آپ یہ سمجھ لیجئے کہ بس پرانے وقتوں کی یادگار ہیں کچھ لوگ ان کا خیال کرنا پڑتا ہے۔چنانچہ بہت سے معاملات پر توجہ دینی پڑتی ہے۔میں کوشش کروں گا۔کہ آج شام ہالہ کو آپ کے پاس پہنچادوں۔تاکہ آپ اس کا جائزہ لے لیں۔"

"گھر کے لوگ کیا اس سلسلے میں مزاحمت کرتے ہیں؟"

"نہیں ویسے تو وہ میری اولاد ہے۔میں اس کے علاج کے لیے جو دل چاہے کروں۔لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو اماں بی سے ملایا۔اب آپ بتایئے۔انہوں نے کوئی عقل کی بات کہی تھی۔لیکن بس بزرگوں کا خیال کرنا پڑتا ہے۔"

"ہونہہ ٹھیک ہے آپ جیسا مناسب سمجھیں۔" میں نے جواب دیا۔شام ہونے میں ابھی پورا دن پڑا ہوا تھا۔لیکن موسم ذرا بہتر تھا۔آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔اس کی وجہ سے ہوا میں ٹھنڈک سی بھی پیدا ہوگئی تھی۔اور موسم میں ایک جولانی بھی تھی۔میں شام کو چھ بجے کے قریب مہمان خانے سے نکلا اور حویلی کی باغ و بہار دیکھتا ہوا درختوں کی آڑ میں نکل آیا۔مجھے ایک برگد کا قدیم درخت نظر آیا۔جو یقینی طور پر سینکڑوں سال پرانا ہوگا۔اس کی بے شمار داڑھیاں زمین کی گہرائیوں میں اتر گئی تھیں اور خاصا دور تک یہ درخت پھیلا ہوا تھا۔اس کی چھاؤں بڑی تیز تھی۔میں نے درخت کے پاس پہنچ کر اس کی داڑھیوں کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔کہ عقب سے مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔پلٹ کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔شکلیں تو واجبی ہی سی تھیں۔لیکن بدن کے اٹھان

قیامت ڈھا رہے تھے۔لباس سے ملازمائیں ہی لگتی تھیں لیکن جوانی کسی کی ملازم نہیں ہوتی۔ دونوں اٹھلاتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئیں۔ میں حیرت سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''دیکھ لے یہی ہیں۔''

''میں کیوں دیکھوں؟ خود دیکھ نا۔''

''میں نے دیکھا تھا اسی لیے تجھے دکھا رہی ہوں۔''

''مگر بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''کیا بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''بالی سی عمریا ہے اور بنے ہیں مولوی صاحب۔''

''کیا بات ہے لڑکیو؟''

''لو سن لو۔ چلو لڑکیو! بتاؤ کیا بات ہے۔ دوسری نے شوخی سے کہا۔ پھر ایک دوسرے کو دھکے دینے لگیں۔ میں سمجھ گیا تھا کہ جوانی کی عمر ہے شرارتیں کوٹ کوٹ کر وجود میں بھری ہوئی ہیں۔ اور بس وہ اٹھکھیلیاں کرتی رہیں۔ لیکن پھر سامنے سے ایک ملازم نظر آیا۔ اور اس نے ان دونوں کو دیکھا۔ دونوں برق رفتاری سے آگے بڑھ گئیں تھیں۔ ملازم قریب آیا اور بولا۔

''سرکار بڑے بڑے لوگ تو آپ سے فیض حاصل کر لیتے ہیں ہم غریبوں کا بھی کچھ کام ہو جائے تو مہربانی ہوگی۔''

''کیا بات ہے۔ کیا پریشانی ہے تمہیں؟''

''سرکار بس سٹے کا ایک نمبر بتا دیں۔ کام بن جائے گا۔''

''مگر میں سٹے کا نمبر نہیں بتاتا۔''

''حضور اگر ایسا ہو جائے تو بات ہی کیا ہو۔ ہمارے لیے کچھ کر دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔'' میں نے اسے چونک کر دیکھا۔ لیکن پھر اچانک ہی وہ ایک جانب بڑھ گیا تھا۔ پہلے تو بات سمجھ میں نہیں

آئی۔ لیکن بعد میں پتا چل گیا کہ اس کے بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟ افتخار بیگ صاحب سامنے سے گزر رہے تھے۔ ملازم تو بھاگ گیا۔ لیکن افتخار بیگ صاحب نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ میری جانب نہیں آئے تھے۔ بہت دیر تک میں خاموش کھڑا رہا ادھر ادھر دیکھتا رہا اس کے بعد میں وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ پھر وقت مقررہ پر مرزا افتخار بیگ ہالہ کو لے کر میرے پاس آ گئے۔ سفید لباس میں ملبوس سپاٹ چہرے والی یہ لڑکی پرکشش شخصیت کی مالک تھی۔ اس وقت تو میں نے جس عالم میں دیکھا تھا۔ وہ بالکل مختلف تھا۔ لیکن اس وقت جب میں اسے دیکھ رہا تھا تو میرے دل کو نہ جانے کیسے کیسے احساسات ہو رہے تھے۔ وہ مغلیہ نقوش رکھتی تھی اور اس کے انداز میں ایک بردباری تھی۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اور پھر میں نے مرزا افتخار بیگ کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ مرزا افتخار بیگ باہر نکل گئے۔ میں نے ہر چندی کی ہدایت کے مطابق آج صرف ہالہ سے ملاقات رکھی تھی۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ تو میں نے اس سے کہا۔

''ہالہ بیٹھ جاؤ۔'' لیکن اس نے میری بات پر کوئی جنبش نہیں کی۔ بس اس طرح نگاہیں جھکائے خاموش کھڑی رہی۔

''سنو اگر تمہارے دل میں کوئی ایسا احساس ہے۔ جو تم کسی سے بیان نہیں کر سکتی تو میں تمہارے ہمدرد کی حیثیت سے تم سے یہ بات پوچھ رہا ہوں مجھے بتا دو۔ ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کروں۔ ہو سکتا ہے تمہارے والد مرزا افتخار بیگ صاحب میرے کہنے سے تمہاری کسی خواہش کو پورا کر دیں۔ اگر تم نے ایسی کسی خواہش کے تحت یہ رویہ اختیار کیا ہے۔ تو تم خود سوچ سکتی ہو ہالہ۔ کہ اس سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بولو کیا تم ایک اجنبی شخص کو اپنا ہمدرد سمجھ سکتی ہو؟'' مجھے یوں محسوس ہوا کہ پتھر کا ایک مجسمہ میرے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر میرے الفاظ کا تاثر بھی نہیں ابھرا تھا۔ بس پتھرائی ہوئی سی کھڑی تھی۔ ذہن میں شیطانیت جنم لینے لگیں۔ لیکن ہوش و حواس قائم رہے تھے۔ میں نے اداکاری شروع کر دی۔ یونہی ہونٹوں کو جنبش دی۔ مٹھیوں پر پھونکا اور اس کے بعد مٹھیاں اس کے سامنے کھول دیں۔ اس نے اب بھی کوئی جنبش نہیں کی تھی۔ چند لمحات

میں ڈراما کرتا رہا۔صرف اس خیال کے تحت کہ کہیں مرزا افتخار بیگ مجھے دیکھنے کی کوشش نہ کر رہا ہو۔بہر حال ایک جوان بیٹی کا باپ تھا۔جوان بیٹی کو اس نے میرے پاس بھیج دیا تھا۔چنانچہ اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا وہ خاص طور پر اس لیے کہ میں بھی ایک جوان آدمی تھا۔میں نے اس کے گرد تین ہاف دائرے کے چکر لگائے اور پھر دروازے کی جانب چل پڑا۔بس اتنا کافی تھا۔

مجھے ایک دم محسوس ہوا جیسے کوئی فاصلے پر چلا گیا ہو۔میں نے اس شخص کا لباس دیکھا تھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔میرا اندازہ ٹھیک تھا۔وہ مرزا افتخار بیگ ہی تھا۔غرض یہ کہ ساری صورت حال اب میری مٹھی میں آتی جا رہی تھی۔میں واپسی کے لیے پلٹا ہی تھا کہ مرزا افتخار بیگ مجھے سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔میں نے اسے اشارے سے بلایا اور وہ میرے پاس پہنچ گیا۔

''جی بابا صاحب۔''

''آپ انہیں لے جائیے۔میرا خیال ہے میں صورت حال کو تھوڑا تھوڑا سمجھ رہا ہوں۔''

''کیا بات ہے۔کیا اندازہ لگایا آپ نے؟''

''ایسے معاملات میں وقت سے پہلے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''ہوں ٹھیک ہے۔اگر یہ بات ہے تو آپ جیسا حکم دیں۔''

''بس انہیں لے جائیے لیکن انہیں مسلسل سات بار آپ کو میرے پاس لانا ہے۔ایک دن درمیان کر دیں گے یا اگر کبھی کسی وقت کچھ اور زیادہ وقت بھی لگ جاتا ہے۔تو اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''جیسا آپ کا حکم۔''اور اس کے بعد وہ چلی گئی میں اسے دیکھتا رہا تھا۔دلکش شخصیت کی مالک تھی اور میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا شیطانی خیالات آتے رہے تھے۔پھر وقت گزر گیا۔

ہر چندی سے ملاقات اتنی آسان بھی نہیں تھی۔میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں دن بھی وہ میرے پاس پہنچتی رہی۔اور میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اب مرزا افتخار بیگ کو مجھ پر اطمینان ہو گیا ہے۔وہ اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔لڑکی کے انداز میں

بھی میں نے کوئی تعرض نہیں پایا تھا۔ہر چندی سے اس باغ میں ملاقات ہوئی اور اس نے کہا۔

''سب کچھ مجھے پتہ ہے اس چیز کی پروا مت کرنا کہ میں کہاں ہوں۔تو اپنے کام میں بالکل ٹھیک ٹھاک جا رہا ہے اور اب زیادہ وقت نہیں گزرنا چاہئیے۔''

''ایک بات بتاؤ ہر چندی۔''

''ہاں بولو۔''

''مرزا شمشاد بیگ سے میری ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔''

''ہوگی ہوگی۔اس بڈھے سے ملاقات بھی ہوگی تمہاری۔وقت آنے دو جب وہ بلبلاتا ہوا ہمارے پاس آئے گا اور یہ دیکھے گا کہ اس کی عزت و آبرو کا جنازہ نکل گیا ہے۔تب ہم ذرا اس سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ارے ان سسروں نے ہمارا ملیامیٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ایسا برباد کیا تھا انہوں نے ہمیں۔تم سوچو گے تو تمہیں دکھ ہوگا اور اب انہیں برباد کر رہے ہیں۔ذرا مولوی منور کا حلیہ دیکھو جا کر۔''اور اس سے پہلے ہر چندی ایسے خاموش ہو گیا جیسے جس واقعہ کو وہ تصور کر رہا ہو اس سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔چھٹے دن جب وہ آئی میں نے مرزا افتخار بیگ سے کہا۔

''کل کا دن مرزا صاحب آخری دن ہے۔اب یہ دو دن مجھے زیادہ وقت صرف کرنا ہوگا۔کل یہ اپنی زبان سے بتائیں گی کہ انہیں کیا مشکل درپیش تھی۔''

''آہ بابا صاحب اگر ایسا ہو جائے تو میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں آپ کو کچھ دوں گا بس آپ کے مرتبے کی بلندی کی دعائیں کروں گا میں۔اتنی دعائیں دوں گا آپ کو کہ۔۔۔۔۔کہ سمیٹی نہ جائیں گی آپ سے۔''بہر حال میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ کل کا دن آنا ہی نہیں چاہئیے۔ہر چندی سے بھی یہی بات طے ہوئی تھی۔لڑکی آج بھی سفید رنگ کے خوب صورت لباس میں تھی۔اس کے بے پناہ لمبے بال زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔بیٹھتی تو یقینی طور پر بالوں کا ایک بڑا گچھا ہاتھ آ جاتا۔بہر حال وہ آج بھی پتھرائی ہوئی کھڑی تھی۔میں نے دروازے کی جانب دیکھا۔ایک نگاہ اسے دیکھنے کے بعد لڑکی کی جانب متوجہ ہوا۔پھر اچانک دروازے کی طرف

چھلانگ لگادی۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو پورا علاقہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اب مرزا افتخار بیگ ہماری نگرانی نہیں کرتے۔ میں بس یہی چاہتا تھا۔ دروازہ اندر سے بند کر کے واپس پلٹا میرے ذہن میں شیطان کلبلا رہا تھا اور میری آنکھیں ہوس ناک انداز میں لڑکی کے وجود کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ اب بھی خاموش کھڑی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھنے چاہے۔ لیکن اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے عقب سے میرے بال پکڑ لیے ہوں۔ پھر مجھے اتنی زور کا جھٹکا دیا گیا کہ میں دھڑ زمین پر گر پڑا۔ اور پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا بدن ناچنے لگا ہو۔ اتنی زور کا چکر آیا تھا مجھے کہ لگ رہا تھا جیسے میں پھرکنی کی طرح گھوم رہا ہوں۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ مجھے بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے زمین سے بلند کر لیا گیا ہو۔ یہ بلندی نہ جانے کتنی تھی مجھے اپنے آپ کو خلا میں محسوس کرتے ہوئے کئی منٹ گزر گئے۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے ہواؤں نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور کسی جانب پرواز کر رہی ہوں۔ سنبھلنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ یہ کیفیت چند لمحے رہی اور اس کے بعد میں بلندی سے نیچے گر پڑا۔ گھٹنے میں چوٹ لگی تھی، باریک باریک پتھروں کے ٹکڑے ہتھیلیوں میں چبھ گئے تھے، قرب و جوار میں گرد پھیلی ہوئی تھی، آنکھوں میں کڑواہٹ محسوس ہو رہی تھی کئی فٹ بلندی سے گرا تھا اور اس کے اثرات مجھ پر تھے، آنکھیں کھولیں تو مٹی آنکھوں میں چبھنے لگی، بمشکل تمام قمیض کے دامن سے آنکھیں صاف کیں اور قرب و جوار میں دیکھا لیکن ادھر ادھر دیکھنے سے دماغ کو خوف ناک جھٹکا لگا تھا میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں تاریک کر دیں، جو منظر نگاہوں کے سامنے آیا تھا اس پر یقین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چند لمحات تک جھنجھنائے ہوئے دماغ کو قابو میں کرنے کی کوششیں کرتا رہا پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اردگرد کا ماحول دیکھا، یہ تو ماحول ہی بدلا ہوا تھا، ٹوٹی پھوٹی اور بدنما اینٹوں سے بنی ہوئی ایک انتہائی بوسیدہ اور وسیع عمارت، ٹوٹی پھوٹی دیواریں۔ بڑے بڑے جھروکے، عجیب سے فصیل نما ستون اور جگہ جگہ اینٹوں کے ہیبت ناک ڈھیر۔ کہیں ٹوٹے ہوئے دروازے تو کہیں محرابیں،

کہیں چبوترے جو صاف ستھرے اور کشادہ، اور کہیں صحن نما جگہ۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ یہ کیا ہے، یہ کیسے ہو گیا، کہاں آ گیا میں۔ بڑے خوف ناک تصورات ذہن میں ابھر رہے تھے، یہ ٹوٹی پھوٹی عمارت کہاں ہے کچھ اندازہ تو ہو، آس پاس کی ٹوٹی دیواریں، جھاڑیاں اور ویران مناظر کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں تھا کچھ لمحے اپنی جگہ متعجب کھڑا رہا اور اس کے بعد اینٹوں سے بنے ہوئے ایک چبوترے کی جانب چل پڑا جس کی سیڑھیاں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں، ہو سکتا ہے بلندی پر کھڑے ہو کر صورت حال کا کچھ اندازہ ہو سکے، چبوترے پر پہنچا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، دور دور تک ویران میدان بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے جن میں جگہ جگہ سنسان چھوٹے چھوٹے درخت بکھرے ہوئے تھے، پتھریلے چبوترے کے ایک گوشے میں ایک کنواں نظر آیا، جس کے کنارے اینٹوں سے بنے ہوئے تھے، وہاں پانی کا ایک ڈول رکھا ہوا تھا اور رسی کا بہت بڑا لچھا نظر آ رہا تھا، جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کنواں بہت گہرا ہے لیکن جگہ کون سی ہے، ابھی کنویں کی جانب متوجہ ہی تھا کہ دفعتاً قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور سمت کا اندازہ کر کے دہشت زدہ سا اس طرف مڑ گیا، ایک بڑا سا در بنا ہوا تھا جس کے دوسری جانب کا ماحول نیم باریک تھا، سفید لباس میں آنے والے کسی در سے برآمد ہوئے تھے، سات آٹھ افراد تھے ان کے ٹخنوں سے لے کر شانوں تک کے سفید لباس۔ سینوں تک بکھری ہوئی داڑھیاں، پتا نہیں کون تھے یہ لوگ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے سامنے پہنچ گئے، ان میں سے ایک نے کہا۔

''اندر لے چلو اسے۔'' اور اس کے بعد دوسرے نے قریب پہنچ کر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے بڑھانے لگا میں نے کوشش کی کہ میں ان سے اس صورت حال کے بارے میں معلوم کروں، لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ میں نے ذرا چلنے میں حیل وحجت کی تو اس نے میری کمر پر ہاتھ رکھ کر مجھے زور سے جھٹکا دیا، قدم زمین سے اکھڑ گئے تھے کئی فٹ اونچا اچھلا تھا اور اس کے بعد زمین پر گر پڑا تھا۔ گھٹنے اور کہنیوں میں چوٹیں لگی تھیں اور ایک لمحے کے اندر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت جہاں بھی ہوں لوگ بڑے خطرناک ہیں، جس جگہ گرا تھا وہاں سے ان لوگوں نے

مجھے اٹھایا اور اس کے بعد دھکیلتے ہوئے اس بڑے سے در سے اندر داخل ہوگئے' یہاں چھت تھی اور یہ جگہ خاصی وسیع تھی' اس کی دوسری جانب ایک دروازہ نظر آرہا تھا جس سے روشنی چھن رہی تھی' یہ روشنی قدرتی تھی اس کا مطلب ہے کہ دوسری طرف بھی کھلی جگہ موجود ہے' وہ لوگ مجھے اس دروازے کی سمت لے چلے پھر میں اس دروازے سے بھی دوسری طرف نکل گیا تب میں نے اس کھنڈر کا وہ صحیح اور سالم حصہ دیکھا جو خوب صورتی سے بنا ہوا تھا' غالباً عمارت کا بیرونی حصہ ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہوگیا تھا لیکن اندرونی حصہ بالکل درست تھا اور یہاں بڑے بڑے دروازے نظر آرہے تھے کچی زمین تھی اور اس پر گھاس اگی ہوئی تھی' اسی گھاس سے گزر کر مجھے ایک بڑے دروازے تک لایا گیا اور یہاں دونوں آدمی رک گئے' البتہ ان میں سے ایک مجھے لیے ہوئے اسی طرح دروازے سے اندر داخل ہوگیا جہاں وہ پہنچا وہاں ایک وسیع وعریض کمرا تھا اور اس میں بڑی سی دری بچھی ہوئی تھی سامنے ہی گاؤ تکیہ لگائے ہوئے ایک عمر رسیدہ شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے شانوں پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی لباس ڈھیلا ڈھالا اور سفید تھا' لباس کے رنگ سے ہم آہنگ داڑھی سینے تک پھیلی ہوئی تھی' سرخ وسفید چہرے کے ساتھ بڑی پررعب شخصیت کا مالک نظر آتا تھا' اس کے دونوں سمت نیم دائرے کی شکل میں دس بارہ افراد بیٹھے ہوئے تھے' کچھ لوگ کچھ فاصلے پر ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے' مجھے لانے والے نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور اس شخص نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا پھر انگلی سے ایک سمت اشارہ کر دیا اور مجھے ایک الگ تھلگ گوشے میں بٹھا دیا گیا' اس وسیع وعریض کمرے میں اور بھی دروازے تھے' ایک دروازے سے چند افراد اندر داخل ہوئے اور تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئے' تب ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہ بدبخت خانون کی محبوبہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔''

''خانون کی محبوبہ؟''

''جی عالم علی صاحب۔۔۔ خانون کی محبوبہ' جس کا تذکرہ آپ تک پہنچا دیا گیا ہے۔۔۔ مرزا شمشاد بیگ کی پوتی ہے وہ۔''

''اوہو! ہمارے دوست کی پوتی۔''

''ہاں۔۔۔ اور مرزا شمشاد بیگ کو یہ بات معلوم ہے کہ خانون ہالہ سے محبت کرتا ہے' اگر ہالہ کے گرد ہماری نگاہیں نہ ہوتیں تو یہ کمینہ شخص اس بچی کو داغ دار کر دیتا۔''

''اے نابکار۔۔۔ ناپاک انسان' تیرے ذہن میں غلاظتوں کا یہ بسیرا کیسے ہوا؟''

''اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے عالم علی۔''

''کیا؟'' بزرگ نے جسے عالم علی کے نام سے مخاطب کیا جارہا تھا اس شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ بدنصیب برائیوں میں ڈوبا ہوا ہے' بچپن ہی سے یہ غلط کاریوں کا شکار رہا ہے اور زندگی اس پر کشادہ ہوگئی ہے' لیکن شیطان کا ساتھی ہے یہ اور شیطان نے اسے اپنی گرفت میں جکڑا ہوا ہے' شیطان کا ایک چیلا جس کا نام ہرچندی ہے اور جو کالے علوم کا ماہر ہے اور اپنے علوم میں مزید برائی چاہتا ہے اس کا سرپرست بن گیا ہے اور یہ اس کی سرپرستی میں گناہوں کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھائے پھر رہا ہے۔ اس بدنصیب کا سلسلہ شمشاد بیگ سے بھی ہے اور وہ شمشاد بیگ کو یہ زخم پہنچانا چاہتا ہے' آپ بتایئے اب اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟''

''شمشاد بیگ کو مکمل اطلاع فراہم کردو' ہم اس کے مجرم کو اس کے سامنے ہی بھیجتے ہیں' وہ خود فیصلہ کرے گا۔''

''جو حکم عالم علی۔''

اس کے بعد فضا میں ایک دم اندھیرا چھا گیا یوں لگا جیسے سورج بجھ گیا ہو' تیز ہواؤں کے جھکڑ نے مجھے پھر سر کے بل لاپٹخا تھا اور ہوش وحواس سنبھال کر میں نے جو منظر دیکھا وہ میرے لیے بڑا بھیانک تھا' اس وقت اس مہمان خانے کے بڑے کمرے میں وہ لوگ موجود تھے' ایک بزرگ شخصیت جس کے نقوش کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی تھی کہ وہی مرزا شمشاد بیگ ہیں' خواتین کے درمیان میں ہالہ جو بالکل ہوش وحواس میں تھی۔ مرزا شمشاد بیگ نے کڑی نگاہوں سے مجھے دیکھا افتخار بیگ سامنے کھڑا ہوا تھا' مرزا شمشاد بیگ کہنے لگا۔

''وہ بدنصیب کہتا کہاں ہے جو انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا اور تو جو کوئی بھی ہے واجب ہے کہ تجھے سنگسار کر دیا جائے' بے غیرت' بے حیا' بے شرم' تو مسلمان کا بیٹا ہے کبھی تیرے دل میں مذہب کا تصور نہیں جاگا' شیطان سے اتنا قریب ہو گیا ہے تو کہ اپنے دین کو بھی بھول گیا' تو جانتا ہے کہ وہ جو تیرا اتالیق ہے ہندو ہے' بلکہ ہندو بھی نہیں' کالے علوم کا پجاری تو لامذہب ہوتا ہے اور تو اس لامذہب کے کہنے پر عصمت مآب بیٹیوں کی عزت لوٹتا پھر رہا ہے' ارے کمینے' نابکار' ناہنجار یہ غلاظت تو' تو کہیں سے بھی اٹھا کر اپنے سر پر ڈال سکتا ہے' کبھی یہ نہ سوچا تو نے کہ بہو' بیٹیوں کی عزت کیا چیز ہوتی ہے' جن جن لوگوں کو تو نے نقصان پہنچایا' کیا وہ تجھے دعائیں دیں گے' لعنت کے مارے یہاں تو تجھے ناکام کر دیا گیا اور میرے معبود نے میری لاج رکھ لی۔ لیکن وہ جنہیں تو برباد کر آیا ہے کیسے جی رہے ہوں گے' زندگی تنگ کر دی تو نے ان پر خدا تجھے تیرے ان گناہوں کی سزا دے۔'' میں کچھ نہ بول سکا' مرزا افتخار بیگ نے کہا۔

''ابو آپ کیا کہہ رہے ہیں' یہ تو؟''

''اس نے جو حرکت کی ہے۔''

''نہیں' بچانے والے' ہمیں بچا گئے' آہ افتخار بیگ۔ بہت سارے علاج کراتا رہا ہے تو اپنی بیٹی کے گھر کے بزرگوں کو نظر انداز کر دیا ہے تو نے' ماضی کو بھول گیا ہے آ جا میرے ساتھ آ جا' اسے بھی لے آ' فیصلہ کریں گے' جب ہمیں معبود حقیقی نے سرخروئی بخشی ہے تو پھر آ جا' میں خود بھی تیرے ساتھ رحم کرنا چاہتا ہوں' میری اولاد ہے تو چلو تم لوگ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دو اور اسے لا کر میرے حجرے میں ڈال دو۔'' پھر میرے ساتھ یہی عمل کیا گیا' مجھے مرزا شمشاد بیگ کے حجرے میں پہنچا دیا گیا' مرزا افتخار بیگ بھی میرے ساتھ تھا مجھے کچے فرش پر ڈالا گیا تھا اور میرا منہ زمین چاٹ رہا تھا' بہ مشکل تمام میں نے اپنے آپ کو سیدھا کیا' مرزا شمشاد نے افتخار بیگ سے کہا۔

''ماضی میں گھر کی بزرگ عورتیں ایسے علاج کیا کرتی تھیں جن سے بچے بہ آسانی پل جاتے تھے اور انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی' حال کے لوگوں نے ماضی کے ان افراد کو فراموش کر دیا تو ہالہ کے علاج کے لیے دنیا بھر میں بھاگا بھاگا پھر رہا ہے مجھ سے کبھی بات کی تو نے؟''

''ابو جی' سارے مشورے تو میں آپ ہی سے کرتا رہتا ہوں۔''

''دیکھ افتخار جھوٹ بدترین گناہ ہے ہالہ کے سلسلے میں تو نے مجھ سے اپنی تشویش کا اظہار تو کیا کبھی یہ نہیں کہا کہ ابو جی آپ یہ بتائیے کہ میں اس کے لیے کیا کروں؟''

''ہوں' مجھے ہالہ کا مرض بھی معلوم ہے اور اس کا علاج بھی لیکن شاید تم مجھ سے تعاون نہ کرو۔''

''نہیں ابو کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ میں اپنی بیٹی کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔''

''تو سن ایک عجیب سی بات سن' پرانی بات ہے سیر و سیاحت کے لیے گئے تھے یہ لوگ' یہاں سے بہت فاصلے پر ایک قدیم علاقہ ہے ماضی قدیم میں وہاں ایک شہر آباد تھا طوفانوں نے تباہی مچائی' سمندر اس شہر پر چڑھ دوڑا' شہر تباہ و برباد ہو گیا' کھنڈرات باقی رہ گئے پھر جب انسانوں کا وہاں نام و نشان نہ رہا تو آتشی مخلوق نے وہ شہر آباد کر لیا اور کھنڈرات ان کے پسندیدہ علاقے ہوتے ہیں تو یہی ہوا وہاں ایک آبادی ہو گئی اور آبادی کے ان افراد سے میرا تعلق ہو گیا یوں سمجھ لے ان لوگوں سے میری دوستی ہو گئی اور میرے اور ان کے درمیان بڑی راہ و رسم جاری ہو گئی' گویا وہاں میرا ایک دوست ہے جس کا نام بتانے کی مجھے اجازت نہیں ہے' میرے اس سے رابطے رہے ہیں۔ تو میں یہ بتا رہا تھا کہ یہ لوگ وہاں سیر و سیاحت کو گئے تھے کہ خانون نامی ایک نوجوان نے ہالہ کو دیکھا اس سے متاثر ہو گیا اور اس کے بعد سے اب تک وہ دیوانگی کا شکار ہے شریف نفس ہے کہ ہالہ کو تنگ نہیں کیا' لیکن اس نے اسے اپنے لیے مخصوص کر لیا اور ہالہ کی جو کیفیت ہے وہ اسی وجہ سے ہے میں تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں افتخار بیگ یہ نہ سمجھنا کہ یہ میرا حکم ہے اگر تم اجازت دو کہ میں اپنے دوست سے اس کا اظہار کر دوں کہ ہم ہالہ کو خانون کے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہیں' کوئی دقت نہ ہو گی تمہیں' فرق صرف اتنا ہو گا کہ انسانوں کے بجائے۔۔۔''

مرزا شمشاد بیگ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

کھنڈرات میں' میں نے جو باتیں سنی تھیں یہاں اس کی تصدیق ہو رہی تھی لیکن میں تو اپنی ہی

آگ میں جھلس رہا تھا مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے میرے اردگرد جہنم کے شعلے رقصاں ہوں آگ لگی ہوئی ہو میرے وجود میں' میں جھلس رہا ہوں' جل رہا ہوں' مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے بچپن سے لے کر آج تک کیا کیا ہے انسانوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ اور کیا کیا تھا میں نے' کچھ بھی نہیں کیا تھا' سب کو دکھ دیا آج ان دکھوں کا شدید احساس ہو رہا تھا۔

''لیکن ابو۔۔۔۔کیا یہ مناسب رہے گا؟''

''دونوں صورتیں تمہارے سامنے ہیں' ہالہ کی جو کیفیت ہے وہ تم جانتے ہو اور کوئی بھی ایسا عمل نہیں ہو سکتا' جس سے تم ہالہ کو ٹھیک کر سکو' اس کوشش میں بہت سے دھوکے بھی کھا سکتے ہو تم' میں نہ کسی کی وکالت کر رہا ہوں' نہ تمہیں دھمکی دے رہا ہوں وہ میری بچی ہے' میرا خون ہے' اور ہر حالت میں مجھے اس کی صحت اور زندگی درکار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اپنے حق کو بھی محدود سمجھتا ہوں' جاؤ فیصلہ کر لینا' جاؤ' اب اس کے اور میرے درمیان تنہائی ہونے دو' اس کا کیس مجھے دیکھنا ہے۔'' میرزا شمشاد بیگ نے کہا۔

افتخار بیگ چند لمحات سوچتا رہا اور پھر وہاں سے باہر نکل گیا' تب مرزا شمشاد بیگ کی آنکھیں میری جانب اٹھیں اور میں بے بسی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

شمشاد بیگ پرخیال انداز میں کچھ دیر تک میری طرق دیکھتا رہا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری آنکھیں شمشاد بیگ کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ میں کوشش کے باوجود اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ شمشاد بیگ نے کہا۔

'' کیسے ہوتے ہو تم لوگ جوانی تو سب پر آتی ہے۔ اگر دنیا گناہوں کی طرف مائل ہو جائے تو ہر جوان آدمی برائیوں میں ڈوب جائے اور پھر جانتے ہو یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جائے گی ارے پاگل نفس کشی اپنے نفس کو مارنا ہی تو انسانیت کی دلیل ہے۔ کیا کیا تو نے ذرا اپنے ماضی پر غور کر' کیا کیا ہے تو نے اچانک ہی مجھے اپنے اندر سے ایک طوفان سا ابلتا ہوا محسوس ہوا۔ میں بالکل بے بس ہو گیا تھا ایک ایسے درندے کی مانند جس کے اردگرد پنجرے کی سلاخیں ہوں اور وہ سلاخیں اس کی قوت سے زیادہ مضبوط ہوں وہ انہیں توڑ نہ سکتا ہو اور اس کے اندر جھلاہٹیں پیدا ہو جائیں۔ میں نے گہری نگاہوں سے شمشاد بیگ کو دیکھا۔ اور کہا۔

دیکھو صورت حال تقریباً تمہارے علم میں آ چکی ہے اور میں نے تمہیں تفصیلات بتا دی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ قصور کس کا ہے لیکن سچ کہوں مکمل قصور اپنا بھی نہیں مانتا تم خود سوچو انسان ایک معصوم شکل میں اس دنیا میں آتا ہے بے بس اور دوسروں کا محتاج اس کے راستے تو دوسرے ہی لوگ بناتے ہیں انہیں ماں باپ کا نام دے لو سرپرستوں کا نام دے لو کوئی بھی نام دے لو میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں معزز بزرگ! وہ اپنی شخصیت کی تشکیل خود تو نہیں کرتے کوئی انہیں ایسا بناتا ہے جیسا وہ ہوتے ہیں میں نہیں جانتا کہ میری تربیت میں کس نے کمی چھوڑی ہے۔ میں

بالکل نہیں جانتا کہ میرے ماں باپ نے ایسا کون سا سلوک میرے ساتھ کیا ہے جس کی بنا پر میری فطرت میں یہ وحشت پیدا ہوئی ہاں اگر تم اس کے بارے میں مکمل دلائل دے کر مجھے قائل کر سکتے ہو تو میں قائل ہو جاؤں گا دیکھو کچھ لمحوں کے لیے میں نے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ معزز بزرگ اگر چاہو تو باہر سے لوگوں کو بلاؤ ان سے کہو کہ مجھے مار مار کر ہلاک کر دیں۔ چاہو تو خود پستول نکال کر میرے بدن میں جتنی گولیاں اتار سکتے ہو اتار دو چاہو تو انصاف کی بات کرو بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے جو کچھ میں کر چکا ہوں اسے کیسے ختم کر سکتا ہوں میں ایک بھٹکا ہوا نوجوان تھا شاید والدین کی بے توجہی کا شکار مجھ پر زیادہ توجہ دی نہیں گئی وہ دولت مند تھے اپنی دولت کو سوگنا بڑھانے کے لیے انہوں نے اپنی مصروفیات تلاش کر لی تھیں اور میں تنہا بھٹک رہا تھا اور تنہا بھٹکنے والے کو اچھے برے ہر طرح کے لوگ مل جاتے ہیں مجھے بھی کوئی ملا تھا اور میرے راستے بدل گئے تھے میں ان بدلے ہوئے راستوں پر دوڑتا چلا گیا اور اس کے بعد مجھے ہر چندی مل گیا کوئی بھی ہوتا میری رہبری کرتا میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑتا کیونکہ خود مجھے سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا سمجھ رہے ہونا' اگر تم یہ سمجھتے ہو معزز بزرگ کہ میں تم سے اپنے لیے رحم کی بھیک مانگ رہا ہوں تو صرف چند لمحوں کے لیے یہ خیال اپنے دل سے نکال دو مجھے تمہارا رحم نہیں نفرت چاہیے ان چند لمحوں میں میرے لیے انسان جاگ اٹھا ہے اگر تم اس انسان کو مطمئن کر دیتے ہو تو شاید میری یہ انسانیت دیرپا ثابت ہو جائے مطمئن نہ کر سکے تو میں نہیں کہتا کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔ تمہارے سامنے یہ تمام راستے ہیں میں تمہیں اب بھی بتا رہا ہوں کہ میری ہلاکت بہت سوں کے لیے فائدہ مند ہو گی تم بہت بڑے لوگ ہو خاموشی سے مجھے قتل کر کے اپنی کوٹھی کے کسی گوشے میں دفنا دو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی کہ تم نے کیا کر لیا ہے کوئی تم سے نہیں پوچھے گا اور میرا تو کوئی پرسان حال نہیں ہے اگر یہ نہیں کرنا چاہتے تو مجھے وہ راستہ بتاؤ جس سے میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکوں اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر ذہن میں رکھو کہ بچ گیا اور تم نے مجھے چھوڑ دیا تو وہی سب کچھ کروں گا جو کرتا رہا ہوں۔'' میں مرزا شمشاد بیگ کا چہرہ دیکھ رہا تھا اس چہرے پر حیرت کے نقوش تھے۔ بوڑھا آدمی پریشان ہو گیا تھا دیر تک وہ پریشانی کے عالم میں مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''تو نے بے شک میرے گھر پر ڈاکا ڈالنے کی کوشش کی تھی اور وہ شیطان تیرے ذریعے میرے گھر میں اپنے قدم گاڑ رہا تھا جو کچھ تو کر چکا ہے نہ تو میں اس کی تفصیل پوچھوں گا اور نہ میں جاننا چاہتا ہوں کیونکہ یہ بات میرے علم میں ہے کہ ہر چندی نے تجھے نیکیوں کے راستے نہیں دکھائے ہوں گے تو اس قدر بھٹک گیا ہو گا کہ شاید شیطان میں اور تجھ میں کوئی نمایاں فرق نہ رہا ہو۔ آہ! میں خود تیرے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا مجھے کسی سے مدد لینا ہو گی یقینی طور پر مجھے کسی سے مدد لینا ہو گی۔'' مرزا شمشاد بیگ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا ایک گوشے میں پہنچا اور وہاں سے اس نے ایک موٹا کمبل اٹھایا پھر کہنے لگا۔

''تو کہتا ہے کہ تو مجھ سے تعاون کرے گا۔''

''ہاں اس وقت تک جب تک یہ انسان میرے دل میں جاگتا رہے گا اسے سونے نہ دیتا۔'' شمشاد بیگ نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی پھر وہ کمبل کھول کر میرے سر پر ڈال دیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ پوچھنا منع ہے۔'' شمشاد بیگ کی آواز ابھری کمبل سر پر پڑا تو آنکھوں میں تاریکی چھا گئی کچھ نظر نہ آیا۔ ایسا کچھ لمحوں کے لیے ہوا تھا اس کے بعد کمبل ہٹا دیا گیا اور یہ کمبل مرزا شمشاد بیگ ہی نے ہٹایا تھا میں نے تعجب سے مرزا شمشاد بیگ کو دیکھا لیکن اس کے عقب میں دیکھ کر میں چونک پڑا مرزا شمشاد بیگ کے کمرے میں عقبی حصے میں یعنی جس سمت میرے چہرے کا رخ تھا ایک کھڑکی نظر آئی تھی اس کھڑکی کے دوسری طرف ایک شاداب درخت جھولتا نظر آ رہا تھا جس میں سرخ پھول لگے ہوئے تھے لیکن اس وقت میرے سامنے ایک ایسی سنگی دیوار تھی جس کا رنگ کالا سیاہ تھا اور اطراف میں بھی اندھیرے بھٹک رہے تھے ایک عجیب سا ماحول تھا میں نے گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا تو ایک لمحے کے لیے مجھے احساس ہوا کہ اس

ماحول کو میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔اس کے بعد میں نے اس جگہ کو پہچان لیا یہ وہی جگہ تھی جہاں مجھے پہلے بھی لایا جا چکا تھا اور یہاں ایک اور شخص عالم علی سے ملاقات ہوئی تھی میں نے حیرت سے شمشاد بیگ کو دیکھا اور کہا۔

''یہ۔۔۔یہ۔۔۔''

''خاموشی اختیار کرو۔'' مرزا شمشاد بیگ نے ایک بزرگ کی مانند مجھ سے کہا اور نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ میں خاموش ہو جاؤں پھر کچھ لمحوں کے بعد ایک سیاہ سپاٹ سنگی دیوار کے حصے میں مدھم سی روشنی نظر آئی اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس روشنی کو دیکھنے لگا یوں لگا جیسے سنگی دیوار پتھروں کی نہ ہو بلکہ کاغذ کی ہو اور روشنی اس کے عقب سے پھوٹ رہی تھی پھر میری آنکھوں کے سامنے حیران کن مناظر آنے لگے دیوار کے پیچھے کچھ لوگ نمودار ہوئے ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں یہ چاروں طرف بکھر گئے اور انہوں نے اس عجیب و غریب جگہ دیواروں میں مشعلیں نصب کرنا شروع کر دیں۔وہ جگہ جو کچھ دیر پہلے تاریک تھی روشن ہوگئی۔مشعلوں کے لرزتے ہوئے شعلے اپنی پیلاہٹوں کے ساتھ اس تاریک ماحول میں ایک بھیانک منظر پیش کر رہے تھے اور اسی دیوار کے پیچھے سے وہ سفید داڑھی والا شخص نمودار ہوا جسے عالم علی کہہ کر پکارا گیا تھا اس کے ساتھ لمبے لمبے چغے پہنے ہوئے کچھ اور باریش افراد تھے جو بڑی خاموشی سے گردن جھکائے دونوں سمت منتشر ہوگئے عالم علی آگے بڑھا دو افراد نے ایک چٹائی بچھا دی اور عالم علی اس پر بیٹھ گیا تو کہا۔

''آؤ شمشاد بیگ ہمارے پاس بیٹھو۔''

''عالم علی میں بہت پریشان ہوں۔''

''اندازہ ہو رہا ہے مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟''

''جس مشکل کا شکار میں ہوگیا ہوں عالم علی! تم اس سے ناواقف نہیں ہوگے اگر ناواقف ہو تو تمہیں بتائے دے رہا ہوں یہ شخص شیطانوں کے جال میں پھنس گیا ہے اور خود اس قدر شیطانی عمل کر چکا ہے کہ اب اس کی اصلاح میرے بس کی بات نہیں رہی ہے۔بڑا عجیب حادثہ ہوا ہے اس کے ساتھ بچپن سے بے توجہی کا شکار رہا ہے اور کہتا ہے کہ اس بے توجہی نے اسے برے راستے دیے ہیں برائی کے ان راستوں پر چلنا اس کا اپنا قصور نہیں ہے الزام تو لگتا ہے یہ اور عالم علی جب ایک ملزم کو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے یہ تو وہ اپنی صفائی کے لیے کچھ نہ کچھ کہتا ہی ہے اس کا جرم عجیب ہے کیا میں تمہیں اس کے جرائم کی فہرست پیش کروں۔''

''نہیں اس کے تمام جرائم اس کے چہرے پر تحریر ہیں اور اس کا چہرہ دیکھنے سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ کس طرح گناہ کرتا رہا ہے کیا سمجھے؟ مجھے اس بارے میں کچھ نہ بتاؤ بس یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں۔''

''عالم علی دیکھو یہ ایک انسان ہے اور ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اس کے کان میں اذان دی گئی ہے یہ الگ بات ہے کہ وقت کی دھول نے اس کے وجود سے کچھ الفاظ مٹا دیے ہیں لیکن اگر گہری نگاہ سے دیکھو تو یہ الفاظ مٹے نہیں ہیں بلکہ دھندلا گئے ہیں اگر ہم ان الفاظ کو نمایاں کر دیں تو کیا یہ ایک اچھا کام نہیں ہوگا ایک انسان کی مدد ہوگی عالم علی تم جانتے ہو کہ زندگی میں جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی میں اس کا حل دریافت کرنے کے لیے سیدھا تمہارے پاس آ گیا اس وقت بھی میری آمد اسی سلسلے میں ہے مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کرو گے۔''

شمشاد بیگ خاموش ہوگیا دیر تک یہاں پر ہوں سناٹا طاری رہا تھوڑی دیر کے بعد عالم علی نے کہا۔

''گویا شمشاد بیگ تم یہ چاہتے ہو کہ یہ اپنے گناہوں کا کفارہ کر کے پاک صاف بن جائے۔''

''ہاں یہی چاہتا ہوں میں۔''

''آہ افسوس بچپن سے نوجوانی کی عمر تک اس نے جس طرح انسانوں کو زخم لگائے ہیں جس طرح اس نے اعتماد کے محل چکنا چور کیے ہیں جس طرح اس نے نیک لوگوں کو موت کی دلدل میں پہنچا دیا ہے وہ بہت ہے اگر ایک دو گناہ ہوتے یا ایک دو ایسے عمل ہوتے تو شاید اس کی عمر اس کا ساتھ

دیتی تم کیا سمجھتے ہو؟ اس عمر کا جس نے کتنے گناہ کیے ہیں کہ آنے والے کچھ لمحات ان کا کفارہ بن سکتے ہیں۔''

''عالم علی میں تم سے مشورہ بھی چاہتا ہوں اور مدد بھی ہم اپنے طور پر کوششیں تو کریں گے اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا ہوگا؟ اصل میں تمہیں ایک بات خاص طور سے بتانا چاہتا ہوں میں۔۔۔۔''

''کیا؟'' عالم علی نے پوچھا۔

''بہت پہلے کی بات ہے بابا رحمان کو تو تم جانتے ہی ہو گے۔''

''آہ اس بزرگ ہستی کو بھلا کون بھول سکتا ہے۔''

''بابا رحمان کا مقابلہ ایک کالے علم کے ماہر سے ہو گیا تھا اس کا نام ہرچندی تھا۔ بابا رحمان نے ہرچندی کے بارے میں یہ معلومات حاصل کر لی تھیں کہ وہ کالا نگر بنانا چاہتا ہے کالا نگر ایک ایسی آبادی جہاں شیطان کی حکومت ہو جہاں سے دنیا کی ہر برائی نمودار ہو کر انسانوں کے درمیان پھیل جائے جہاں انسانوں کو کالا علم سکھایا جائے گویا کالا نگر وہ کالے علم کی یونیورسٹی بنانا چاہتا تھا بابا رحمان کو اس بارے میں علم ہوا تو اس نے ہم سب کو جمع کیا جو ان کے خاص کارندے تھے اور اس کے بعد ہم سب نے مل کر ہرچندی کے خلاف کام کیا اور اسے جسمانی طور پر معذور کر دیا ہم اس کا کالا علم اس سے نہیں چھین سکے تھے لیکن وہ اپنے معذور بدن کو کبھی ٹھیک نہیں کر سکتا تھا۔ ہرچندی کو بس یہ کہہ کر چھوڑ دیا گیا کہ یہ اس کے لیے کافی ہے اور بہتر ہوگا کہ وہ ہمیں دوسرے عمل کے لیے مجبور نہ کرے کالے جادو کا ماہر اس وقت تو شکست کھا کر چلا گیا لیکن اس کے بعد اس نے اپنے گناہوں کی قوتیں بڑھائیں اس نے شیطان سے مدد طلب کی اور اپنے علم کو پہلے سے لاکھوں گناہ بڑھا کر ہم لوگوں سے انتقام لینے چل پڑا مگر اپنے جسم کی معذوری کو وہ کبھی دور نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اس نے جو منصوبہ گڑھا وہ بہت خوفناک تھا۔

''وہ کیا؟'' عالم علی نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اس نے اس بے وقوف لڑکے کو تاک لیا اور اسے اپنا آلہ کار بنا کر آگے بڑھایا یہ چونکہ پہلے ہی

سے ایک بھٹکا ہوا نوجوان تھا اس لیے اس کے جال میں آسانی سے پھنس گیا اور بدبخت ہرچندی اس کے ذریعے اپنا کام کرنے لگا اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ خود بدنظر نہ ہوتا تو شاید ہرچندی کو اپنے کام میں اتنی آسانی نہ ہوتی لیکن یہ بدبخت خود بھی بھٹکا ہوا نوجوان تھا چنانچہ ہرچندی اس کے ذریعے کامیابیاں حاصل کرتا چلا گیا یہاں تک کہ اس بے غیرت نے اسے میرے گھر میں تباہی مچانے کے لیے بھیج دیا لیکن خدا کا شکر ہے کہ میرے اور تمہارے تعلقات کام آ گئے عالم علی دیکھو میں خود بھی اسے کوئی مشورہ دے سکتا ہوں لیکن تم سے ہر معاملے میں مشورہ کرتا رہا ہوں اس وقت بھی تمہیں بہر طور ایک صحیح مشورہ دینا ہے۔''

''اس کے کیے ہوئے جرائم کی فہرست معلوم ہے تمہیں۔''

''میں وہی بتا رہا تھا جتنے گناہ اس نے کیے ہیں اتنے ہی گناہوں کا کفارہ اسے ادا کرنا ہوگا اور اس کے بعد اتنی نیکیاں کرنی ہوں گی جتنی اس پر فرض ہیں اگر یہ ان دونوں امتحانات سے گزر جاتا ہے تو اس کے لیے بہتری کا سامان پیدا ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اگر کوئی اور بات تمہارے ذہن میں ہو تو میرے لائق جو بھی خدمت ہوگی میں اسے سرانجام دوں گا۔'' عالم علی نے کہا۔

''ہونہہ۔ ٹھیک۔'' شمشاد بیگ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا کیا کہتا ہے۔''

''دیکھو جس شخص کو اپنی زندگی سے ہی کوئی دلچسپی نہ ہو جسے صرف ایک راستہ درکار ہوتا ہے وہ موت تک جاتا ہو یا زندگی کی طرف اگر اس کے دل میں برائیوں سے بچنے کا تصور پیدا ہوا ہے تو یہ تم پر فرض ہے کہ تم اسے راستہ دکھاؤ مجھ سے ایک محاسب کی طرح سوال نہ کرو میں امتحان نہیں دے رہا زندگی دے رہا ہوں تم یہ یا اور کوئی جس کا دل چاہے مجھ سے زندگی لے سکتا ہے اف کر جاؤں تو جو دل چاہے کرنا زندہ آگ میں جلا دو پانی کے سمندر میں ڈبو دو جو دل چاہے کرو اعتراض نہیں کروں گا اور کیا کہوں تجھ سے۔۔۔''

''واہ بھئی اس کے تیور تو بڑے ہی خطرناک ہیں کیا خیال ہے؟ شمشاد بیگ۔'' عالم علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں اس کی تربیت ہی ایسے ہوئی ہے۔“

”تو پھر ایسا کرتے ہیں اسے چھوڑ دیتے ہیں دیکھ لڑکے برائی برائی ہوتی ہے اور نیکی نیکی بہت برے اعمال ہیں تیرے اگر تیرا دل چاہے تو ان کا خاتمہ کر لے تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا باقی دیکھ برائیوں کا نتیجہ تو برائی ہی ہوتی ہے ہم تجھے سزا نہیں دیں گے کوئی اور دے گا وقت دے گا سزا تو بیٹا ملتی ہے بہتر ہے کہ اچھے راستے اپنا کر ایک نئی زندگی کا مزہ چکھ۔“

”یہی میں کرنا چاہتا ہوں جیسا کہ میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں بلکہ مرزا شمشاد بیگ کو بتا چکا ہوں کہ ماضی میں بھی بے توجہی کا شکار رہا ہوں۔ اپنے سامنے جو بھی راستے آئے ان پر چل پڑا یہ راستے اگر بہتری کی طرف جاتے تو شاید میرا رخ بھی اسی طرف ہوتا۔ یہ سب کچھ ہوا ہے تو یہی سہی تو مطلب سمجھ رہے ہو نہ تم لوگ میرا فیصلہ کرو میں نہیں کروں گا۔“

”بھئی مان گئے چلو ٹھیک ہے ایسا کرو شمشاد بیگ تم اسے لے جاؤ باہر چھوڑ دو یوں کریں گے کہیں کوئی مشکل مرحلہ درپیش ہوا اسے تو ذرا اس کا ساتھ دے دیں گے کسی کو بھیج دیں گے چلو یہ ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو تم کہاں بھٹکتے پھرو گے میں یہ کام کر لوں گا۔ لڑکے تجھے اتنا کرنا ہوگا کہ نیکی اور بدی کی خود تمیز کرنا جہاں بھی کسی کی بہتری کا کوئی سامان ہوا اس پر آگے بڑھنا اس سے گریز نہ کرنا ہماری قوتیں تیرا ساتھ دیں گی۔ کوئی ایسی مشکل درپیش ہوئی تجھے تو وہاں تیری مدد کی جائے گی اب ہم تیرے گناہوں کی فہرست کا تعین نہیں کرتے لیکن جس دن تیرے گناہ ختم ہو جائیں گے اور تو ان کا کفارہ ادا کر لے گا اس دن تجھے ایک شخص ملے گا جو تجھ سے دوستی کا اظہار کرے گا اس کی پہچان تجھے بعد میں بتا دی جائے گی پھر تو اور وہ مل کر ایسے مظلوم لوگوں کی مدد کرنا جو مشکل کا شکار ہوں۔ اس کے لیے تجھے سہارے بھی ملیں گے مطلب سمجھ رہا ہے نہ یہ سمجھ لے کہ تیری آگے کی زندگی کا لائحہ عمل ہے یہ اگر تو اس پر عمل کرنا چاہے کیا سمجھا؟ بول اقرار کر ایسا کرے گا۔“

”ہاں۔۔۔“

”تو پھر ٹھیک ہے شمشاد بیگ جانے دو اسے جا چل باہر نکل جا یہاں غیروں کو بہت زیادہ عرصے

تک نہیں رکھا جاتا۔ سو زبانیں ہوتی ہیں سو مشورے ہوتے ہیں شمشاد بیگ کو یاد رکھنا ہمیشہ انہوں نے اپنے دشمنوں کو معاف کیا ہے ورنہ کم نہیں ہے یہ کسی سے چل کر اپنا کام کر۔“ اس انداز میں کہا گیا تھا مجھ سے کہ میں نے فوراً ہی باہر کی جانب رخ کیا کوئی سو قدم آگے بڑھا ہوں گا پلٹ کر دیکھا تو کچھ نہیں تھا ایک ویرانہ ایک صحرا جگہ جگہ ابھری ہوئی چٹانیں جن پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہر چندی نے بہت سے ایسے مرحلوں سے گزارا تھا کہ اب ایسی چیزیں میرے لیے بھی بے اہمیت ہو گئی تھیں اور میں نے ان پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا میں چلتا رہا طبیعت میں ایک جنون بچپن سے ہی تھا اور جنون کے یہی راستے مجھے مشکلات کی طرف لے گئے تھے اب بھی بس ایسی ہی کیفیت تھی یہ احساس تو تھا کہ ماں باپ کو، بہن بھائیوں کو چھوڑ کر خوشی نصیب نہیں ہوتی جو کچھ کرتا رہا ہوں اس سے ضمیر پر دھبے پڑتے چلے گئے ہیں ان دھبوں کی کجلاہٹ کبھی کبھی آنکھوں میں ابھر آتی تھی بہت سی مظلوم چیخیں کبھی کبھی راتوں کو ڈرایا کرتی تھیں لیکن دل کی سیاہی انہیں زندہ نہ رہنے دیتی تھی۔ اب اس حادثے کے بعد ضمیر کے وہ گوشے جن پر کالے دھبے نہیں پڑے تھے تڑپ رہے تھے کچھ بہتر کرنے کے لیے جب بدن تھکن سے چور چور ہو گیا تو جو بھی جگہ نظر آئی وہاں لیٹ گیا تھکا ہوا ذہن تھکا ہوا جسم نیند کا باعث بن گیا اور اس کے بعد گہری نیند سو گیا جاگا تو بہت فاصلے پر ایک ایسی عمارت کا دروازہ نظر آیا جو بڑی وسعت میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ کوئی نظر آئے تو اس سے عمارت کے بارے میں پوچھوں بہرحال انسان کی ضرورتیں ہوتی ہیں انہیں پورا کرنے کے لیے اگر صحیح راستے اختیار کیے جائیں تو بات آگے بڑھتی ہے۔ میں چاہتا تو اس عمارت میں آسانی سے داخل ہو کر اپنی ضرورت کی چیزیں تلاش کر سکتا تھا جرم کی جس دنیا سے میرا تعلق رہا تھا اور جس طرح میں اپنی ہر ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی بھی عمل میں کمزوری نہیں محسوس کرتا تھا اسی طرح اب بھی اپنے مقاصد پورے کر سکتا تھا اب کچھ پابندیوں کے ساتھ اقدامات کرنا چاہتا تھا۔ واقعی دیکھوں تو سہی کہ نیکیوں میں انسان کو کیا ملتا ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ برائی کو برائی اور نیکی کو نیکی سمجھا

جائے تو بہر حال نیکی اور برائی کے فرق کا میزان قائم ہوتا ہے اور یہی انسانی فطرت ہے نیکیوں کا تعین نہیں کرنا پڑتا برائیوں کا اندازہ نہیں لگانا پڑتا اس کا فیصلہ ضمیر کر دیتا ہے آپ کسی ایسی شے کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہیں جو آپ کے خیال میں پھر معاشرے' سماج مذہب کے خیال میں بری ہوتی ہے تو خود بخود آپ کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں ایک جھجک سی پیدا ہوتی ہے اندر سے کوئی قوت آپ کو روکتی ہے اگر آپ اس آواز کو ٹھکرا کر اس شے کو اٹھا لیتے ہیں تو آپ اپنے ضمیر پر ایک کالا دھبہ لگا لیتے ہیں اور پھر یہ کالے دھبے بڑھتے چلے جاتے ہیں چنانچہ فیصلہ تو اندر سے ہی ہو جاتا ہے۔ واقعی جزا اور سزا تو سب بیرونی چیزیں ہیں اندر کی جزا اور اندر کی سزا بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ بہت دیر تک میں اس عمارت کا جائزہ لیتا رہا پھر میں نے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر یہ دیکھا کہ عمارت کے عقب میں کوئی باقاعدہ آبادی پھیلی ہوئی یا پھر آبادیوں سے فاصلے پر یہ عمارت آباد ہے اندازہ یہ ہوا کہ کسی سرپھرے نے آبادیوں سے دور یہ عمارت بنا ڈالی ہے مقصد کیا ہے یہ تو وہی جانتا ہوگا۔ میں آہستہ قدموں سے اس عمارت کی جانب چل پڑا بڑا سا جو بھی دروازہ اندر سے بند نہیں تھا اور جب میں نے تھوڑا سا اسے دھکیلا تو وہ کھل گیا دروازے کے دوسری جانب ایک چوڑی سی راہداری دور تک چلی گئی تھی چونکہ اس پر چھت پڑی ہوئی تھی اس لیے دوسری طرف داخل ہوتے ہی اندھیرے کا احساس ہوا تھا اور چونکہ دن کی روشنی ہر چھوٹی سے چھوٹی جگہ سے نکل کر اپنا مقام بنا لیتی ہے اس لیے اس وقت بھی اس اندھیرے کے باوجود اندر کے مناظر نظر آ رہے تھے اس راہداری کے اختتام پر بھی ایک دروازہ تھا مجھے حیرت ہوئی کیسی ہے یہ عمارت اور اس عمارت کے مالک نے اس طرح کیوں چھوڑ دیا۔ اس کے یہاں جائے وقوع کا کیا مقصد کیا ہے؟ اس کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی بہر حال میں آگے بڑھتا چلا گیا پھر جب میں نے دوسرے دروازے کو کھول کر اندر قدم رکھا تو میری بینائی نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اندر گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرف کیا ہے۔''

''کوئی ہے یہاں۔'' میں نے زور سے آواز لگائی اور میری آواز کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی

رہی۔ ایک عجیب سا وحشت انگیز ماحول تھا میں نے پھر زور سے آواز لگائی۔

''کوئی ہے اگر ہے تو مجھ سے بات کرے میں بات کرنا چاہتا ہوں یہاں کے مکینوں سے۔'' ایک بار پھر چاروں طرف کی دیواریں میرے الفاظ اگلنے لگیں اور پھر دور کافی فاصلے پر روشنی کی ایک مدھم سی کرن ابھری شاید کسی نے شمع جلائی تھی ویسے میں یہ دیکھ چکا تھا کہ عمارت کے آس پاس بجلی کے تار نہیں ہیں اندر بجلی کی روشنی تو ہو نہیں سکتی تھی اندر کسی نے یقیناً موم بتی جلائی تھی میں نے زور سے آواز دی۔

''میں ادھر ہوں میری راہنمائی کرو تم جو کوئی بھی ہو میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' یہ الفاظ ادا کر کے میں نے انتظار کیا اور روشنی کی مدھم کرن اب بھی لپک رہی تھی لیکن نہ کوئی آواز سنائی دی نہ کوئی سرسراہٹ گویا جسے میں نے پکارا تھا یہ تو وہ باہر نکل کر مجھ سے ملنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا یا پھر لیکن پھر یا پھر سے آگے کہنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا'' چنانچہ میں خود ہی ایک ایک قدم پھونک پھونک کر آگے بڑھتا رہا اور روشنی کی اس نشاندہی پر میں ایک اور دروازے تک پہنچ گیا اس دروازے کو میں نے ٹٹول کر دیکھا اور پھر زور سے دھکا دیا دروازہ کھلا تو دوسری کوئی شمع نظر نہیں آئی۔ یہ ایک گول سا صحن سا بنا ہوا تھا جس میں زیادہ تاریکی نہیں تھی یہاں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ایک طرف ایک درخت بھی تھا جس پر ایک بھی پتا نہیں تھا لیکن وہ خاصا وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسی جگہ ہے میں اب یہ محسوس کرنے لگا کہ شاید مجھے اس خاموش عمارت میں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن فطرت میں ایک جنون ایک دیوانگی شروع ہی سے بسی ہوئی تھی۔ اب یہاں آ گیا ہوں تو دیکھوں تو سہی کہ کیا صورت حال ہے کیا قصہ ہے بالکل سامنے ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا یہاں سے بھی ویسی ہی مدھم مدھم روشنی چھن رہی تھی جیسے پہلے مجھے نظر آئی ہے۔ نہ جانے کیوں اب مجھے یہاں آ کر احساس ہو رہا تھا کہ یہ عمارت طلسمی عمارت ہے اور کوئی عام عمارت نہیں ہے ماحول پر ایسا دہشت ناک سناٹا تھا کہ دل کی دھڑکنیں چیخ اٹھی تھیں میں نے آہستہ آہستہ اس صحن کو عبور کیا لمبی لمبی گھاس میں ایسی سرسراہٹیں ابھر رہی تھیں جیسے سانپ

رینگ رہے ہوں۔ سوکھے پتے جو غالباً اسی درخت سے جھڑے تھے میرے پیروں کے نیچے آ کر چرچراتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے میں نے کسی کے پاؤں پر پاؤں رکھ دیا ہو اور وہ تکلیف سے چیخ اٹھا ہو یہاں تک کہ صحن عبور کر کے میں اس دروازے تک پہنچ گیا۔ اصولی طور پر مجھے چاہیے تھا کہ میں یہاں سے بھاگ جاتا اصولوں سے نفرت تھی اصولوں نے تو مجھے اس جگہ تک پہنچا دیا تھا مجھے میں نے اس دروازے کو دبایا تو وہ اندر کو دب گیا اور میں نے آخر کار اندر قدم رکھ دیے البتہ اس بار میں ایک وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوا تھا جس میں چھت میں لگے ہوئے فانوس میں لاتعداد شمعیں روشن تھیں اور اس زرد روشنی نے اس وسیع و عریض کمرے کے ماحول کو اجاگر کر دیا تھا بہت ہی قدیم طرز کا فرنیچر یہاں پڑا ہوا تھا۔ جس کا رنگ مٹی سے اٹ کر اپنی اصل رنگت کھو بیٹھا تھا اور اسے مٹی کے رنگ کا ہی کہا جا سکتا تھا لیکن اس کی بناوٹ اور انداز سے پتا چلتا تھا کہ لاکھوں روپے کی مالیت کا فرنیچر ہے فرش پر قالین بھی بچھا ہوا تھا لیکن گرد کی ایک دبیز اور بدبودار تہہ اس کے فرش پر جمی ہوئی تھی اونچی چھت پر لٹکے ہوئے فانوس پر بھی گرد اتنی ہی موٹی تہہ جمائے ہوئے تھی ہر طرف مکڑی کے جالے لٹکے ہوئے تھے ایک طرف آتش دان میں مدھم مدھم سی زرد روشنی ہو رہی تھی جس سے اس کمرے کی فضا میں ہلکی ہلکی گرمی محسوس کی جا سکتی تھی پھر اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے اوپر لگے فانوس کی شعاعیں روشنی تیز کرنے لگی ہوں اور کمرے کا ماحول نمایاں سے نمایاں ہوتا جا رہا تھا ایک لمحے کے لیے میرے دل سے خوف کی ایک لہر گزری یہ عمل جو ہو رہا ہے غیر انسانی عمل ہے آہستہ آہستہ میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑنے لگیں اور مسامات سے ہلکا ہلکا پسینہ ابھرنے لگا میں ایک بار پھر یہ سوچنے لگا کہ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے یہ خوف ناک عمارت میرے لیے کسی بڑی مشکل کا باعث نہ بن جائے پھر اچانک ہی ایک اور احساس دل میں ابھرا عالم علی نے کہا تھا کہ اگر یہ کسی مشکل کا شکار ہوا تو دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے بہر حال میں تو اندھیروں کا مسافر تھا اور جانتا تھا کہ مجھے زندگی بھر ان تاریکیوں کا سفر کرنا ہے اور روشنیوں سے بھلا میرا کیا تعلق جو انسان کی زندگی میں جینے کا احساس پیدا کرتی ہیں لیکن اب اس عمارت کے بارے میں کیا سوچوں کہ کیا کرنا چاہیے واپس لوٹ جاؤں یا دیکھوں کہ آگے کے لیے کون سے راستے متعین کیے گئے ہیں زندگی کتنی قیمتی شے ہے کوئی جینے والوں سے پوچھے جو کسی بھی طور مرنا نہیں چاہتے۔ مرنا تو میں بھی نہیں چاہتا تھا ہاں بے شمار بار دل اپنے آپ سے اکتایا دنیا سے اکتایا لیکن اگر موت کو گلے لگانے کی آرزو کی تو نہ جانے دل میں کیا احساس ابھرے گا کافی دیر تک میں اس پراسرار کمرے میں کھڑا سوچوں میں گم رہا اور اس کے بعد میں نے سوچا کہ کم از کم یہاں کا تھوڑا سا جائزہ اور لے لوں اور اس کے بعد گھر سے باہر نکل جاؤں جو فریب کا گھر نظر آ رہا تھا میری نگاہوں نے آخر کار اس دروازے کو بھی دیکھ لیا اب تک یہی تو کرتا آیا تھا ایک کے بعد ایک کمرے میں چنانچہ اس دروازے کو بھی کھول کر دیکھ لیا جائے اتنا تو مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میں اس طلسمی گھر میں ایک طلسمی ماحول میں پھنس گیا ہوں اور دروازہ تو یہ بھی بند نہیں ہوگا اور میرا خیال بالکل درست تھا دروازے کو دیکھ کر صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس کو مدت سے نہیں کھولا گیا دوسری طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آ رہی تھی مجھے کچھ سوجھا اور میں واپس پلٹا پھر ایک اونچی چیز پیروں کے نیچے رکھ کر فانوس سے ایک شمع نکالی اور اسے سنبھالے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گیا دروازہ کھول کر میں نے اندر کی طرف جھانکا تو شمع کی روشنی میں مجھے ایک بڑا اور وسیع کمرا نظر آیا یہاں بھی فرش ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے یہاں بھی انسانی قدموں کا گزر نہ ہوا دیواریں اجڑی ہوئی تھیں اور ان سے ٹوٹی پھوٹی سرخی جھانک رہی تھیں ایک طرف زینہ بنا ہوا تھا جو اوپر چھت میں جا کر گم ہو گیا تھا۔ یہ کمرا پہلے کمرے سے بھی زیادہ عجیب و غریب تھا اچانک مجھے یوں لگا جیسے چھت پر کوئی چل رہا ہو میں چونک کر اوپر دیکھنے لگا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اوپر آنے والی آوازیں اور تیز ہو گئیں بالکل یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ جیسے چھت پر کوئی چہل قدمی کر رہا ہو ایک بار پھر میں نے یہیں کھڑے ہو کر آواز دی۔

’’اگر یہاں کوئی ہے۔‘‘ تو مجھ سے ملاقات کرو میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں کون ہے یہاں کوئی ہے لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا البتہ قدموں کی چاپ رک گئی تھی۔ میں کچھ لمحے سوچتا رہا اور پھر

اس کے بعد میں نے ان سیڑھیوں پر قدم رکھا پھر میں آگے بڑھتا چلا گیا سیڑھیوں کا اختتام ایک دروازے پر ہوا تھا اور اندر یقینی آوازیں بلند ہو رہی تھیں میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی سامنے والے دروازے میں ایک تابوت سا رکھا ہوا تھا ایک اتنا بڑا تابوت جس میں انسانی جسم آ جائے بہر حال میں نے اپنے آپ کو غیر انسانی فطرت کا مالک کبھی نہیں کہا اس تابوت کو دیکھ کر میرے دل میں ایک خوف بیدار ہو گیا تھا ایک لمحے کے لیے دل نے اندر سے کہا بھاگ جاؤں کیا فائدہ مصیبتوں کو سر لینے سے کوئی اور ایسا واقعہ نہ ہو جائے جس پر بعد میں مجھے افسوس کرنا پڑے لیکن اگر فطرت میں یہی سب کچھ نہ ہوتا تو پھر اتنی مصیبتوں میں کیسے پڑتا۔ یہ تجسس یہ سرکشی ہی میرے لیے مشکلات کا باعث بنی تھی اور اس وقت بھی اس تجسس سے پیچھا نہ چھڑا سکا ایک ایک قدم آگے بڑھا اور تابوت کے قریب پہنچ گیا پھر میں نے تابوت میں جھانکا میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا ہر چندی تابوت میں لیٹا ہوا تھا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا میرے قدم پتھرا سے گئے اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا تب وہ مسکرایا اور پھر ہنستا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''خوب مزے کر لیے خوب سازشیں کر لیں میرے خلاف میں پھنس گیا ان لوگوں کے جال میں ارے میں مرزا جی ہمارے مقابلے پر کیا آ سکتے ہیں ایک داؤ مار لیا انہوں نے تو سمجھا کہ ہر چندی چت ہو گیا مگر مانگ لی تھی نا آگ والوں سے مدد نہ مانگتا تو پھر دیکھتے ہم اس مرزا جی کو اور تو بڑا غدار نکلا ارے تو تو ہی بڑا غدار نکلا کیا ملے گا تجھے ان سے اب بہتان بھگتے گا نا ہمارا تیرا ساتھ ہی کتنا رہا تو ہم سے پہلے کا پاپی ہے پاپ تو تو خود کرتا رہا ہے ہم نے تو صرف یہ سوچا تھا کہ چل کوئی بات نہیں تجھے اپنے ساتھ لگا لیں گے اور ان سب سے بدلے لے لیں گے بدلے تو لینے ہیں ہمیں ان سے مگر کیا ہوگا تیرا کیا ہوگا ارے پاگل ہم نے تو تجھ سے پہلے کہا تھا کہ مشکل تو پیش آئے گی تجھے ہمارا ساتھ دینا ہوگا اور پاگل یہ سب تو کرنا ہوگا تجھے کیوں کہ تو کرتا چلا آیا ہے مگر ہمارا نقصان کر دیا ہے تو نے ماننا نہیں چاہیے تھا تجھے ان کی باتوں کو بڑی مشکل سے ہم نے تجھے یہاں بلایا ہے اب تیرے لیے ہمیں بڑی محنت کرنی پڑے گی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور کہا۔

''کیسی محنت ہر چندی۔۔۔''

''ان کے سامنے بھیگی بلی کیوں بن گیا تھا کیا بگاڑ لیتے تیرا کیا حق تھا انہیں تیرے جیون پر مرزا جی کی بات اور تھی ان پر تو ہم نے داؤ مارا تھا نکل گئے ہمارے داؤ سے ایسا تو ہوتا ہی ہے کبھی ریل کبھی جیل مگر مرزا جی نے یہ سمجھ لیا کہ آل دوالوں کا سہارا لے کر وہ ہر چندی کو راستے سے ہٹا دیں گے تو یہ تو مشکل ہے سن انہوں نے تجھے جو پٹی پڑھائی ہے نا دماغ سے نکال دے اسے۔ اس سنسار میں نیک بن کر جینا بڑا مشکل کام ہے ایسے لاتعداد لوگ ہوتے ہیں جن کا دل نیکیوں کے لیے تڑپتا ہے لیکن وہ تڑپتے ہوئے ہی اس سنسار سے چلے جاتے ہیں کچھ نہیں ملتا انہیں بلکہ لوگ کہتے ہیں باؤلے ہوئے تھے کیا نیکی کرنے والے نیکی کر کے سڑکوں پر مرتو رہے ہیں سنسار میں کوئی مقام حاصل کرنا ہے تو نیکی بدی کے خیال کو دل سے نکال دو اور کیوں پھنسا تھا ان کے جال میں پر ہم تجھے دوشی نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ سب کچھ تیرا کیا دھرا نہیں ہے سب کچھ پھنسا تھا ان کے جال میں اور ہماری وجہ سے پھنسا تھا اور ہم نے ترکیب سوچ لی ہے۔''

''کیسی ترکیب۔۔۔''

''سات دن تک تجھے ایک جاپ کرنا پڑے گا کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہوگا بس انسانوں کا خون پینا پڑے گا تجھے سات انسان ہلاک کر کے ان کا خون پیئے گا تو اور تیری آتما ڈھل جائے گی کیا سمجھا اس کے بعد دیکھیں گے شمشاد میاں کو جب ہم تیرا من ہی اندر سے صاف کر دیں گے تو پھر وہ کون سے من میں نیکیاں دکھائیں گے ہمارا نام بھی ہر چندی ہے بھول گئے تھے مرزا جی کہ واسطہ کس سے پڑا ہے۔''

ہر چندی یہ بات تو تو بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ وہاں تو زبردستی میرے کندھوں پہ آ بیٹھا تھا میں نے خود تجھے نہیں پکارا تھا کیا سمجھا خود آواز نہیں دی تھی تو نے مجھے دھوکے سے تو مجھ پر مسلط ہو گیا تھا باقی رہا میرے ماضی کا معاملہ تو ماضی میں میں نے جو کچھ کیا کبھی کبھی ہر چندی واقعی مجھے اس پر

بڑی شرمندگی ہوتی ہے پہلے تو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا اس بارے میں لیکن اب سوچتا ہوں تو ایک احساس ہوتا ہے کہ گناہوں میں تو بچپن سے اب تک کی زندگی میں نے گزاری ہے اور ہرچندی تو تو یہ بات ہرگز نہیں سمجھے گا نہ جانے گا میں جانتا ہوں اسے اچھی طرح گناہوں کی یہ زندگی میں نے اپنی پسند اور مرضی سے نہیں گزاری بلکہ مجھے کسی نے سہارا ہی نہیں دیا تھا جو دل میں آیا دماغ میں آیا کرتا رہا اب یہ سوچ رہا ہوں کہ ایسے لوگ ملے ہیں تو کیوں نہ تھوڑی سی کارروائی کر کے دیکھوں۔''

''مطلب کیا ہے تیرا؟'' ہرچندی نے سوال کیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

''ہرچندی تو نے بڑا زبردست طلسم خانہ بنایا ہوا ہے اور کوئی بھی اگر یہاں داخل ہوتا ہوگا تو خوف زدہ ہو جاتا ہوگا ڈر کے مارے دم نکل جاتا ہوگا اس کا لیکن تو نے دیکھ لیا کہ میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوا میں نے تیرے اس طلسم خانے کی کوئی پروا نہیں کی ہرچندی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں شروع ہی سے میری تربیت کچھ غلط رہی ہے میں خوف زدہ نہیں ہوتا ہرچندی کسی کام سے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں انسان ہوں۔ لیکن اگر تجھے میرے ماضی کے بارے میں معلوم ہے تو تجھے اس بات کا اندازہ ہوگا کہ ماضی میں میری کیا کیفیت رہی ہے۔ آج بھی میں وہی ہوں بے شک تو نے بہت سے مرحلوں پر مجھے زیر کر دیا تھا لیکن یہ سب کچھ مستقل نہیں ہو سکتا۔ ہرچندی میں نے گناہ کیے ہیں ان لوگوں کے احساس دلانے پر مجھے اپنے گناہوں کا احساس ہو گیا ہے لیکن کنارے کی منزل میں بھی داخل ہو کر دیکھوں یہ تو دیکھوں کہ بدی کے میدان جس قدر خوب صورت ہوتے ہیں ان کا اختتام کہاں ہوتا ہے اور نیکیوں کی دشوار گزار چڑھائیاں کس بلندی پر جا کر ختم ہوتی ہیں اور ان کے اختتام پر کیا ہے۔''

''پاگل کے بچے سارا کیا دھرا چوپٹ کر رہا ہے تو میں نے بڑی محنت کی ہے تجھ پر میں کہتا ہوں کہ تیرے دل میں یہ تصور ہی کیسے آیا کہ تو نیکیاں کر کے دیکھے۔ اپنے ان گناہوں کا کفارہ ادا کرے

باؤلے انسان کی ایک منزل ہونی چاہیے ایک معیار ہونا چاہیے اس کی زندگی کا یہ کیا گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ آج کچھ سوچا کل کچھ سوچا ایسا انسان تو کچھ نہیں بن سکتا ہم تو تجھے شکتی دے رہے تھے ایک ایسی شکتی جسے پورا کرنے کے بعد اس سنسار میں تیرا ایک مقام ہوتا۔ بڑا مان ہوتا تیرا لیکن تو تو سب کچھ کھونے پر تلا ہوا ہے یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے اپنے دل سے یہ سارے خیال نکال دے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کر یہ جو تو مرزا شمشاد بیگ کے چکر میں پڑ گیا ہے میں تجھے اس چکر سے نکال لوں گا اور ہم یہاں سے دور نکل چلیں گے اور بعد میں دیکھیں گے کہ یہ آتش زادے کیا کر سکتے ہیں کیا سمجھا؟'' جواب میں بس مسکرا دیا میں نے کہا۔

''مگر میں کچھ نئے تجربات کر کے دیکھنا چاہتا ہوں ہرچندی ہرچندی تابوت سے نکل کر باہر کھڑا ہو گیا اب وہ خون خوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لیکن میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہرچندی تو بھی میرے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے زندگی میں تجربوں کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے بہت کچھ کھویا ہے میں نے اس مزاج کے تحت جو دل میں آیا ہے ہمیشہ ہی کیا ہے کبھی اس پر سمجھوتا نہیں کیا تو یہ سمجھ لے کہ میں ذرا یہ مزہ بھی چکھنا چاہتا ہوں۔''

''کتے کے پلے ہم نے جو محنت کی ہے تجھ پر۔۔۔؟''

''اس لیے گالیاں دے رہا ہے مجھے ہرچندی کہ پراسرار قوتوں کا مالک ہے ورنہ یہ جملے کہنے پر میں تیرا سر تیرے کندھوں سے اتار لیتا۔''

''لعنت ہو تجھ پر لعنت ہو دیکھ لینا جیون تنگ کر دیں گے تجھ پر تو نے ہمارے راستے بند کر دیے ہیں ہم تیرے جینے کے راستے بند کر دیں گے ایسا سلوک کریں گے تیرے ساتھ کہ تو موت مانگے گا تو تجھے موت بھی نہیں ملے گی کیا سمجھا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہرچندی اسی طرح کا انسان ہوں جب کوئی بات دماغ پر چڑھ جاتی ہے تو سمجھ لو کہ اس کے لیے میں زندگی کو بے حقیقت چیز سمجھتا ہوں ارے زندگی تو ہرچندی لمحہ بس آنے جانے والی چیز ہے

کوئی اپنے آپ کو جانے سے نہیں روک سکتا۔ دنیا نے بہت جنگ کی ہے میں نے لیکن ایک بات بتادوں کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہر جنگ میں جیت میری ہوگی جو دل چاہے تیرا کر لے اب میں دیکھتا ہوں کہ زندگی کا یہ دوسرا مزہ کیسا ہے۔''

''ٹھیک ہے جا میری طرف سے بھاڑ چولہے میں دیکھوں گا تجھے کہ تو کیا کرتا ہے چھوڑوں گا نہیں تجھے زندگی کے سارے راستے تجھ پر بند کر دوں گا جا غرق ہو کالی دلدل میں جا نکل جا یہاں سے اب تم میرے لیے کچھ نہیں رہا ہے۔'' میں ہنستا ہوا وہاں سے چل پڑا تھا اس عمارت میں جو مجھ پر بیتی تھی بلاشبہ وہ بڑی خوفناک تھی لیکن فطرتاً میں ایسا ہی تھا جب میں نے ہر چندی کو بتایا تھا باہر کا منظر بالکل تبدیل ہو چکا تھا میں عمارت سے باہر آیا تو خود کو ایک بار پھر ایک ویران علاقے میں پایا میں نے یہ اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ میں بس ایک انوکھے سحر میں پھنسا ہوا ہوں اور میری زندگی اگر تجربات میں گزرے تو زیادہ دلکش ہوتی ہے۔ میں آگے بڑھتا رہا کچھ سوچے سمجھے بغیر دیکھتا ہوں آگے کیا ہوتا ہے وقت میرے لیے کیا فیصلے کرتا ہے یہاں تک کہ گہری رات چھا گئی۔ نجانے کیا بج گیا تھا اس وقت جس جگہ میں پہنچا تھا وہاں درخت بکھرے ہوئے تھے چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا کچھ فاصلے پر پانی کا شور ابھر رہا تھا یہ آواز میرے کانوں تک آ رہی تھی لیکن تھکن اس قدر غالب ہو چکی تھی مجھ پر کہ اب کوئی اور احساس نہیں رہ گیا تھا یہاں تک کہ اس تھکن سے مجبور ہو کر جہاں تھا وہیں لیٹ گیا خوب گہری نیند آ گئی تھی۔ صبح کو جاگا جب کہیں دور سے اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز میرے وجود پر عجیب طرح سے اثر انداز ہوئی پتا نہیں دماغ کہاں کھو گیا تھا پھر میں وہاں سے آگے بڑھ گیا رات کو پانی کا جو شور سنائی دیا تھا وہ اب بھی سنائی دے رہا تھا۔

میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا تو میں نے دور سے اس دریا کو دیکھا جو اچھا خاصا وسیع و عریض تھا پانی برق رفتاری سے اپنا سفر طے کر رہا تھا اور لہریں جھاگ اڑا رہی تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر دیکھا تو پانی زیادہ گہرا نہیں تھا اتنا صاف شفاف تھا کہ دل چاہا کہ اتر کر نہاؤں اور اس کے بعد پھر میں دریا کے پانی میں نہانے لگا نہا کر باہر نکلا تھا کہ گھنٹیوں کی مترنم آوازیں سنائی دیں اور میں نے چونک کر ادھر دیکھا ایک بڑی اچھی شکل تھی۔ چوڑا چکلا بدن سفید داڑھی بھیڑیں چرا رہا تھا سر پر ایک بڑا سا کپڑا بندھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر رک گیا اور پھر میرے قریب پہنچ گیا۔

''کون ہو بابو جی؟'' اس نے سوال کیا اور میں ہنس پڑا میں نے کہا۔

''نام تو تم نے خود ہی لے لیا میرا۔''

''ہم نے نام لے لیا۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''تو اور کیا۔''

''ارے ہم نے کہاں نام لے لیا بھی۔''

''بابو جی کہا ہے تم نے مجھے۔''

''لو یہ کوئی نام ہوتا ہے۔''

''پھر کیا ہوتا ہے۔''

'بس جی ایسے ہی جب کسی کو پکارتے ہیں تو بابو جی کہہ دیتے ہیں تم شکل سے بابو جی جو لگ رہے ہو۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے تمہارا شکریہ کہ تم نے بابو جی کہہ دیا۔''

''بابا او بابا!'' دور سے ایک نسوانی آواز سنائی دی اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ سانولا سلونا چہرہ سادہ سے نقوش انیس بیس سال کی عمر جوانی کی آگ میں تپے ہوئے سانس، کا جل بھری آنکھوں میں دوڑتی زندگی مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر آنکھیں جھک گئیں چہرے کا رنگ بدلا پھر آنکھیں انہیں پھر خدا گھورتے ہوئے انداز میں مجھے دیکھا پھر جھک گئیں ہونٹ آہستہ سے کپکپائے جیسے انہوں نے کچھ کہا ہو مگر بے آواز وہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھی بوڑھے شخص نے کہا۔

''کیا بات ہے رجو۔''

''بابا وہ ترکاری تو ڑلی ہے کیا پکاؤں۔''

''ارے واہ رے واہ۔'' بوڑھے نے دو عجیب سے الفاظ منہ سے ادا کیے پھر میری طرف دیکھنے لگا

اور بولا۔

''بھئی کہیں سے آ رہے ہو۔''

''ہاں۔''

''کہاں سے۔''

''بس یہ سمجھ لو کہ دنیا کے دوسرے سرے سے۔''

''ارے بھئی اتنی دور کیوں نکل گئے تھے۔'' وہ بولا اور مجھے اس کی معصومیت پر بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''ٹہلتا ہوا چلا گیا تھا۔''

''باپ رے باپ کیسا ہے دوسرا سرا ارے سنو بات سنو ہمارے مہمان بنو گے۔''

''سوچ لو زبردستی کے مہمان اچھے تو نہیں ہوتے۔''

''ارے چھوڑو بھئی اچھے برے ہمارے ہاں مہمان آتا ہی کون ہے نہ کوئی رشتہ نہ کوئی ناتا ایسا لگتا ہے ساری دنیا میں سب ایک دوسرے کے ہیں ہمارا کوئی ہے ہی نہیں نہ کوئی ملنے والا نہ جلنے والا۔ ہاں رجو کی کچھ سہیلیاں ہیں مگر وہ بڑی دور رہتی ہیں پر ان کے گھر والے بھی کبھی ادھر نہیں آتے ہم خود ہی رجو کو بستی میں چھوڑ آتے ہیں مگر سنو اگر تم واقعی مسافر ہو تو ہمارے مہمان بن جاؤ بڑی خوشی ہو گی ہمیں۔''

''خوشی تو مجھے بھی ہو گی لیکن زبردستی کا مہمان بنتے ہوئے تھوڑی سی شرم بھی آتی ہے۔''

''ارے ہم خود دعوت دے رہے ہیں تمہیں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''تو پھر آپ کا بہت بہت شکریہ!''

''میں کیا کروں بابا۔'' رجو نے پوچھا۔

جا ری جا بڑھیا سی سبزی پکا باجرے کی روٹی بنا مزہ آ جائے گا آج تو مہمانوں کے ساتھ کھائیں گے۔ بھیا بیٹھو ناشتا کر لیا ہے کیا۔''

''کہاں کیا ہے ناشتا۔''

''ارے رے رے ایسا کرتے ہیں دودھ منگوائے دیتے ہیں گڑ ڈال کر اس میں باجرے کی روٹی ڈال کر کھانا ذرا دیکھو تو سہی تم شہر کے لوگ یہ ناشتا مزہ دے جائے گا تمہیں۔''

''مل جائے تو کیا بات ہے بابا!''

''رجو جا دودھ لے آ اور روٹی تو رات کی بچ رکھی ہو گی بس اسے ہی باریک باریک کر کے دودھ میں بھگو دینا اور گڑ پیس کر ڈالنا کہیں اس کی ڈلیاں نہ رہ جائیں۔''

''ٹھیک ہے بابا۔''

''اب ذرا میں اپنے معزز مہمان کے نام وغیرہ سے بھی واقف ہو جاؤں۔''

''یہ اچھا نہیں ہو گا میں نے کہا۔''

''ارے کیا باتیں کرتے ہو بابو جی تم شہر کے لوگوں کی بس باتیں ہی تو میٹھی ہوتی ہیں ہم کو یہ باتیں کرنا نہیں آتی۔''

''نہیں بابا جو سادہ باتیں تم کر رہے ہو نا ان کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔''

آؤ بیٹھو الیاس ہے ہمارا نام الیاس خان تم چاچا کہہ سکتے ہو یا چاچا الیاس خان اب کچھ نہ کچھ تو تمہیں کہنا ہی ہو گا نا عمر کا فرق بھی ہے ہمیں بھی اچھا لگے گا وہی بات آ جاتی ہے کہ دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں جو تایا چاچا ماموں پھوپا کچھ بھی کہے اکیلے ہیں اور بس ہماری رجو ہے۔''

''رجو آپ کی بیٹی ہے۔''

''ہاں بے چاری کی ماں آٹھ سال پہلے مر گئی تھی اتنی سی تھی بالکل زیادہ عمر نہیں ہے اس کی بس ایک دم جنگل کی بیل کی طرح بڑھی ہے پر عقل نام کو نہیں ہے بس بچوں کی طرح کھیلتی ہے ہمارے ساتھ اور کیا کرے بے چاری ہم ہیں اور وہ ہے ہم تو یہ سوچتے ہیں کہ بیٹیوں کو پرایا دھن کہا جاتا ہے یہ پرایا دھن دھنوان کے پاس چلا گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ ارے چھوڑو ہم نے کن باتوں میں لگا لیا تمہیں بیٹھو۔'' اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا۔ قرب و جوار میں بھیڑیں

چر رہی تھیں میں نے کہا۔

''یہ آپ کی بھیڑیں ہیں۔''

''ہاں بھیا یہی ہے بس ہمارا سرمایہ انہی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ بھیڑیں چراتے ہیں ان کا دودھ بیچتے ہیں۔ سال کے سال اون بیچ دیتے ہیں بس کام چل جاتا ہے اللہ نے رجو کے لیے بندوبست کر دیا ہے پر ہم نے اس جھونپڑی میں اس کا کچھ نہیں رکھا ایک ہیں ہمارے جاننے والے ان کے گھر میں اپنی جمع پونجی رکھ دیا کرتے ہیں کمزور آدمی ہیں بھیا اور تم جانو برے بھلے لوگ دنیا میں ہوتے ہی ہیں ہم بھلا اس کی کیا حفاظت کر سکتے ہیں ہم تو کبھی کبھی رجو کے لیے بھی ڈرتے ہیں پر اللہ کا بھروسا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

وہ باتیں کرتا رہا ایسی انوکھی ایسی دلچسپ باتیں جو مجھے اچھی لگ رہی تھیں اور جو میں نے زندگی میں بہت کم سنی تھیں بہرحال نئی زندگی کے آغاز کے بعد یہ پہلے دو افراد تھے جو مجھے ملے تھے سانولی سلونی رجو بھی مجھے بہت پسند آئی تھی لیکن اس کے بعد میں نے اپنے دل میں کچھ تبدیلیاں پیدا کیں جو نصیحت مجھے کی گئی تھی ان میں یہ نصیحت بھی تھی کہ انسان کا اپنا ایک معیار ہوتا ہے ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ چھاؤں دیکھ کر پاؤں پھیلا دیے جائیں۔ یہ ایک ناجائز عمل ہے۔ ناشتا بڑا عجیب بڑا انوکھا تھا لیکن اتنا پرلطف کہ لطف آ گیا پھر وہ مجھے اپنے جھونپڑے میں لے گیا اور میں نے اس کا جھونپڑا دیکھا کچی مٹی کی دیواروں سے بنا ہوا کمرا چھت گھاس پھوس سے بنی ہوئی باہر ایک احاطہ جس میں کچھ چارپائیاں پڑی ہوئی بس یوں سمجھ لو کہ ایک کلاسیکل جگہ تھی جس میں آ کر لطف آیا تھا بعد میں اس جگہ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں۔ الیاس ایک چھوٹی سی زمین کے ٹکڑے کا مالک تھا۔ عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس نے یہ ٹکڑا کسی اور کو کاشت کرنے کے لیے دے دیا تھا اور اب رجو اس کی اکیلی بیٹی تھی بھیڑوں کے دودھ اور اون سے ان لوگوں کا کام چلتا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر زمین کے ایک چھوٹے سے قطعے میں ترکاریاں لگا رکھی تھیں جو عام طور سے ان کے اپنے استعمال میں ہی آتی تھیں' اس نے کہا۔

''یہاں سے کہاں جاؤ گے اور کیا کہہ کر پکاروں گا تمہیں۔''

''نام تو بتا چکا ہوں اپنا۔''

''ارے کہاں بتایا تھا بھئی ارے ہم سے ہمارا نام ہی پوچھ لیا تھا بس اپنا نام تو تم نے بتایا ہی نہیں۔''

''آپ شاید بھول گئے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''اگر بول گئے ہیں تو دوبارہ بتا دو بھیا مہربانی ہوگی تمہاری۔''

''یوسف ہے میرا نام۔''

''اچھا اچھا۔ بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر بھیا' یہی کیا جاتا ہے نا؟''

''ہاں۔''

''بھیا کچھ دن رہو یہاں من چاہے تو زندگی یہیں گزار لو۔''

''خیر زندگی تو میں یہاں نہیں گزار سکتا الیاس چچا' لیکن اگر تم اجازت دو تو تھوڑے دن یہاں گزار دوں گا تمہارے ترکاریوں کے کھیت پر کام کروں گا۔''

''ارے بھیا ذرا چل کر دیکھو تو سہی ڈھیر ترکاریاں اگے ہیں اور ہم تمہیں بتا چکے ہیں ہمارے بدن میں اب جان نہیں ہے بستی لے جا کر بیچیں تو اچھے خاصے پیسے ہاتھ لگ جائیں تم ایسا کرو ہمارے ساتھ ساجھے میں کام کر لو۔''

''میں تیار ہوں الیاس چچا۔''

''تو ٹھیک ہے اری رجو کھانا ذرا بڑھیا سا پکانا اب یوسف ہمارے مہمان ہیں ہمارے ساتھ ہی رہیں گے۔''

بہرحال وقت گزرتا رہا رجو کی جھکی جھکی نگاہیں مجھے نہ جانے کیا کیا پیغام دیتی تھیں لیکن فیصلہ تو یہی کیا تھا کہ جب ماضی کی زندگی کو خیرباد کہہ دیا ہے اور ان بزرگوں سے وعدہ کر لیا ہے جو میری مدد پر آمادہ ہو گئے ہیں تو پھر بہتر ہے کہ اپنے آپ کو تھوڑا سا تبدیل ہی نہ کر لیا جائے' بہرحال میں

ترکاریوں کے کھیتوں پر کام کرنے لگا رجو سے اکثر میری ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ الیاس چچا اتنے سادہ لوگ تھے کہ انہوں نے کبھی ہم دونوں پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن ایک دن رجو نے شرماتے ہوئے کہا۔

''کچھ معلوم ہے تمہیں؟''

''کیا؟''

''بابا تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھ رہا تھا۔'' وہ شرماتی ہوئی بولی۔

''کیا پوچھ رہا تھا؟''

''پوچھ رہا تھا میں کیسا لگتا ہوں۔''

''کیسے؟''

''مجھے اور کیسے۔'' وہ دانتوں میں انگلی دبا کر بولی۔

''تو پھر تم نے کیا جواب دیا۔''

''کہہ دیا نا۔''

''کیا کہہ دیا۔''

''ارے باؤلے ہو بالکل خود سمجھ جاؤ کیا کہہ دیا تھا۔'' میں رک کر اسے دیکھنے لگا وہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ ماضی میں عورت میرے لیے کوئی اہم حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ غلطی تھی میری زندگی کے راز اگر چھپے ہی رہیں تو زیادہ دلکشی کے حامل ہوتے ہیں ایک ایسی عورت جو لمحوں میں میرے سامنے نمایاں ہو جائے اپنا عورت پن کھو بیٹھتی ہے۔ عورت کا حسن تو اس کے پوشیدہ وجود میں ہی ہے۔ دھیمے دھیمے آہستہ آہستہ ایک ایک قدم بڑھنے میں' میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مجھے اچھی لگتی ہے اس کی قربت کی خوشبو سے ایک نشہ سا چھایا رہتا تھا مجھ پر۔ اس کے انداز سے پتا چلتا ہے کہ اس کے دل میں میرے لیے ایک مقام پیدا ہو گیا ہے لیکن ظاہر ہے میری زندگی میں قرار نام کی تو کوئی چیز نہیں تھی میں رک تو سکتا ہی نہیں تھا آگے بڑھنا تھا مجھے زندگی کے راستے یہاں محدود تو نہیں ہو جاتے تھے۔ اس نے کہا۔

''تم نے کیا سوچا؟''

''کس بارے میں رجو۔۔۔؟''

''ارے میرے بارے میں اور کیا بابا بتاتے ہیں کہ تمہارا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''ہاں۔''

''میں ہوں نا' اور جب میں ہوں تو تمہیں کسی اور کی ضرورت کیا ہے۔ اتنا پیار دوں گی تمہیں' اتنی محبت کروں گی تم سے کہ ساری دنیا کو بھول جاؤ گے۔'' میں سرسراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ایک حسین سی معصوم سی لڑکی اگر کھل کر یہ الفاظ کہہ دے تو باقی سارے کام رکھے رہ جاتے ہیں۔ میں نے اب تک جو زندگی گزاری تھی اور اس میں جس طرح ایک شیطان داخل ہو گیا تھا میرے پاس اپنے لیے جگہ پا کر اس کے بعد جن راستوں کی طرف سفر کیا تھا وہ راستے یہاں پر رک تو جاتے نہیں تھے۔ بے چارے الیاس چچا اپنی بیٹی کا مستقبل مجھ سے وابستہ کرنا چاہتے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے اتنے اچھے تھے وہ کہ زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کے بارے میں سوچا تھا۔ رجو کو اس منزل سے بھٹکا دینا بہت آسان کام تھا۔ معصوم اور سادہ لوح لڑکی تھی لیکن یہ راستے بھی اپنا کر دیکھے جائیں ہو سکتا ہے دل کو سکون ملے' ہو سکتا ہے جن لوگوں کی محبت نے مجھے ہر چندی کے جال سے نکالا ہے وہ میرے سکون کی منزل تلاش کر سکیں۔ چنانچہ خاموشی سے ایک رات وہ جگہ چھوڑ دی اور وہاں سے چل پڑا اس دوران پہلی بار میں اس بستی سے گزرا تھا جہاں سے لوگ کبھی کبھی آ جایا کرتے تھے۔ دو تین ایسے تھے جو باقاعدہ بھیڑوں کا دودھ لے جایا کرتے تھے۔ بستی بہت چھوٹی تھی میں اس کے آخری مقام سے بھی گزر گیا۔ آگے کھیت بکھرے ہوئے تھے اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے۔ کسی نے توجہ نہیں دی' میں نے رفتار کافی تیز کر دی۔ کسی خاص سمت کا تعین نہیں کیا تھا بس چل پڑا تھا اور یہ سوچ کر چل پڑا تھا کہ اتنی دور نکل جاؤں کہ رجو اور الیاس چچا مجھے تلاش نہ کر سکیں۔ پہلی بار کسی کی عزت کے

رکھوالے کی حیثیت اختیار کی تھی۔ دن نکلا' دوپہر چڑھی' ویران جنگلوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ درخت نظر آرہے تھے۔ پرندے پرواز کررہے تھے۔ آسمان شفاف تھا۔ دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور جب پیروں نے جواب دے دیا تو ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ درخت کے تنے سے پشت لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ بدن پر ایک تھکن سی سوار ہوگئی تھی۔ پچھلے چند روز اتنے سکون سے گزرے تھے کہ زندگی کچھ کاہلی کا شکار ہوگئی تھی لیکن اور رکنا میری فطرت میں نہیں تھا نہ جانے کتنی دیر درخت کے نیچے بیٹھا رہا پھر سورج ڈھلے آنکھ کھلی تھی اور میں نے وہاں سے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور رات کے یا شام کے دھندلکوں میں مجھے ایک عمارت نظر آئی' ٹوٹی پھوٹی کھنڈر نما عمارت زیادہ فاصلے پر نہیں تھی میرے قدم اس عمارت کی جانب اٹھ گئے۔ زمینوں کے ڈھیر ایک بڑا سا گنبد قدم اس کی جانب بڑھے اور میں کچھ دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ کھنڈرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی پرانی مسجد ہے لیکن اتنی پرانی کہ اب اس کی سیڑھیاں تک سلامت نہیں تھیں۔ بڑا صحن جس میں جگہ جگہ اینٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے اور چاروں طرف پتے بکھرے ہوئے کسی عبادت گاہ میں ہوش وحواس کے عالم میں داخل نہیں ہوا تھا لیکن اچانک ہی دل چاہا کہ کچھ کروں اور پھر میں نے وہ پتے سمیٹے انہی میں سے ایک چھال نما چیز لے کے سوکھے پتوں کی جھاڑو بنائی اور اس کے بعد قمیض اتار کر صحن کی صفائی میں مشغول ہوگیا۔ اینٹوں کے ڈھیر کے درمیان سے پتے صاف کرتے کرتے اتنی دیر ہوگئی کہ رات ہوگئی۔ سوکھے پتے سمیٹ کر میں نے عمارت کے پچھلے حصے میں پھینکے اور وہاں ایسے اور پتوں کے انبار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی باقاعدہ صحن صاف کر کے پتے یہاں پھینکتا ہے اور اب کوئی کام نہیں تھا۔ میں نے انہی صاف کی ہوئی جگہ میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا منتخب کر کے اپنے آرام کے لیے جگہ بنائی البتہ بھوک لگ رہی تھی۔ دن بھر پیاس کی شدت بھی رہی تھی' کہیں پانی نہیں ملا تھا اور میں یہاں تک آ گیا تھا اور یہاں بھی پانی پینے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آرہا تھا پھر مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا۔ دماغ آہستہ آہستہ سو گیا تھا

کہ کسی نے میرا پاؤں پکڑ کر جھنجوڑا ادھر ادھر دیکھا تو تین چار آدمی نظر آئے اب چاند نکل آیا تھا ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہ سونے کی جگہ نہیں ہے بھائی راستہ ہے چلو ہٹو راستہ چھوڑو۔'' میں گھبرا کر اٹھ گیا۔ میری نگاہیں ادھر ادھر کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں تعجب بھری نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو اس ٹوٹی مسجد میں نماز پڑھنے آئے تھے پھر کچھ اور ہاتھوں نے مجھے پیچھے دھکیلا میں حیران ہونے لگا۔ یہاں تو آس پاس کوئی آبادی تھی بھی نہیں پھر سفید لباسوں میں ملبوس کون لوگ ہیں یہ جو یہاں تک آئے ہیں۔ اچانک ہی ان میں سے ایک سفید ریش کی نگاہ مجھ پر پڑی اور انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا کر رہا ہے تو یہاں' کون ہے تو' تیرے بدن سے تو بدبو آرہی ہے۔''

''ہاں' میں نہایا نہیں ہوں۔''

''یہاں سے دفعہ ہو جا یہ عبادت کی جگہ ہے۔''

''مگر۔۔۔میں۔۔۔میں۔۔۔۔''

''چلا جا' چلا جا یہاں سے' چلا جا اپنا راستہ لے جا' ہماری عبادت میں دخل اندازی نہ کر ورنہ نقصان اٹھا جائے گا۔''

''میں آپ لوگوں کی عبادت میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔''

''ارے دماغ خراب ہوگیا ہے تیرا' تیرے بدن کی بدبو تو یہ بتاتی ہے کہ گناہوں کی دلدل میں زندگی گزاری ہے۔ عبادت کرے گا ہمارے سٹھ بڑا عابد ہے' چل یہاں سے ورنہ دھکے دے کر نکال دیں گے۔ چلا جا۔۔۔'' خود میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میرے دل میں نجانے کیوں غم کا سا احساس پیدا ہو رہا تھا بہت دور تک چلتا رہا اور رات گزرتی رہی بڑی عجیب سی کیفیت تھی بھوک پیاس میں ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جان نکال رکھی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا میں اس کیفیت کو برداشت کرسکوں

گا۔ یہ تو بڑے سخت لمحات تھے میرے لیے سوچنا تھا غور کرنا تھا اور فیصلہ کرنا تھا تھکن نے ایک جگہ بٹھا دیا ہاتھوں پیروں کی جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی لیکن عقل اب بھی ساتھ دے رہی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ جو حالات میں نے چیلنج سمجھ کر قبول کیے ہیں ان میں زندگی گزار سکوں گا یا نہیں مرزا شمشاد بیگ اور عالم علی نے مجھ پر بھروسا کیا ہے اور مجھے اپنے آپ کو تبدیل کرنے کا موقع دیا ہے بات اصل میں وہی تھی کہ انسان یکسانیت سے اکتا جاتا ہے اور اپنے آپ کو تبدیلی کے لیے تیار رکھتا ہے۔ میں بچپن سے اب تک کی زندگی جس طرح گزارتا رہا تھا صحیح معنوں میں اب اس سے بھی اکتاہٹ کا احساس ہوتا تھا چنانچہ یہ صورت حال میرے لیے بڑی عجیب سی تھی میں نے شاید زندگی میں پہلی بار ایک عجیب سا منظر دیکھا تھا اور میں اس سے لطف لے رہا تھا بس یوں سمجھ لو کہ وقت جس انداز میں گزر رہا تھا ہمیشہ اسی انداز میں نہیں گزارنا چاہتا تھا نجانے کتنا فاصلہ طے کر کے میں ایک بستی میں پہنچا انسان ہر جگہ اپنی اپنی زندگی گزارتے ہیں اور ان کے پاس ایک دوسرے کے لیے محبت بھی ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک بھی ہوتے ہیں میں نے پہلے تو کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا لیکن اب ان تمام باتوں سے مجھے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی انسانوں کی اس بستی میں مجھے کسی ایسے انسان کی تلاش تھی جو پھر سے میری رہبری کر سکے میرے ساتھ وقت گزار سکے یہ بھی ایک گھاٹ تھا یہاں دھوبی کپڑے دھو رہے تھے وہاں سے آگے تھوڑے فاصلے پر میں نے ایک شخص کو دیکھا اور اس کی جانب بڑھ گیا بھاری بدن کا ایک خوش مزاج سا آدمی مجھے دیکھتے ہی بولا۔

''کیا نام ہے تمہارا ہارون الرشید تو نہیں ہو۔''

''جی۔'' میں نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

''ہاں ہم انتظار کر رہے تھے حالانکہ نام ہمارا بھی ابوالحسن نہیں ہے پر کیا کریں بھائی وہی والی بات ہے نا کہ الف لیلیٰ پڑھتے رہتے ہیں۔ گھر والی سے ملو گے اور الف لیلیٰ کا تذکرہ کرو گے تو ڈنڈا لے کر تمہارے پیچھے دوڑے گی اور یہ بات تو طے ہے کہ ہم آج کے دور کے ابوالحسن ہیں۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی ہیں۔''

چلو آؤ ہمارے ساتھ ناشتا کرو ہم انتظار کر رہے تھے کہ کوئی مسافر مل جائے تو اس کے ساتھ ناشتا کریں بھیا وہ جو کہتے ہیں نا کہ آگے ناتھ نہ پیچھے پگاہ کوئی آگے پیچھے ہے نہیں ایک گھر والی ہے تو وہ بھی دیکھو گے تو جی خوش ہو جائے گا ویسے ایک بات کہیں برائیاں کتنی ہی کر لیں ہم اس کی پر بھیا ہے بڑی محبت کرنے والی۔'' ارے آؤ تم ہماری کھڑے کھڑے شکل کیوں دیکھ رہے ہو صبح کا ناشتا کرتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ کوئی مسافر مل جائے ساتھ لے آئیں اس کے ساتھ کھائیں پئیں بس یہ کمزوری ہے ہماری ہمیشہ ہمیشہ کی آجاؤ آجاؤ۔'' اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑا اور تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے ایک احاطے کے اندر لے گیا چھوٹا سا مکان تھا بڑا سا دروازہ دروازے کے اس طرف کا ماحول خالص دیہاتی تھا پیپل کے درخت کے نیچے چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر چادر تھی اس شخص نے مجھے چارپائی پر بٹھا دیا اور خود مجھ سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا پھر بولا۔

''اصل میں ہمیں الف لیلیٰ پڑھنے کا بہت شوق ہے سارے کے سارے قصے مزیدار ہیں اس کے پر گھر والی کہتی ہے یعنی تمہاری چچی کیا الف لیلیٰ پڑھ پڑھ کر اپنی زندگی خراب کی ہے۔ ارے بھائی! اب یہ بتاؤ بھئی بھلا الف لیلیٰ پڑھنے سے زندگی خراب ہوتی ہے۔''

''کیا بتاؤں میں آپ کو۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ میں نے الف لیلیٰ پڑھی ہی نہیں ہے۔''

''لو مارے گئے کھوٹے سے۔''

''جی۔''

''نہیں ہم اپنی بات کر رہے تھے۔ اچھا ایک بات سنو الف لیلیٰ اگر تم نے پڑھی نہیں ہے تو سنو گے تو سہی۔''

''کیا مطلب۔''

''ارے یار مسافر ہو تمہیں اندازہ ہو گیا بستی کے ایک ایک آدمی کو جانتے ہیں ہم نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا اب کہیں جا رہے ہو تو کچھ دن کے بعد چلے جانا جلدی کیا ہے ذرا تھوڑی سی گپ شپ رہے گی ہمارا دل لگتا ہے انسان کا انسان سے!'' مجھے ہنسی آ گئی میں نے کہا۔

''آپ کی مرضی ہے آپ نے مجھ سے میرے بارے میں نہیں پوچھا۔''

''کہنے کو تو ہم تمہیں مسافر کہہ سکتے ہیں مگر تمہارا نام کیا ہے بتا دو۔''

''یوسف ہے میرا نام۔''

''لو یہ الگ کہانی ہو گئی ہم نے یوسف زلیخا بھی پڑھی ہے کیا سمجھے۔'' اس نے کہا۔

''آپ تو بہت تعلیم یافتہ معلوم ہوتے ہیں۔''

''نہیں خیر اس کو تعلیم تو نہیں کہو بھلا یوسف زلیخا کس نے نہیں پڑھی ہم نے کون سا بڑا کام کر ڈالا ہے مگر ہمیں کتابیں پڑھنے کا ہے بڑا شوق تمہیں الف لیلیٰ سنائیں گے پہلے اور اگر بات بن گئی تو یوسف زلیخا بھی سنا دیں گے ویسے تو ہمارے پاس بہت سی کتابیں ہیں۔'' مجھے ہنسی آ گئی الیاس چچا ہی کیا کم تھے یہ الف لیلیٰ صاحب بھی مل گئے لیکن وہی بات زندگی کے تجربے ہو رہے تھے اور میں عالم علی اور مرزا شمشاد بیگ کے احکامات کے مطابق دنیا کو نئے رنگ میں دیکھ رہا تھا پھر میں نے ان سے کہا۔

''جناب آپ نے مجھے جانے بوجھے بغیر ہی دعوت دے دی ہے کہیں ایسا نہ ہو آپ کو کوئی تکلیف اٹھانی پڑے۔''

''دیکھو بھائی اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس اولاد نہیں ہے کھاتے پیتے ہیں عیش کرتے ہیں کوئی پریشانی نہیں ہے گھر والی البتہ بس ذرا خطرناک ہے وہ بھی الف لیلیٰ کے سلسلے میں کہتی ہے جو کچھ پڑھتے ہو اس کے پیچھے پڑ جاتے ہو وہی بننے کی کوشش کرتے ہو جبکہ قصے کہانیوں کی باتیں کچھ اور ہوتی ہیں اور حقیقت کی دنیا اس سے کافی مختلف ہوتی ہے۔''

''کیا ایسا ہوتا ہے۔''

''پتا نہیں ان چکروں میں کون پڑے بس مزہ آتا ہے۔'' اب ذرا بیٹھو ناشتا لاتے ہیں تمہارے لیے۔''

''ایک منٹ آپ نے مجھے اپنا نام تو بتایا نہیں۔''

''ارے بھئی لوگ ہمیں احمد چچا کہتے ہیں۔''

''ٹھیک میں بھی آپ کو یہی کہوں۔''

''مرضی ہے تمہاری جو دل چاہے کہہ لو۔'' وہ اندر چلے گئے تم میں نے گہری نگاہوں سے آسمان کو دیکھا اور کہا۔

''برے نہیں ہیں یہ لمحات بھی برے نہیں ہیں۔ زندگی کے تجربوں کو جتنا محدود کر لیا جائے محدود ہو جاتے ہیں اور اگر ہم زندگی کی تلاش میں نکل جائیں تو زندگی واقعی اپنے ایسے ایسے روپ دکھاتی ہے کہ لطف ہی آ جائے الیاس چچا رجو اور اب یہ احمد چچا سارے کے سارے ایک ہی انداز کے لوگ ہیں مگر کیسی دلکشی اور دلچسپی کے حامل کچھ نہ کچھ گہرائیاں تو ہیں ان کے وجود میں خیر اب دیکھتے ہیں کہ یہاں وقت کیسا گزرتا ہے اور میں احمد چچا کا انتظار کرنے لگا نہ بستی کا نام معلوم تھا نہ اس کا جائے وقوع ذہن میں آیا تھا اصل میں ایسی باتوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی بس کافی ہے لوگ مل جاتے ہیں تجربے ہو جاتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کارروائی میں کچھ پر اسرار قوتیں کارفرما ہوں اور انہی کا یہ سارا عمل ہو ایسا اگر ہے بھی تو کوئی حرج بھی نہیں تھا بس تھوڑی سی دلچسپی کا سامان پیدا ہو گیا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ رجو کو اس طرح چھوڑ کر چلے آنے سے طبیعت کو ایک فرحت کا سا احساس ہوا تھا شاید زندگی میں یہ پہلی نیکی تھی جو میں نے کی تھی کم از کم کسی وجود کو زخمی نہیں کیا تھا کسی انسان سے اس کا اعتماد نہیں چھینا تھا اور اس طرح میں نے پہلی بار ہرچندی کو شکست دی تھی جس نے کہا تھا کہ وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا احمد چچا نجانے کہاں کہاں کی باتیں کر رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

''اب میں ذرا پانی پت کی جنگ پر جا رہا ہوں۔''

’’جی۔‘‘

’’بس رشیدہ ہے میری بیوی کا نام مگر ایک بات کہہ دوں بیوی کے انتخاب میں ذرا سے چوک گئے تو سمجھ لو کہ پوری زندگی برباد ہوگئی۔‘‘

’’کیا پٹی پڑھا رہے ہو اسے؟‘‘ ایک خوف ناک آواز سنائی دی اور احمد چچا جیسے گرتے گرتے بچے ان کے دانت باہر نکل آئے تھے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

’’اور آپ کی قسم ایک لفظ جو کہا ہو اس سے تمہارے بارے میں میں تو صرف تعریفیں کر رہا تھا کہ بیوی ہو تو رشیدہ جیسی جنت کی حق دار ہے وہ اتنی خدمت کرتی ہے میری کہ میں بتا نہیں سکتا۔‘‘ میں نے چونک کر ان خاتون کو دیکھا تھا اچھے تن و توش کی مالک تھی چہرے پر کافی خطرناک تاثرات تھے احمد چچا کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔

’’کون ہے یہ اور تم دونوں صبح صبح کیا کر رہے ہو۔‘‘

بولیں بے چارہ مسافر ہے اتنا شریف لڑکا کبھی دیکھا ہے تم نے ایک بار بھی تمہاری طرف گھور کر نہیں دیکھا اور نہ یہ آجکل کے لڑکے ان کی آنکھوں کا تو کچھ نہ پوچھو اصل میں وہی بات ہوتی ہے رشیدہ کہ اچھا خون کبھی گندی حرکتیں نہیں کرتا۔‘‘

’’اب تم یہ فضول باتیں کیوں کر رہے ہو لڑکے کیا نام ہے تمہارا؟‘‘

’’زلیخا کا چہیتا یعنی یوسف!‘‘ میری جگہ احمد چچا بول اٹھے۔

’’کیوں آئے ہو یہاں۔‘‘

’’ارے رے رشیدہ تم روز بروز بری سے بری ہوتی جا رہی ہو گھر آئے ہوئے مہمان سے یہ سوال کرنا اچھا لگ رہا ہے تمہیں۔‘‘

’’میں جانتی ہوں آج بھی تم ابوالحسن بن کر کسی مسافر کی تلاش میں ہو گے جو تمہارا مہمان بن سکے۔‘‘

یوسف میاں رشیدہ سے مل لیے نا بس یہ سمجھ لو کہ رشیدہ فرشتہ صفت ہے ارے رشیدہ یہ بے چارہ

تین دن سے بھوکا ہے کچھ کھلاؤ گی پلاؤ گی نہیں اسے۔‘‘ رشیدہ نے مجھے غور سے دیکھا اور پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا میں نے کہا۔

’’رشیدہ چچی نے شاید میرا یہاں آنا پسند نہیں کیا ہے احمد چچا۔‘‘

’’میاں آرام سے بیٹھو کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے اس وقت تمہیں پتا ہے کہ کیا پکایا ہے رشیدہ نے آلو کی ترکاری اور موٹی موٹی پوریاں اور کچی پکی کھاؤ گے تو مزہ آ جائے گا ویسے واقعی ایک بات کہوں تم نے اپنے بارے میں کچھ زیادہ بتایا نہیں۔‘‘

’’بس احمد چچا مسافر نہیں ہوں اس بستی میں پہلی بار آیا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ اس بستی کا نام کیا ہے اور بے روزگار ہوں جگہ جگہ تقدیر آزماتا پھر رہا ہوں اور یہ اندازہ لگا رہا ہوں کہ تقدیر کب میرے لیے اچھے مستقبل کا فیصلہ کرتی ہے۔‘‘

’’ارے کیا بتائیں بھائی بس یوں سمجھ لو کہ اگر کوئی بیویوں سے نمٹ لے تو سمجھ لو کہ اس دور کا سکندر ہے سکندر اعظم نے تو اپنی فوج کے ذریعے آدھی دنیا فتح کر لی۔ بیویوں کے مسئلے میں تو فوج کو نہیں استعمال کیا جا سکتا ویسے ایک بات کہیں تم سے چاہو تو ہمارے ہاں پڑے رہو کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور اگر کہیں رشیدہ کو پھنسا لیا تو یہ سمجھ لو کہ وارے نیارے ہو گئے۔ ایسا اچھا کھانا پکا کر کھلائے گی کہ تم بھی یاد کرو گے۔ جہاں تک پیسوں کے لین دین کا تعلق ہے تو ضرورت کے مطابق اتنے پیسے ہم بھی آسانی سے دے دیا کریں گے اولاد وولاد ہے نہیں ہمارے یہاں اس لیے بے دھڑک اولاد کی جھوٹی سچی قسمیں کھا لیتے ہیں بس یوں سمجھ لو کہ زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں ہے گزار رہے ہیں اس لیے تو گزر رہی ہے کیا سمجھے۔‘‘

’’جی۔‘‘

’’تو پھر بولو تیار ہو۔‘‘

’’مجھے اس کے علاوہ اور کچھ چاہیے بھی نہیں احمد چچا کیوں کہ میرا اس زندگی میں کوئی نہیں ہے تنہا ہوں۔‘‘

"لو پھر بات بن گئی اب چلے گی ذرا الف لیلیٰ!" اور پھر رشیدہ چچی ناشتا لے آئیں واقعی اس کے بارے میں احمد چچا نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا کیا۔ عمدہ ناشتا تھا میں نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی آیئے نا احمد چچا۔"

"بس ذرا بیوی کی اجازت کا انتظار کررہے تھے اصل میں نکاح کے لیے ان کی اجازت ضروری تھی اس دن سے ایسا چکر چلا کہ آج تک ان کی اجازت کے بغیر کچھ کرتے نہیں ہیں چلو ٹھیک ہے اب تم کہتے ہو تو ہم بھی ناشتا شروع کیے دیتے ہیں۔" احمد چچا واقعی دلچسپ آدمی تھے۔ ہم لوگوں نے ڈٹ کر ناشتا کیا۔ رشیدہ چچی کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا جارہا تھا کہ واقعی مزاج کی بری لگتی ہے زبان کی بری لگتی ہیں مگر دل کی بری معلوم نہیں ہوتی میں نے ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد احمد چچا سے پوچھا۔

"آپ کرتے کیا ہیں۔"

"بس جی اللہ اللہ کرتے ہیں زندگی بھر کمایا ہے اب بیٹھ کر کھارہے ہیں اللہ کا دیا سب کچھ ہے یوں سمجھ لو کہ کام چل جاتا ہے۔"

"بستی کے بارے میں بھی کچھ بتایئے۔"

"ہندو مسلمانوں کی ملی جلی بستی ہے۔ ہندو بھی رہتے ہیں اور مسلمان بھی اچھے برے دونوں طرح کے لوگ ہیں وہ اس طرف سیدھے ہاتھ پر تمہیں مینار نظر آرہا ہے وہ مسجد ہے اور وہ ادھر کالے رنگ کا جو گنبد بنا ہوا ہے وہ ایک مندر ہے بس یوں سمجھ لو کہ ایک طرف بھگوان ہے تو ایک طرف خدا! اب دل جو چاہے جس طرح سمجھالو۔" پھر اسی رات احمد چچا الف لیلیٰ لے کر آگئے اور انہوں نے کہانی شروع کردی۔ رات کو لالٹین کی روشنی میں ایک بجے تک وہ نجانے مجھے کیا کیا قصے سناتے رہے اور میں اونگھتا رہا پھر پیپل کے اسی درخت کے نیچے چارپائی پر سوگیا اور اس طرح پہلی رات گزر گئی صبح کو صحن میں پیپل کے درخت کے پتے بکھرے ہوئے تھے انہیں صاف کیا ناشتا آج بھی بہت اچھا تھا احمد چچا کھاتے پیتے آدمی تھے۔ البتہ چوتھے دن رات کو جب وہ مجھے الف لیلیٰ سنا رہے تھے کہ اچانک ہی رشیدہ چچی آکر کھڑی ہوگئیں۔ "تمہارا کوئی گھر بار نہیں ہے کیا۔"

"تمہارا کوئی گھر بار نہیں ہے کیا۔" اس بار انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

"جی۔"

ارے یہ کیا بک رہی ہو زیادہ ہی سر پر چڑھنے لگ گئی۔"

میں کہتی ہوں کب تک مہمان رہیں گے اب اپنے گھر جائیں تین چار دن گزر چکے ہیں۔"

"رشیدہ رشیدہ رشیدہ انسانیت سے گری ہوئی بات کررہی ہو تم ساری باتیں برداشت کرسکتا ہوں لیکن یہ نہیں جو تم کررہی ہو یہ یہیں رہے گا۔"

"اور تمہاری الف لیلیٰ جاری رہے گی۔"

"تو یوں کہو نا کہ اصل چیز یہ نہیں بلکہ الف لیلیٰ ہے بھائی ہفتے میں ایک بار سنا دیا کریں گے باقی ان کا کام کیا کرو گھر کا سودا سلف لے آیا کرو جھاڑو وغیرہ دے دیا کرو۔"

"بس۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر یہ سارے کام شروع کردیے اس حیثیت سے رشیدہ چچی نے بھی مجھے قبول کرلیا تھا۔ پیپل کے درخت کے نیچے مجھے مستقل ٹھکانہ مل گیا تھا اور جب احمد چچا کی الف لیلیٰ ختم ہوجاتی اور مجھے تنہا رہ کر کچھ سوچنے کا موقع ملتا تو میں اپنے ماضی کے بارے میں سوچتا بڑے عجیب سے احساسات ہوتے میرے اس وقت میں یہ سوچتا کہ جس زندگی کو میں نے مرزا شمشاد بیگ کے کہنے پر قبول کیا ہے میں اس پر قائم رہ سکتا ہوں اپنے بارے میں غور کرنے کے لیے۔ اب میرے پاس کافی وقت تھا گھر کے کام کاج ہی کیا ہوا کرتے تھے یہ صرف دو افراد تھے تھوڑی سی صفائی ستھرائی سبزی ترکاری کا لے آنا بستی کے آس پاس کے لوگ بھی اب مجھ سے روشناس ہوچکے تھے۔ کوئی گیارہ یا بارہ دن گزر چکے تھے مجھے یہاں آئے ہوئے۔ بظاہر وقت بڑا اچھا گزر رہا تھا لیکن ایسا بے مصرف وقت میں نے کبھی نہیں گزارا تھا۔ سوچنے کے لیے

بہت کچھ تھا۔ احمد چچا اور رشیدہ چچی کے سوا ماضی کی اب بہت سی داستانیں پس منظر میں چلی گئی تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس پس منظر کو میں کتنے عرصے قبول کر سکتا ہوں میری سیماب صفت فطرت نچلی کہاں بیٹھ سکتی ہے اب تک نجانے کیسے کیسے مشکلات برداشت کرتا رہا تھا اور یہ سوچتا رہا تھا کہ نیکیوں کے راستے کتنے بوجھل ہوتے ہیں جبکہ زندگی کا دوسرا رخ ہر لمحے ایک تبدیلی کا حامل لیکن بہت عمر گزاری تھی اس طرح اور اب امتحان کی منزل میں بھیج دیا گیا تھا کوشش تو کرتا ہوں کہ اس امتحان میں پورا اتروں زندگی کا رخ بدل لوں اب یہ الگ بات ہے کہ ان کوششوں سے کب اکتا جاتا ہوں بہرحال اس دن موسم سخت تھا جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا وہاں دھوپ پھیلی ہوئی تھی احمد چچا اور رشیدہ چچی بہت اچھے لوگ تھے مجھ سے محبت بھی کرتے تھے اور کچھ اصول ضروری بھی تھے میں باہر ہی رہا کرتا تھا۔ اس دن گرمی کچھ زیادہ ہی تھی لیکن پھر بھی گھر باہر نکلنے کو دل چاہا اور میں ٹہلتا ہوا باہر آ گیا گرم لو کے تھپیڑے پھیلے ہوئے تھے باہر کا ماحول سنسان تھا۔ اندر تو پھر بھی درخت کی وجہ سے امن تھا لیکن باہر ایک ہو کا عالم طاری تھا اور دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ میں ٹہلتا ہوا دور نکل آیا۔ کافی فاصلے پر سرسوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر درختوں کا ایک وسیع سلسلہ تھا۔ یہ درخت یہاں کے کسی زمیندار نے لگائے تھے۔ بڑے گھنے اور سرسبز و شاداب تھے۔ میں انہی درختوں کی جانب بڑھ گیا لیکن وہاں میں نے کچھ افراد کو دیکھا جو میلے کچیلے چیتھڑوں میں ملبوس خاموش بیٹھے ہوئے تھے کچھ عجیب سا لگا ان کے بیٹھنے کا انداز ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی باقاعدہ قافلہ ہو جو گرمی سے گھبرا کر یہاں درختوں کی پناہ میں آ بیٹھا ہو لیکن ابھی میں ان سے تھوڑے فاصلے پر ہی تھا کہ اچانک وہ گردن سیدھی کر کے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے میں نے انہیں دیکھا تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ انسان نہیں تھے بلکہ انسانوں جیسے تھے۔ کھوپڑی بڑی بڑی آنکھیں انڈے کے برابر گردن بالکل تنگ اور سوکھے سوکھے بدن ان کے جسموں پر چیتھڑے لگے ہوئے تھے اور وہ چمکدار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے خوف زدہ ہو کر رخ بدلا اور واپس پلٹا لیکن یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اب میرے پیچھے نہ آبادی تھی اور نہ کوئی گھر بلکہ ایک وسیع و عریض میدان تھا۔ چاروں طرف زمین پھیلی ہوئی تھی جس پر جگہ جگہ پودے اگے ہوئے تھے۔ میں بری طرح چکرا کر رہ گیا کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ یہ کیا ہے۔ اچانک دو سوکھے سوکھے آدمیوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور پتلی پتلی ٹانگوں سے چلتے ہوئے میرے گرد دائرہ بنانے لگے۔ میں اب برداشت نہیں کر سکتا تھا اور میں نے دوڑ لگا دی تھی لیکن وہ سب بھی میرے پیچھے دوڑنے لگے تھے۔ چھوٹے چھوٹے قد و قامت کے مالک دوپہر کا ہو کا عالم اور یہ بھیانک کھیل وہ میرا پیچھا کر رہے تھے اور میں دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ بہت فاصلے پر پہنچنے کے بعد اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں اوندھے منہ گر پڑا۔ خاصی چوٹ لگی تھی۔ یہ خواب نہیں تھا۔ عالم ہوش میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ میں اور میرے خوف کی انتہا نہیں تھی میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔ میری وحشت عروج پر تھی۔ اپنی سوکھی سوکھی ٹانگوں سے فوجیوں کے سے انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے حلق سے اب ہلکی ہلکی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ تبھی ایک درخت کی شاخ پر مجھے دو ٹانگیں لٹکی ہوئی نظر آئیں اور رسیوں جیسی ٹانگیں اور ان کے اوپر ایک انسانی جسم اور ایک چہرہ لیکن یہ چہرہ میرے لیے شناسا سا تھا۔ یہ ہرچندی تھا جو درخت کی شاخ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھا ہوا ہنس رہا تھا۔۔۔

”جاؤ رے جاؤ بس کھیل ختم پیسہ ہضم اب ہماری باری ہے۔ بات کرنے دو ہمیں ارے بڑا لمبا ساتھ رہا ہے ہمارا ایسے نہیں چھوڑ سکتے اسے یار ہے اپنا۔ پاپیوں کے پھیر میں آ گیا تھا۔ بھٹک گیا تھا راستے پر لانے کی کوشش کریں گے۔ باز آ جائے گا مان لے گا۔ اب ہم سے اتنا جھگڑا تو نہیں ہے اس کا۔“ اور وہ سب جنہوں نے مجھے خوف زدہ کر رکھا تھا منتشر ہو گئے ہرچندی نے کہا۔۔۔۔

”آ جا ادھر آ جا رے ہم تو تجھے چھاؤں ہی دیں گے تجھے دھوپ میں تپانے والے اپنے آپ کو تیرا دوست کہتے ہیں۔ آ ہمارے پاس آ دوستی تو تیری ہم سے ہے پر بڑا برا نکلا بھائی اتنا سب کچھ عیش

آرام کرائے پر جا کے بیٹھ گیا ان کی گود میں ارے کوئی کمی چھوڑی تھی ہم نے پاگل کوئی کمی چھوڑی تھی۔ بول کیا کمی چھوڑ دی تھی ہم نے کوئی کسر رہ گئی ہو تو بتا۔'' میرے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی اتنی دور دوڑنے سے سینے کی جو حالت ہو رہی تھی اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر بھی بہر حال آگے بڑھا اور اس درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔

ہر چندی اسی طرح پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''یہ سنسار باسی بڑے عجیب ہوتے ہیں کہیں کہیں تو یہ بالکل پاگل ہوتے ہیں پاگل تو یوسف باگا تجھ سے بڑا پاگل میں نے کوئی اور نہیں دیکھا تھا بہت بڑے آدمی کا بیٹا تھا تو راجا کا بیٹا تھا ایک طرح سے وہاں پر تیرا کچھ تھا جس طرح تجھے نظر انداز کیا جاتا تھا جس طرح تیری بے عزتی ہوتی تھی۔ تجھے وہ ناپسند تھی۔ اسی لیے تو اپنے گھر سے بھاگا۔ تیرے اندر راجاؤں جیسی ساری باتیں موجود تھیں۔ خوبصورت لڑکیاں جوانی کا کھیل ہوتی ہیں۔ جوانی کے بعد بڑھاپا آجاتا ہے۔ مجھے ایک بات بتا نصیحت کرنے والے نصیحت کرتے ہیں اخلاق کی انسانیت کی دعوت دیتے ہیں۔ کوئی تجھے ایک دن کی جوانی دے سکتا ہے۔ کوئی نہیں دے سکتا اگر جوانی بھی پھیکی گزر جائے تو بتا مجھے جیون کوئی جیون ہوا۔ ارے اس سے تو موت اچھی میں نے تجھے کیا نہیں دیا' یا چل چھوڑ میری بات تو نے یہ بتا کون سے نیک کام کیے اب کیا کیا یاد دلاؤں تجھے کیسے چھوڑا تو نے ہیں جو کچھ تو کرتا چلا آیا تھا وہی کام تو میں نے تجھ سے لیے۔ اب جا پھنسا تو مرزا شمشاد بیگ کے چکر میں۔ بڑے میاں تو اپنا جیون بتا گئے نیکیوں کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ارے وہ ایک آگ والے سے دوستی کیا ہو گئی۔ آسمان سر پر اٹھا لیا انہوں نے۔ کیا نہیں معلوم ہمیں ان کی پوتی جو ہے نا ایک آگ والا اس پر عاشق ہے بس سمجھ لے اس کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکے بلکہ تعاون کرتے ہیں اس سے۔ اس لیے کہ بڑے میاں ان کے دوست ہیں ہماری جان کے پیچھے لگ گئے ہیں' سارے کے سارے۔ اتنے ساروں نے مل کر ہم سے ہماری شکتی چھینی اور ہمیں اس حد تک پہنچا دیا پر وہ بھی کیا یاد کریں گے۔ سمجھتے ہیں اگر اپنے آپ کو کچھ تو سمجھ لے اگر تو نہیں کرے گا ہمارا کام تو

پچاس کریں گے اس دنیا میں سب تیرے جیسے بے وقوف نہیں ہیں کہ ایسے دھندوں میں پڑ کر عیش کا جیون کھو بیٹھیں کیا نہیں کرا سکتے ہم؟ کیا نہیں ہے ہمارے پاس؟ تجھے ہمارا ساتھ دینا چاہئیے تھا کیا بگڑ جاتا تیرا بول؟ ہم اپنی اصل حیثیت پا لیتے اگر تو ہمارا ساتھ دیتا رہتا کسی نئے کو نئے سرے سے آگے بڑھانا پڑے گا۔ کام مشکل بھی ہو جائے گا اور لمبا بھی۔۔۔ یہی تو نہیں چاہتے ہم بول اب بھی بول ان دھندوں سے نکل کر ہماری بات مانے گا یا نہیں یا پھر ایسا کرتے ہیں کہ تو خود فرق محسوس کر لے اب ہم تجھے جس نئے سنسار میں بھیج رہے ہیں وہاں تیری زندگی کی ایک کتاب کھل جائے گی اور تو دیکھ سکے گا کہ کہاں کیا ہے۔ غور کرنا محسوس کرنا فرق محسوس کرنا اور سن اگر ماحول سے حالات سے اکتا جائے اور دیکھے کہ بات نہیں بن رہی ہے تو ہر چندی مہاراج کو پکار لینا۔ ہم تجھے جو کچھ بتائیں گے وہ کر کے اپنے آپ کو مشکلوں کے جال سے نکال لینا۔''

''تم کون سی مشکلوں کے جال میں پھنسانا چاہتے ہو مجھے۔''

''نہیں' نہیں' نہیں' زندگی کے خوبصورت رخ دکھائیں گے تجھے فیصلہ کرنا تیرا کام ہو گا کیا سمجھا۔ ذرا پلٹ کر دیکھ کیا ہے ادھر؟'' اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو شدت حیرت سے گم رہ گیا۔ کالے علم کے ماہر نے ایک بار پھر ماحول بدل دیا تھا۔ یہ ماحول سنگ مرمر کی دیواریں' حسین پردے' خوبصورت دروازے' محرابیں' چھتوں میں لٹکے ہوئے فانوس اور بدن کے نیچے آرام دہ مسہری میں اس مسہری پر لیٹا ہوا تھا۔ حالانکہ کچھ لمحے قبل میں اس ویران ماحول میں درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اور اس سے کچھ پہلے بے چارے احمد چچا کے مکان کے احاطے میں۔ لیکن اب منظر بالکل بدل گیا تھا۔ بدن کے نیچے جو آرام دہ مسہری تھی میں اس پر لیٹا ہوا تھا اور میرے اوپر ایک انتہائی خوبصورت کمبل پڑا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ لمحوں میں ہو گیا تھا میں نے اچھل کر مسہری کے نیچے چھلانگ لگا دی۔ آہا کیا خوبصورت عجیب و غریب ماحول تھا میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ہر چندی کا بھی کچھ پتا نہیں تھا پھر اچانک مجھے اپنے عقب

سے آواز سنائی دی۔ یہ کوئی نسوانی ہنسی تھی اور پردے کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو پردے کے پیچھے مجھے انسانی جسم نظر آیا اور میرے اس وقت سے منہ آواز نکل گئی۔

''کون ہے۔'' میں نے سہمی سہمی آواز میں کہا اور پھر وہی ہنسی سنائی دی۔ البتہ اس بار پردے میں جنبش ہوئی اور اس کے عقب سے ایک لڑکی نکل آئی۔ بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس ایک نوجوان لڑکی تھی۔ چہرے سے ہی شوخی برستی تھی۔ یہ بات آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بچپن ہی سے اس کمزوری کا شکار رہا تھا لیکن اب جو واقعات گزر رہے تھے انہوں نے مجھے سنبھال دیا تھا۔ میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''کون ہو تم۔۔۔''

''مہاراج! ہمیں نہیں پہچانتے۔۔۔۔''

''دیکھو میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔۔۔''

''ہائے رام کیا ہو گیا آپ کو۔۔۔''

''نہیں جواب دو گی تم۔۔۔''

''ارے سروپا ہیں ہم آپ کی سروپی۔۔۔''

''میری سروپی۔۔۔''

''تو اور کیا۔۔۔''

''کون سی جگہ ہے یہ۔۔۔۔''

''ارے اپنا گھر بھی بھول گئے آپ۔۔۔''

''میرا گھر۔۔۔''

''آپ یہاں نہیں رہتے۔۔۔۔''

''میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ میری بات کا جواب دو تم میں یہاں رہتا ہوں کہ نہیں۔۔۔ تو کون ہو؟''

''سروپا ہوں نا۔'' لڑکی اکتائی ہوئی آواز میں بولی اور اسی وقت عقب سے تین اور لڑکیاں اندر آ گئیں سب کی سب خوبصورت تھیں اور ایک خاص بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنا لباس اور اپنا انداز ہندو لڑکیوں جیسا بنا رکھا تھا۔ ہر چندی تو خیر میرے ذہن میں تھا ہی اور یہ بھی نہیں بھولا تھا کہ ابھی چند لمحات قبل اس نے جو الفاظ مجھ سے کہے تھے ان کا مطلب کیا ہے؟ تو یہ کیا ہے اس نے۔ کہا آنے والی لڑکیاں بھی کمسن اور نوخیز تھیں۔ ان کی صورتیں بھی خوبصورت تھیں' ان میں سے ایک لڑکی نے کہا۔

''اری سروپی کیا ہو گیا ہے تجھے کیسے منہ کھولے کھڑی ہے ہمارے کرن مہاراج اٹھ گئے یا نہیں۔''

''اٹھ تو گئے ہیں لیکن پتا نہیں کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' ان میں سے ایک لڑکی بولی۔۔۔

''دیکھ ذرا بات کران سے مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ تو کون ہے اور یہ جگہ کون سی ہے۔''

''مذاق کر رہے ہوں گے کیوں کرن جی بتایئے مذاق کر رہے ہیں نا۔''

''دیکھو میرا نام کرن نہیں ہے میں کون ہوں کیا ہوں تمہیں بعد میں بتاؤں گا پہلے تم مجھے اس جگہ کے بارے میں بتاؤ۔''

''آپ کا گھر ہے یہ۔''

''نہیں میرا گھر نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا اور وہ سب ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگیں پھر انہوں نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

''مہاراج رات کو کوئی ایسی ویسی چیز تو نہیں کھالی تھی آپ نے۔''

''دماغ خراب ہے تیرا گردن کٹوائے گی کیا اپنی مہاراج سے بدتمیزی کر رہی ہے۔'' سروپی نے کہا۔ پھر بولی۔۔۔

''مہاراج آپ آیئے صبح کا ناشتا تیار ہے منہ ہاتھ دھوئیں گے یا نہائیں گے۔''

''لڑکی اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں کرن نہیں ہوں کوئی اور ہوں تو اس کے جواب میں تم کیا

کھو گی۔"

"ہنسیں گے۔" تیسری لڑکی نے کہا اور سب کی سب بری طرح ہنسنے لگیں میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جانتا تھا کہ ہرچندی نے اپنا کھیل کھیل دیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اس کھیل کو کس طرح میں اپنے ذہن میں لاؤں ابھی یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ایک بار پھر دروازہ کھلا اور ایک اور قیامت آ گئی۔ لڑکی اندر داخل ہوئی اس کی عمر ان لڑکیوں سے کچھ زیادہ تھی اور اس کا لباس بھی انتہائی قیمتی تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چہرے کے نقوش خاصے دل آویز تھے اور اس کے انداز میں ایک تمکنت سی تھی۔ اس نے ان لڑکیوں کو دیکھا اور کہا۔

"کیا کر رہی ہو تم لوگ یہاں۔"

"کرن مہاراج کو جگانے آئے تھے کماری جی۔۔۔"

"سروپی کہاں گئی۔"

"میں ہوں نا کماری۔"

ان سب کو کیوں بلا لیا تم نے۔"

"میں نے نہیں بلایا ہے یہ خود ہی آئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ چلو اور ناشتا لگاؤ ہم آتے ہیں۔"

"جی کماری جی۔" انہوں نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئیں تب وہ لڑکی میری جانب متوجہ ہوئی اور اس نے کہا۔

"اگر نہانا چاہو تو نہا لو ناشتے میں دیر ہو جائے گی۔"

"کماری صاحبہ کچھ میری بھی سنیں گی۔"

"ارے کیا کہہ رہے ہو تمہارے انداز میں کوئی عجیب بات نہیں ہے۔"

"وہی کہنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"کیا۔"

حمیدی

"میں کرن نہیں ہوں۔"

"ہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"میں کرن نہیں ہوں اور ذرا غور کر کے بتائیے مجھے کہ یہ کرن مہاراج کون ہے؟ اور مجھے یہاں کیسے لایا گیا ہے۔ ایک نام لے رہا ہوں آپ کے سامنے اگر میری مصیبتوں کا باعث وہ حضرت ہیں تو انسانی رشتوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ذرا سی میری مدد کیجئے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں کیا ہو گیا۔ کیسی باتیں کر رہے ہو کرن۔ اے بھگوان اگر تم سنجیدہ ہو تو میں تو مر جاؤں گی۔"

"میری سنجیدگی سے آپ مر جائیں گے۔" میں نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"کرن کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" لڑکی کے انداز میں رو جانے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"اچھا مجھے جو کچھ ہوا ہے تم اس سے پریشان ہونا۔"

'ہوا کیا ہے تمہیں بھگوان کے لیے مجھے کچھ تو بتا دو۔"

"خیر آپ ہی بتائیے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"منہ ہاتھ دھو لو اور ناشتا کر لو کیا ہو گیا ہے؟ مجھے کچھ سمجھ آ ہی نہیں رہا۔"

"چلو ٹھیک ہے مجھے یہ بتاؤ غسل خانے کا دروازہ کس طرف ہے۔"

"وہ ہے نا۔" اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا میں اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا یقینی طور پر یہ اداکاری نہیں تھی۔ سب سے بڑا اداکار ہرچندی تھا جس نے یہ سیٹ لگایا تھا اور اب اس سیٹ پر ڈرامے کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس ڈرامے کے کردار جو کوئی بھی ہیں میرا ان سے کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن ہرچندی بہرحال میں غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ اندر داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر لیا انتہائی جدید طرز کا غسل خانہ تھا۔ صابن جس کی خوشبوئیں فضا میں گردش کر رہی تھیں اس کے علاوہ پرفیوم غرضیکہ ہر چیز سے نفاست اور امارت کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے لباس اتارا اور شاور کے نیچے نہانے لگا۔ کافی دیر تک نہاتا رہا سر پر گرنے والا پانی دماغ میں خیالات کو بھی ٹھنڈا کر رہا

تھا۔سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی بیدار ہو رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ ہرچندی نے آخری الفاظ کیا کہے تھے۔اس کمبخت جادوگر کے بس میں ساری ہی چیزیں تو تھیں لمحوں میں ماحول بدل دیا کرتا تھا اور یہ بدلا ہوا ماحول کیا کرنا چاہتا ہے اور کیا دکھانا چاہتا ہے وہ؟ ضرورت سے زیادہ وقت غسل خانے میں لگایا۔شمشاد بیگ عالم علی اور اس کے بعد آخری کردار احمد چچا اور رشیدہ چچی یہ سب ذہن میں تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے اب؟ اس دوران کسی بھی سمت سے شمشاد بیگ یا عالم علی کی طرف سے کوئی مدد نہیں ہوئی تھی اور میں مسلسل ہرچندی کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔اپنے طور پر جتنا کر سکتا تھا اتنا ہی کیا تھک کر چور ہو چکا تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ تھک کر چور ہو گیا تھا لیکن کچھ نہیں کر پایا تھا ہرچندی کے خلاف اور اب ہرچندی نے مجھے فٹ بال بنایا ہوا تھا۔کک لگائی اور ادھر پہنچا دیا کک لگائی ادھر پہنچا دیا اور میں ابھی تک لاتیں ہی کھا رہا تھا اس کے ذہن میں ابال اٹھ رہے تھے لیکن بہرحال اپنے صبر کو آزمانا چاہتا تھا۔اس وقت تک جب تک بالکل ہی بے صبر نہ ہو جاؤں۔کافی دیر تک میں اسی طرح شاور کے نیچے بیٹھا رہا اور پھر کپڑے پہن کر باہر نکل آیا۔وہی لڑکی جسے کماری کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا پڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھی غالباً اخبار پڑھ رہی تھی۔مجھے دیکھ کر ایک دم سنبھل گئی اور چونک کر بولی۔

''ارے وہی کپڑے پہن لیے تم نے کرن۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''واہ کیسے ٹھیک ہو یہ تمہارے کپڑے لیے جو میں بیٹھی ہوں میں نے سوچا تم آواز دے کر کپڑے مانگو گے۔''

میں نے گہری نگاہوں سے دیکھا پھر کہا۔

''کیا میرے اور تمہارے درمیان ایسا کوئی رشتہ ہے؟ جس کے تحت میں آواز دے کر تم سے کپڑے مانگوں۔''

''ہائے رام اب بھی ٹھیک نہیں ہوئے میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی خواب دیکھا ہے تم خواب دیکھنے کے عادی ہو اور جو کچھ خواب میں دیکھتے ہو اسے حقیقت سمجھ کر کافی دیر تک پریشان کرتے ہو لیکن نہانے کے بعد بھی تمہاری یہی کیفیت ہے۔''

''ہوں ٹھیک چلو ٹھیک ہے دیکھتے ہیں۔''

''بھگوان کی سوگند میں تو بڑی پریشان ہو گئی ہوں۔''

''پریشان نہ ہو لاؤ یہ کپڑے مجھے دو۔'' میں نے کہا اور کپڑے لے کر واش روم میں داخل ہو گیا۔کچھ لمحوں کے بعد میں نے اپنے آپ کو بنا سنوار کر تیار کیا۔لباس میرے بدن پر مکمل تھا چنانچہ میں باہر نکلا وہ مجھے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔اس نے مجھے کہا۔

''چلیں۔''

''ظاہر ہے چلنا ہے۔'' میں نے شانے ہلائے اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا کمرے کے باہر ایک طویل راہداری تھی جس میں انتہائی قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔راہداری میں دونوں طرف کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔دیواروں میں بھی روشنیاں نصب تھیں چھت پر فانوس لٹکے ہوئے تھے اور بہت خوب صورت جگہ تھی یہ اس کا اختتام ایک کمرے پر ہوا جس کا دروازہ اس لڑکی نے آگے بڑھ کر کھولا تھا اور مجھے اندر چلنے کا اشارہ کیا تھا۔یہ کمرہ بھی بہت بڑا تھا اور اس میں ایک قیمتی میز بچھی ہوئی تھی اور اس کے گرد کرسیاں' اس نے آگے بڑھ کر ایک کرسی میرے لیے کھینچی اور میں کرسی پر بیٹھ گیا البتہ بیٹھتے ہوئے میں نے ایک بات سوچی تھی وہ یہ کہ کالے جادو کے ماہر ہر طرح کے ماحول پر قادر ہوتے ہیں۔اس شخص نے مجھے اس ماحول میں بھیجا تھا یہاں وہ تمام جدید لوازمات موجود تھے جن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔بہرحال اس کے بعد میز پر ملازمائیں ناشتا لگانے لگیں۔ابھی تک میں نے کسی مرد کو نہیں دیکھا تھا۔جو ملازمائیں ناشتا لگا رہی تھیں۔وہ بھی خوبصورت لڑکیاں تھی۔اس بات کا مطلب بھی میں سمجھ رہا تھا ہرچندی میری بچپن کی فطرت کو جانتا تھا اور اپنے جال میں پھانسنے کے لیے مجھے اس نے حسن کا جال بچھا دیا تھا۔بہرحال ناشتا کرنا تھا میں نے اس میں کوئی تکلف نہیں کیا اور خوب ڈٹ کر ناشتا کیا۔لڑکی خود بھی میرا ساتھ

دے رہی تھی دوسری لڑکیاں اسے ''کماری'' کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ میں نے بھی ایک دوبار اسے کماری کہہ کر پکارا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیسی کماری ہے اور کیوں ہے اور یہاں اس کا منصب کیا ہے۔ میں تو بس اتنا جانتا تھا کہ ہرچندی نے مجھے یہاں بھیجا ہے اور وہ چالاک شخص ہرطرح سے مجھے اپنے جال میں گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ ناشتے سے فراغت حاصل ہوئی تو اس نے کہا۔

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا۔''

''کیوں۔''

''میری طبیعت پہلے بھی ٹھیک تھی اب بھی ہے۔''

''اور تم جو کہہ رہے تھے کہ تم ماحول کو بھول گئے ہو۔'' اس نے کہا اور میں اسے دیکھنے لگا پھر مجھے ہنسی آگئی اور میں نے کہا۔

''اس بات پر تمہیں کچھ زیادہ تشویش نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہوتی تمہاری دیکھ بھال کی ذمے داری مجھ پر جو ہے۔''

''اچھا اچھا تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ ذمے داری تمہارے شانوں پر کس نے رکھی ہے۔''

''کرن کیسی باتیں کر رہے ہو۔'' وہ پریشان انداز میں بولی اور میں اسے دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ تمہاری سمجھ میں بھی اچھی طرح آرہا ہے اچھا ایک بات بتاؤ۔''

''ہاں پوچھو۔''

''تمہارا نام کیا ہے۔''

''نام بھی بھول گئے میرا۔'' وہ ناز بھرے انداز میں بولی۔

''بتادو بتادو میں کیا بھول گیا ہوں اور مجھے کیا یاد ہے اس چکر میں نہ پڑو کیا نام ہے تمہارا؟''

''مونیکا۔ اور تم مجھے مونی کہتے ہو۔''

''گڈ وہی باتیں ہیں مس مونیکا۔''

''کیا۔''

''یا تو آپ کو بھی بے وقوف بنایا گیا ہے یا پھر آپ مجھے بے وقوف بنانے والوں میں شامل ہیں۔''

''کیوں آخر کیوں۔''

''اس لیے کہ میرا نام کرن نہیں یوسف باگا ہے۔''

''نہیں پلیز ایسی بات مت کرو۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب جو کچھ بھی ہو میں اس کے جواب میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ اتنا میں جانتا ہوں کہ جس شخص کے جال میں' میں پھنسا ہوا ہوں اس میں سب کچھ کرنے کی طاقت موجود ہے۔'' وہ مجھے پریشان نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''آؤ چلو باہر چلتے ہیں تازہ ہوا میں چل کر شاید تمہارے ذہن سے تمہارا یہ خواب شاید صاف ہوجائے۔''

''چلئے چلئے مونیکا صاحبہ اور بھی جو ہدایات آپ کو دی گئی ہیں ان پر عمل کیجئے آپ کو خوشی ہوگی کہ میں آپ سے مکمل تعاون کروں گا۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ شیطان کا مقابلہ میں نہیں کرسکتا اور جن لوگوں نے مجھے اس کے مقابلے میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ وہ شاید اپنا فرض بھول گئے ہیں۔ چلئے۔'' میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا وہ مجھ سے چند قدم آگے بڑھ کر دروازے پر پہنچی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی پھر ہم لوگ آگے پیچھے چلنے لگے۔ یہ راہداری آگے جا کر دائیں سمت مڑ جاتی تھی ہم لوگ بھی اس جانب مڑ گئے۔ میں نے چند قدم کے فاصلے پر ایک بڑا سا دروازہ دیکھا جس کی لکڑی پر انتہائی خوبصورت نقوش بنے ہوئے تھے۔ مونیکا مجھ سے آگے آگے چل رہی تھی۔ اس نے دروازے کو کھولا اور ہم اس میں سے گزر کر باہر آگئے۔ باہر تا حد نظر ایک وسیع و عریض لان پھیلا ہوا تھا اور اس وسیع و عریض لان کا اختتام اس چار دیواری پر ہوتا تھا جس میں لوہے کا بڑا سا

گیٹ لگا ہوا تھا۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ مگر ماحول کی دلکشی سے میں انکار نہیں کر سکتا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ اگر ذہن پر عالم علی اور شمشاد بیگ کی نصیحتوں کے اثرات نہ ہوتے تو شاید ہرچندی سے کہہ کر میں اس ماحول کو مستقل کر لیتا یہاں حسن کے ذخائر تھے۔ باغ میں بھی مجھے چلتے پھرتے پھول نظر آئے تھے۔ حسین لباسوں میں ملبوس حسن و جمال کے پیکر لیکن مونیکا مجھ پر ایک طرح سے مسلط تھی اور پھر ہم لوگ آگے بڑھتے چلے گئے۔ کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد سنگ مرمر کے حوض کے کنارے وہ ایک بینچ پر بیٹھ گئی اور اس نے مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ میرے سامنے بیٹھ گئی اور میں شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

''مونیکا تم بہت خوبصورت ہو۔''

''میرے ساتھ بےکار کی باتیں مت کرو۔''

''ارے کیوں۔''

''بس سچی بات یہ ہے کہ تم نے بھی دل توڑ دیا ہے۔ دیکھو کرن اگر تم مذاق کر رہے ہو تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ عورت کا دل کتنا کمزور ہوتا ہے۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''پتھر ہو گئے ہو پتھر پتا نہیں کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''لڑکی کتنی دیر تک بےوقوف بناؤ گی یہ بتاؤ۔''

''تمہیں بےوقوف بنا رہی ہوں میں۔''

''تو اور کیا میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو یا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہو اور یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کیا سمجھیں۔'' وہ عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''پاگل ہو جاؤں گی میں تو ایک بات جو میری سمجھ میں آ رہی ہو بالکل سمجھ میں آئی میری کیا ہوا ہے کیا نہیں ہوا۔ ارے بابا تم کرن ہو کرن کمار اور میں کماری مونیکا ہوں۔''

''اب ہمارے ماتا پتا پرتھوی راج اور سنجوگتا ہوں گے۔'' میں نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی اور کہا۔

''بھگوان کی سوگند کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا میرے کچھ نہیں سمجھ میں آ رہا میں تو پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔''

اور پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر عمارت میں چلی گئی میں اکیلا بیٹھا رہ گیا تھا اور مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ لڑکی واقعی اس بارے میں کچھ نہ جانتی ہو یہ سارا کام ہرچندی کا ہے لیکن اب کیا کیا جائے یا تو ان لوگوں کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزارا جائے دیکھا جائے کہ ہرچندی جی آخر چاہتے کیا ہیں؟ ان کا کیا مقصد ہے؟ پھر اس کے بعد حالات اور موقع کو سمجھ کر عمل کیا جائے لیکن اپنے آپ کو کرن تسلیم کرنا ایک طرح سے مناسب نہیں ہوگا۔ وقت کافی گزر گیا اور پھر میں بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ یوں باقی دن میرا اپنے کمرے میں ہی گزرا تھا۔ مختلف قسم کے خیالات دل و دماغ میں آتے رہے تھے فیصلہ کرنا تھا اپنے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کرنا تھا۔ ذہن بھٹک رہا تھا۔ دل کہہ رہا تھا کہ ہرچندی سے ایک بار پھر تعاون شروع کر دیا جائے۔ ابھی اس کا معاملہ ہے کہ وہ کس طرح صورت حال کو سنبھالے گا یعنی یہ کہ وہ کیسے باقی لوگوں یا مرزا شمشاد بیگ سے نمٹے گا۔ ماحول کو وہی پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد صورت حال ہمارے بس میں آتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ شام کو پانچ ساڑھے پانچ کے قریب مونیکا میرے پاس آ گئی اور سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگی۔

''میں کتنی پریشان ہوں کرن تم نہیں جانتے۔''

''مونیکا پریشانی ذہن سے نکال دو میں تم سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بولو کیا بات ہے؟''

''تم کون ہو تمہارے ماتا پتا کون ہیں۔ میرا تم سے کب سے رابطہ ہے کیا صورت حال ہے؟ اس کے بارے میں کچھ بتاؤ گی۔''

''کیا بتاؤں میں بولو کیا بتاؤں۔''

''جو میں نے پوچھا ہے۔''

''میرا تو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔''

''چلو یہ بتا دو کہ یہ جگہ کون سی ہے۔'' میں نے سوال کیا پہلے وہ خاموشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''آج نہیں کل پوچھنا مجھ سے کل بتاؤں گی تمہیں اس بارے میں کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں۔ سب پتا چل جائے گا۔''

''ٹھیک ہے کل سہی پھر دوسری صبح بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں گیا اور جب خوب غسل کر کے باہر نکلا تو مونیکا باہر موجود تھی۔ اس نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔'' ناشتا کر لو اس کے بعد میں تمہیں شہر کی سیر کرواؤں گی پھر بتانا مجھے کہ تم کون ہو؟ کرن ہو کہ نہیں۔'' میں ہنس پڑا۔

''مونیکا تم خود بھی جانتی ہو کہ حقیقتیں کیا ہیں؟ اگر تم نہ جانتی ہوتیں تو مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیتیں۔ دیکھو تمام حقیقتیں میرے علم میں ہیں۔ ہرچندی نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے علم میں ہے لیکن تم اپنا کردار اس میں شامل نہ کرو اور مجھے بے وقوف نہ بناؤ یہ میرے نہیں تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

''ہائے رام میرا کیا ہوگا؟'' اس نے درد بھری آواز میں کہا۔ پھر بولی۔

''تیار ہو جاؤ کچھ دیر کے بعد ہم باہر نکلیں گے۔'' وہ چلی گئی میں نے لباس وغیرہ اپنی پسند کے مطابق پہنا اور سوچنے لگا کہ دیکھوں تو کہ یہ کون سی جادونگری ہے اور ہرچندی نے کیا کیا انتظامات کر ڈالے ہیں اس جادونگری میں۔ پھر مونیکا ہی مجھے بلانے کے لیے آئی تھی اور میں اس کے ساتھ بیرونی دروازے سے باہر نکل آیا تھا۔ باہر چار گھوڑوں کی ایک بگھی کھڑی ہوئی تھی۔ گھوڑوں کے رنگ گہرے کالے تھے بگھی بہت خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آنے لگے۔ اگر یہ صرف ایک جادونگری ہے اور ایک جلی کٹی شکل والا بدصورت جادوگر اپنے جادو کے عمل سے ایک ایسی دنیا آباد کر سکتا ہے تو واقعی یہ کمال کی بات ہے۔ ایسی دنیا عام تو نہیں ہو سکتی۔ بہرحال ہم بگھی میں جا بیٹھے مونیکا بھی میرے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے بعد کوچوان نے بگھی آگے بڑھا دی۔ عظیم الشان عمارت کا گیٹ بھی کافی دور تھا اور باوردی افراد اس کے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے۔ باہر نکل آئے کافی دور تک علاقہ کافی سنسان ہی نظر آیا تھا پھر کچے پکے مکان نظر آئے کچھ اور آگے بڑھے تو ایک بازار دکھائی دیا۔ ہم جدھر سے گزر رہے تھے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر ہاتھ جوڑ رہے تھے اور راستہ دے رہے تھے۔ کچھ نے آوازیں بھی لگائی تھیں۔ ''مہاراج کرن کمار کی جے کماری مونیکا کی جے۔'' مونیکا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔

''پہلے تو میں صرف کہہ رہی تھی تمہیں کرن گھر کی باندیاں کہہ رہی تھیں یاد کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی ہوگی۔ کرن کمار جی۔''

''کون ہیں یہ لوگ۔''

''ہماری رعایا ہیں ہمارے شہر میں رہتے ہیں یہ ہماری زمین پر کھاتے ہیں۔'' کافی دیر تک رعایا میں اور راج کمار کا یہ کھیل دیکھتا رہا اور اس کے بعد ہم واپسی پر اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ واپس آ کر میں اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور سر سہلاتے ہوئے یہ سوچنے لگا تھا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس نے بہت بڑا جال پھیلا رکھا ہے۔ اس کے بعد دو دن اسی طرح گزر گئے۔ عیش و عشرت کی زندگی کھانے پینے کے مزے یہ بات میں نے اچھی طرح محسوس کر لی تھی کہ یہاں موجود تمام لڑکیوں کی آنکھوں میں میرے لیے التفات کے آثار تھے اور اگر میں ان میں سے کسی ایک کی طرف قدم بڑھاتا تو میری پذیرائی کی جاتی لیکن اتنی عقل ضرور تھی کہ ہرچندی کے اس حربے کو پہچان لوں۔ وہ ہر طرح سے مجھے جال میں پھانسنا چاہتا تھا لیکن میں کم از کم اس طرح اس کے جال میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا۔ خاصا وقت اسی طرح گزر گیا اور پھر چوتھے دن مونیکا نے مجھ سے کہا۔

''کل بھوانی پوجا ہے کالی مائی اور بھوانی دیوی کی پوجا کے لیے ہمیں کالکا مندر چلنا ہے' تیار رہنا۔''

میرے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔ میں نے کہا۔

''مونیکا تم جانتی ہو میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔''

''مطلب۔'' اس نے حیرانی سے کہا اور میری آنکھوں میں غصے کے آثار نمودار ہو گئے۔ پتا نہیں میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا اور میں نے ایک فیصلہ کیا میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے جیسا تم کہو گی میں ویسا کروں گا کیا سمجھیں۔''

''کوئی بات ہو تو تم مجھے بتاؤ۔''

''جاؤ کل کس وقت جانا ہے؟''

''میں تمہیں بتا دوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا جیسے اس پر کوئی گھبراہٹ سی طاری ہو پھر دوسرے دن تیاریاں کی گئیں۔ مونیکا میرے پاس آ گئی تھی اور اس نے بڑے خوبصورت لباس میرے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اس میں سے اپنی پسند کے کپڑے پہن لو۔''

''چلو تم ہی نکال دو ہم بھوانی پوجا کے لیے جا رہے ہیں نا۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اس وقت کئی لڑکیاں میرے پاس تھیں اور خود مونیکا بھی میری تیاری میں میرا ساتھ دے رہی تھی۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد مونیکا نے غور سے مجھے دیکھا اور بولی۔

''کالا ٹیکا لگاؤں گی۔ بھگوان کی سوگند اتنے سندر لگ رہے ہو سوچ بھی نہیں سکتی۔'' میں نے خاموشی سے گردن ہلائی اور اس کے بعد اس کے ساتھ باہر چل پڑا۔ راہداری سے گزر کر ہم بیرونی دروازے سے باہر آ گئے۔ یہاں وہی چاروں لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں اور سامنے بگھی۔ کچھ دیر کے بعد ہم بگھی میں بیٹھ گئے اور سیدھے راستے کی طرف جانے کی بجائے بائیں طرف

چل پڑے۔ ویرانوں کا سفر شروع ہو گیا یہ جگہ زیادہ سرسبز و شاداب نہیں تھی۔ بس کہیں کہیں کھیت نظر آ جاتے تھے جن میں لوگ کام کر رہے تھے لیکن آگے جا کر ان کھیتوں کا سلسلہ بھی بند ہو گیا اور اب ہر طرف میدان نظر آنے لگا۔ یہ راستہ وہ نہیں تھا جس سے پچھلی بار گزر کر ہم شہر میں آئے تھے۔ بلکہ یہ ذرا مختلف ہی راستہ تھا ہر طرف چٹیل میدان پھیلا ہوا تھا۔ گھوڑے میدانوں میں کافی دیر تک دوڑتے رہے اور پھر دور سے ایک عجیب سی عمارت نظر آئی۔ کالی سیاہ عمارت جو دیکھنے میں ہی بھیانک لگتی تھی۔ اس عمارت سے ہمارا فاصلہ کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ گھوڑوں کی رفتار بھی سست ہو چکی تھی۔ بگھی عین اس عمارت کے سامنے جا کر رک گئی۔ عمارت کا رنگ بالکل کالا تھا اور یہ کالا ہی یا اپنی عمر کی وجہ سے کالا نہیں ہوا تھا بلکہ اس پر کالا رنگ کیا گیا تھا۔ دیواروں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ان کا رنگ ابھی سوکھا ہو۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ دوسری بگھی ہمارے پیچھے آ رہی ہے اور اس بگھی پر وہی چاروں لڑکیاں موجود تھیں یہ تو مجھے اس وقت پتا چلا جب وہ اپنی بگھی سے اتر کر ہمارے پاس آ گئیں۔

''جاؤ اور پجاریوں سے کہو مہاراج کرن آئے ہیں۔ ان کا سواگت کریں۔'' لڑکیاں آگے بڑھ گئیں اور کچھ دیر کے بعد کچھ بدشکل پجاری باہر آ گئے۔ یہ سفید سفید لباس پہنے ہوئے تھے انہوں نے بھی اپنے چہروں پر کالا رنگ ملا ہوا تھا اور ہونٹوں کو کسی انتہائی گہرے رنگ سے سرخ کیا ہوا تھا۔ سر گھٹے ہوئے تھے درمیان میں چھوٹی چھوٹی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں اور پھر ہم سب اندر کی طرف چل پڑے۔ اس عمارت کی ساخت بھی بڑی عجیب تھی اوپر تک جانے کے لیے دس سیڑھیاں بنائی گئی تھیں اور ان سیڑھیوں پر ایسی ہی کالی شکل والے پجاری نظر آئے تھے۔ ہم لوگ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے اوپر چڑھنے لگے۔ وہ سب بڑے ادب سے ہمارے سامنے ہاتھ جوڑ رہے تھے اور گردن جھکا رہے تھے۔ مونیکا بھی اشاروں سے ان کو جواب دے رہی تھی۔ پھر یہ سیڑھیاں ختم کرنے کے بعد ایک دالان جیسی جگہ سامنے آئی ایک بڑا سا دروازہ اس دالان تک جانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دروازے سے گزرنے کے بعد ایک ہال نما کمرہ

آ گیا جس میں سامنے ہی ایک بڑا چبوترہ بنا ہوا تھا اور اس چبوترے پر کالی کا مجسمہ نصب تھا۔ کالا منہ سرخ زبان باہر نکلی ہوئی بہت سے ہاتھ سر پر تاج پہنے ہوئے نحوست کا مجسمہ جو اس ہیبت ناک ماحول میں عجیب وغریب لگ رہا تھا۔ پجاری نصف دائرے کی شکل میں اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مجسمے کے عقب سے چار لمبے تڑنگے آدمی نمودار ہوئے انہوں نے ہاتھوں میں بڑے بڑے برتن اٹھا رکھے تھے۔ یہ چاروں آدمی آگے بڑھ آئے اور اس مجسمے کے قدموں میں برتن رکھنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ ان برتنوں میں سرخ سرخ خون تھا۔ شاید انسانی خون جو تازہ تازہ حاصل کیا گیا تھا۔ وہ کالی دیوی کو انسانی خون کی بھینٹ دے رہے تھے۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پجاری آہستہ آہستہ آواز میں کچھ پڑھ رہے تھے اور مونیکا بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ ماحول میں ایک عجیب سی بھنبھناہٹ ہو رہی تھی اور ذہن سوتا سا جا رہا تھا۔ دیر تک یہ پوجا جاری رہی۔ میں خاموشی سے کالی دیوی کے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا لیکن اللہ کا شکر تھا کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور میں ان سب کی احمقانہ حرکتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور کچھ نہیں تو کم از کم کالے جادو کے ماہروں کے بارے میں ہی تھوڑی سی معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔ غالباً یہ کالی پوجا کی جا رہی تھی۔ جب پوجا ہو گئی تو اچانک ہی لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ مونیکا نے مجھے دیکھا اور بولی۔

''دیوداسیاں آ رہی ہیں تھوڑا سا پیچھے ہو جاؤ۔'' میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ دیوداسیاں خوبصورت لباسوں میں ملبوس خوبصورت لڑکیاں تھیں جو کالی کے سامنے آ کر رقص کرنے لگیں۔ کوئی بیس منٹ تک یہ رقص جاری رہا اور اس کے بعد وہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر واپس چلی گئیں۔ کالی دیوی کا مجسمہ اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا لیکن اس وقت میں خود حیران رہ گیا جب اچانک ہی میں نے اس مجسمے کے ہاتھ ہلتے ہوئے محسوس کیے۔ وہاں موجود کئی پجاری گھٹنے کے بل بیٹھ گئے اور انہوں نے زوردار آواز لگائی۔ ''جے مہا کالی۔'' اور اس کے بعد وہ سجدے میں چلے گئے خود مونیکا بھی بیٹھ کر سجدہ کرنے لگی تھی لیکن اچانک ہی اس نے سجدے سے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور

بولی۔

''کرن۔''

''جی کماری جی۔'' میں طنزیہ لہجے میں بولا۔

''سجدہ کرو کالی دیوی کو سجدہ کرو۔''

''دماغ میں کچھ زیادہ خرابی ہو گئی ہے۔ میں جوتے کی ایک ٹھوکر تمہارے سر پر رسید کر کے تمہارا دماغ تو درست کر سکتا ہوں۔ اس سے آگے مجھ سے کچھ نہ کہنا۔'' میں نے مونیکا کو لرزتے ہوئے دیکھا وہ جلدی سے بولی۔

''کرن۔'' اس کے لہجے میں گہرا خوف تھا۔

''بے وقوف عورت کتنی بار تجھے بتایا ہے میں نے کہ میں کرن نہیں ہوں میرا نام یوسف باگا ہے۔ مسلمان ہوں میں اللہ کے فضل سے۔ مسلمان گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ بے شک شیطان نے میرے اوپر غلبہ حاصل کیا اور میں ایک عمر بھٹکتے ہوئے گزارتا رہا۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اپنے مذہب کی توہین میں نے کبھی نہیں کی۔ تو اس پتھر کے بت کو مجھ سے سجدہ کرنے کو کہہ رہی ہے۔ میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلنے دے جو کسی کے مذہب کے جذبات کو خراب کرے۔ تم لوگ جو تماشہ کر رہے ہو میں اسے دلچسپی سے دیکھ رہا ہوں اپنا تماشہ جاری رکھو۔'' وہ سب حیرت سے منہ اٹھائے مجھے دیکھ رہے تھے۔ مونیکا نے ادھر ادھر دیکھا پھر گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''چلو واپس چلو چلو تم سب واپس چلو۔'' اور وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔ میں بھی آہستہ آہستہ وہاں سے باہر نکل آیا تھا وہ سب حیران پریشان کھڑی بگھی کے قریب میرا راستہ تک رہی تھیں۔ میں مسکراتا ہوا آ گیا اور بولا۔

''کیا میں تمہارے ساتھ چلوں مونیکا۔''

''نہیں چلو گے کیا اے بھگوان کیا ہو گیا ہے یہ تو سب کچھ ہی بگڑ گیا۔''

''جب سنور جائے اور بن جائے تو مجھے بھی بتا دینا۔ میرا خیال ہے اب تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو گی۔''

''ارے نہیں نہیں چلو نا تم میرے ساتھ چلو بھگوان جانے کیا ہو گیا ہے ہمارا ہی دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر یا پھر۔'' میں مسکراتا ہوا بگھی میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ سب سہمی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور میں مسکرا رہا تھا۔ اب یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ہرچندی نے مجھے یہاں بلاوجہ تو نہیں بھیج دیا ہوگا بلکہ یہ جگہ اس کے لیے اپنی جادو نگری ہوگی کیونکہ یہ سب مجھے جس انداز میں خوش آمدید کہہ رہے تھے اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔ غرض یہ کہ میں واپس آ گیا تھوڑا سا ماحول بدل گیا تھا اور سہمی ہوئی لڑکیاں دوبارہ میرے پاس آنے سے کترا رہی تھیں۔ وہی دلچسپ بات اب بھی تھی۔ محل میں مجھے مرد نظر نہیں آئے تھے۔ باقی دن گزر گیا ہرچندی اپنے طور پر ہر طرح کی کوششیں کر رہا تھا لیکن میں بھی شاید اس بار کچھ ستم ظریفی کے موڈ میں آ گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں نے یہاں بکھرے ہوئے حسن کو ٹھکرا دیا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ گیا اور یہ سوچنے لگا کہ آج جو کچھ ہوا ہے اس کے نتیجے میں ہرچندی پر کیا ردعمل ہوتا ہے۔ رات کو پرسکون نیند آئی صبح کو جب تیز دھوپ آنکھوں کو چبھنے لگی تو میں نے آنکھیں کھول دیں لیکن پھر تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی کیونکہ میری یہ خواب گاہ ایسی جگہ نہیں تھی۔ جہاں دھوپ آتی ہو۔ میں نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اور ایک دم میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ارے میری مسہری کہاں گئی وہ بستر وہ کمرہ کچھ بھی تو نہیں تھا۔ یہ تو وہ کمرہ نہیں تھا جس میں میں سونے کے لیے لیٹا تھا۔ اس کے در و دیوار مختلف تھے۔ دھوپ ایک مخصوص روشندان سے اندر آ رہی تھی اور میں زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر زمین پر دو لڑکے اور موجود تھے۔ وہ بھی شاید سو رہے تھے ان کے کپڑے بھی میلے کچیلے سے تھے۔ میں نے اپنے لباس پر نظر ڈالی اور ایک بار پھر میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یہ وہ کپڑے تو نہیں تھے جنہیں پہن کر میں سویا تھا ابھی میں انہی سوچوں میں تھا کہ مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کچھ اور تو سمجھ میں نہیں آیا۔ خاموشی سے اپنی جگہ لیٹے لیٹے آنکھیں بند کر لیں۔ قدموں کی چاپ قریب آتی جا رہی تھی لیکن پھر ایک ٹھوکر مجھے اپنی ٹانگ پر محسوس ہوئی اور میرے حلق سے آواز سی نکل گئی۔ ساتھ ہی ایک بھرائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

''نواب کے بچے ابھی تک پڑا اینٹھ رہا ہے۔ اٹھ جا کام پر نہیں جائے گا۔'' میں نے اس طرح آنکھیں کھول دیں جیسے ابھی نیند سے جاگا ہوں۔ جو شخص میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بھیانک چہرے والا ٹھوڑی سے لے کر کان تک گہرے زخم کا نشان' بدن انتہائی طاقت ور تھا۔ بنیان اور دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ اس نے دوسری ٹھوکر لگائی تو میں جلدی سے پیچھے سرک گیا۔

''اٹھ جا لاٹ صاحب کے بچے کام پر تیرا باپ جائے گا کیا اور یہ کتیا کے پلے بھی ابھی تک سو رہے ہیں۔ ابے اٹھو۔'' اس نے ایک موٹی سی گالی ان دونوں کو بکی اور ایک ایک لات ان کے بھی جما دی وہ دونوں بھی آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''پیٹ بھر کر روٹی مل رہی ہے نا تو نیند آتی ہے تو آنکھیں کھلنے کا نام نہیں لیتیں۔ بیٹا تین دن کا فاقہ کراؤں گا ہوش میں آ جاؤ گے چلو اٹھو۔''

''جی سرکار دادا۔'' انہوں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا اور پھر وہ جلدی سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ سرکار دادا ہماری طرف متوجہ ہوا اور بولا۔

''چلو تم لوگ بھی تیار ہو جاؤ فٹافٹ۔'' پھر میں بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک لڑکا میرے ساتھ جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک لڑکا میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ہمت کر کے اس سے پوچھا۔

''سنو مجھے ایک بات کا جواب دو گے۔''

''بول چاند زادے۔'' اس نے کہا۔

''کیا نام ہے تیرا۔''

''ابے کھوپڑی آؤٹ ہو گئی ہے کیا۔''

''کیوں میں نے صرف تمہارا نام پوچھا ہے۔''

''میرا نام تو کیوں بھول گیا ہے بھتنی کے۔''

''بات سن ہوش میں آ کر بات کر ایک تھپڑ پڑے گا منہ پر تو گردن ٹوٹ جائے گی۔'' میں نے

غرائی ہوئی آواز میں کہا اور وہ حیرانی سے میری شکل دیکھنے لگا۔

’’لگتا ہے سرکار دادا نے تیرے بھی زور دار لات جما دی ہے ابے میرا نام پینٹر ہے پینٹر' پینٹر کو بھول گیا۔‘‘

’’پینٹر تیرا نام ہے۔‘‘

’’تو اور کیا تیرا نام ہے۔‘‘

’’میرا نام کیا ہے۔‘‘

’’لے کھسک گیا تو بھائی کھسک گیا تجھے اپنا نام بھی یاد نہیں ہے ہم سب تجھے بھورے کے نام سے پکارتے ہیں۔‘‘

’’بھورے اور وہ جو دوسرا تمہارے ساتھ تھا۔‘‘

’’وہ شادو ہے۔‘‘

’’خوب اور یہ کون سی جگہ ہے۔‘‘

’’ابے پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ ویسے آج تو ایکٹنگ اچھی کر رہا ہے ابے پارٹنر' کسی فلم ولم میں چانس لینا ہے کیا۔‘‘

’’جگہ کا نام بتا دے پیارے بھائی۔‘‘

’’بیٹا سرکار دادا کو پتا چل گیا تو تیری کھوپڑی یہیں درست کر دے گا۔‘‘

’’سرکار دادا کون ہے؟‘‘

’’ٹھیک آج تو ساری دنیا کو بھول گیا ہے لگتا ہے رات کو کوئی گرم چیز کھالی تھی۔ ابے چل جلدی کر بھائی کام پر جانا ہے ورنہ سرکار دادا مار مار کر حلیہ خراب کر دے گا۔‘‘

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خاموش ہو گیا۔ ماحول بدل گیا تھا وقت بدل گیا تھا۔ ایک طرف وہ راج محل جہاں راجاؤں کے سے نخرے اٹھائے گئے تھے میرے اور اب یہ جگہ سنبھلنا پڑے گا سنبھلنا پڑے گا۔ ہر چندی سارے داؤ آزما رہا ہے لیکن بہر حال سنبھلنا تھا مجھے میں نے بڑی مشکل سے پینٹر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مجھے وہ ساری تفصیل بتائے اور مجھے پتا چلا کہ سرکار

دادا جیب کترا ہے اور ہم لوگ جیبیں کترا کرتے ہیں۔ پورا گروہ ہے سرکار دادا کا۔ ساری باتیں معلوم ہو گئی تھیں مجھے اور میں نے بڑے پریشان انداز میں سوچا تھا کہ کیا اب مجھے جیبیں بھی کاٹنی پڑیں گی۔ ویسے یہ شخص خاصا بگڑا ہوا معلوم ہوتا تھا جس کا نام سرکار دادا تھا۔ ابھی اس سے کسی قسم کا جھگڑا میرے لیے خطرناک تھا۔ تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ہم تینوں باہر نکل آئے۔ پینٹر اور شادو میرے ساتھی تھے اور مجھے بھورے کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بڑا سا مکان تھا یہ جس میں بہت سے کمرے تھے اور ان کمروں میں سرکار دادا کے لڑکے رہا کرتے تھے۔ ہم اس بڑے سے ہال نما کمرے میں پہنچے جہاں لڑکوں کو چائے اور پاپے کھلائے جا رہے تھے چنانچہ ہم بھی اس میں مصروف ہو گئے۔ میں ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ سرکار دادا جوڑے بنا نے لگا۔ پینٹر کو میرے ساتھ ہی لگایا ہوا تھا اور اس کے بعد پینٹر مجھے ساتھ لیے ہوئے باہر نکل آیا۔ ہم لوگ سڑک پر آ گئے اور کافی دور تک پیدل چلتے رہے۔ میں ذرا سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں یہاں سے نکل جاؤں تو سرکار دادا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ویسے بھی اب میں اتنا کچا نہیں تھا کہ کسی چیز کو غور کر کے دیکھتا یا اس کے بارے میں پریشانی سے سوچتا اچانک ہی پینٹر نے میرا شانہ دبایا اور بولا۔

’’لے مل گیا۔‘‘

’’کون۔‘‘ میں نے چونک کر کہا۔

’’اپنا یار وہ دیکھ بینک سے باہر نکل رہا ہے چل بیٹا تیری تو لاٹری نکل آئی جا آگے بڑھ۔‘‘

’’کیا کروں آگے بڑھ کر۔‘‘

’’ہے اس کی دائیں طرف کی جیب میں جو پھولی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ تجھے بس جیب خالی کرنی ہے اس کی۔‘‘ میں کچھ لمحے سوچتا رہا اور اس کے بعد میں نے کہا۔

’’یہ کام تو کر۔‘‘

’’ابے یار مجھے مروائے گا کیا جا بھائی میرے پیارے بھائی چل دیکھ ذرا مہارت دکھا اپنی تو مجھ سے بڑا بندہ ہے۔‘‘

"نہیں میں یہ کام نہیں کرسکتا۔"

"سوچ لے پارٹنر مال تو حاصل کرنا ہے۔"

"ہوں پینٹر اگر تو اس کا پرس نکال سکتا ہے تو نکال لے۔ میں یہ کام نہیں کروں گا۔" پینٹر نے چونک کر مجھے دیکھا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا۔ بہرحال وہ اپنا کام کرلایا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ اور کیا نہیں کرنا چاہیے؟ پریشانی ہوجائے گی مجھے لیکن یہ دیکھنا تھا کہ ہر چندی مجھے یہاں لاکر کیا کرنا چاہتا ہے چنانچہ جب پینٹر اپنا کام کر کے واپس آگیا تو میں نے اس سے کہا۔

"اب بتاؤ پینٹر آگے کیا کرنا ہے۔"

"دیکھ آج تو سب کو مروانے کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے تجھ سے کہا تھا لیکن بات تیری سمجھ میں نہیں آرہی۔ مان لے بیٹا مان لے ورنہ گڑبڑ ہوجائے گی۔"

"مجھے جیب کاٹنا نہیں آتا۔"

"یار تو بھورے ہے بھی کہ نہیں۔"

"نہ میں بھورے ہوں نہ کالے ہوں تو فضول باتوں سے پرہیز کر میں نے کہہ دیا ہے تجھ سے بات بگڑ جائے گی۔ دوست میں تیری شکایت تو نہیں کروں گا لیکن تو جانتا ہے کہ سرکار دادا کو ایک ایک بات معلوم ہوتی ہے۔" پینٹر نے کہا اور میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر میں نے کہا۔

"پینٹر اگر میں سرکار دادا کے پاس واپس نہ جاؤں تو کیا ہوگا۔"

تیرا آدھا کان کاٹ دیا جائے گا بس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ سرکار دادا اس کا علاج بھی نہیں کرنے دے گا۔ کیونکہ جو کام وہ خود کرتا ہے۔ اس میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔"

میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ بہرحال آج کا دن میں نے یہاں گزارنا ضروری سمجھا تھا۔ سارے کام پینٹر ہی نے کیے اچھی خاصی رقم حاصل کرلی پھر ایک آخری کام میں نے بھی کیا۔ پینٹر نے ایک نوجوان لڑکے اور ایک بوڑھی عورت کو تاڑا۔ دونوں جارہے تھے بوڑھی

عورت نے ایک پوٹلی سی اپنی بغل میں دبائی ہوئی تھی۔ ماحول سنسان تھا پینٹر نے کہا۔

"پارٹنر آج تو چھٹی منا رہا ہے اگر تو میرا دوست نہ ہوتا تو سیدھا سیدھا سرکار دادا سے شکایت کرتا تیری کہ کام خراب کررہا ہے ٹھیک نہیں کررہا اب آخری کام تو کرلے۔"

"آخری کام۔"

"وہ دیکھ بڑھیا کو جو اس وقت پوٹلی کو بغل میں دبائے ہوئے ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ پوٹلی میں مال ہے۔"

"یار وہ تو بڑے غریب لوگ لگتے ہیں۔"

"بیٹا غریب ہوں یا امیر اپنی آنکھیں دھوکا کھا جائیں تو آنکھیں پھوڑ لیں گے کیا سمجھا۔ بڑھیا کے چہرے سے پتا چلتا ہے کہ پوٹلی میں اس کا سرمایہ ہے۔ ٹھہر میں کام دکھاتا ہوں۔" پینٹر ادھر ادھر دیکھ کر بڑھیا کی طرف بڑھا۔ میں نے بھی قدم بڑھا دیے تھے پھر پینٹر نے بڑھیا کی پوٹلی پر جھپٹا مارا اور پوٹلی اس کی بغل سے نکال لی لیکن لڑکے نے بھاگتے ہوئے پینٹر کی ٹانگ پکڑ لی بالکل اس طرح جس طرح کبڈی کے کھیل میں کبڈی لڑنے والے کی ٹانگ پکڑ لی جاتی ہے۔

نوجوان لڑکا پینٹر کی ٹانگ سے چمٹ گیا تھا آس پاس چونکہ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ اس لیے دونوں میں کش مکش ہونے لگی۔ لڑکا پینٹر کی ٹانگ نہیں چھوڑ رہا تھا۔ بڑھیا کھڑی تھر تھر ہانپ رہی تھی۔ وہ کچھ کہتی بھی جارہی تھی میں جب اس کے قریب پہنچا تو وہ بولی۔

"ارے بچاؤ بھائی ارے بچاؤ۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ارے بچاؤ ارے میرے بچے کو بچاؤ۔" اور پینٹر کو موقع مل گیا اور پوٹلی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور نوجوان لڑکے نے اسے چھین لیا تھا۔ وہ بری طرح کانپ رہا تھا اور اس کی کہنیوں سے خون رس رہا تھا جو زمین پر گھسٹنے کی وجہ سے زخمی ہوگئی تھیں۔ پینٹر نے ایک لمبا سا چاقو نکال لیا نا کام ہونے کے بعد وہ لڑکے کو زخمی کر کے کامیابی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بوڑھی نے ششدرہ نگاہوں سے پینٹر کو دیکھا لڑکا اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ بوڑھی پھر بولی۔

"بچالو تمہیں اللہ کا واسطہ بچالو ارے پتا نہیں تمہیں پتا نہیں ہم کس عذاب سے گزر رہے ہیں اور

ارے معاف کردے بھیا ارے معاف کردے میرے بچے کو۔'' پینٹر چاقو سے حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا تھا۔ میں نے کہا۔

''رک جا۔ پینٹر رک جا۔''

''ماروں گا سالے کو جان سے ماردوں گا چھوڑوں گا نہیں۔''

''رک جا یار میں تجھ سے کہہ رہا ہوں رک جا۔''

''دیکھ بھورے بے وقوفی کی باتیں مت کر پوٹلی میں مال بھی اچھا ہے اور پھر اب تو میری انا کا سوال ہے۔''

''پینٹر چاقو بند کرکے جیب میں ڈال لے۔''

''ارے یار تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا اس سالے نے۔''

''پینٹر پیچھے ہٹ جا میں غرایا اور پینٹر نجانے کیوں کچھ گھبرا سا گیا' پھر بولا۔

''یار کمال ہے تو آج بالکل ہی پٹرا کروانے پر تلا ہوا ہے۔''

''ارے بیٹا اللہ تمہارا بھلا کرے تمہیں نہیں معلوم یہ میری عمر بھر کی کمائی ہے جو میں نے بینک میں رکھی تھی۔ کل بارات آرہی ہے بیٹی کی! یہ کمائی نکال کرلے جارہی ہوں۔ ارے بیٹا ہم تینوں مرجائیں گے دوبارہ ہم اتنی بڑی رقم جمع نہیں کرسکتے۔ بیٹا تمہیں اللہ کا واسطہ ہمیں چھوڑ دو ہم بڑے غریب لوگ ہیں۔ کوئی نہیں ہے ہمارا اس دنیا میں بچی اپنے گھر کی ہوجائے گی بیٹا یہ نہ لو یہ نہ لو۔''

''جاؤ اماں تم جاؤ۔''

''بھورے۔'' پینٹر غرایا۔

''جانے دے یار جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرنے دے۔''

نوجوان لڑکا اور بڑھیا تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے۔ پینٹر مجھے گھور رہا تھا' اس نے کہا۔

''دیکھ اب تک میں برداشت کرتا رہا ہوں لیکن تو نے تو نے بہت بڑا اداؤ ناکام بنایا ہے۔''

''بس ناکام ہوگیا نا تو اب فضول باتیں بند کر' اتنا رحم نہیں آتا تجھے کیا کہہ رہی تھی' بوڑھی سنا تو نے۔''

''ہم پہ کون رحم کھائے گا ہیں۔''

''بس جو کچھ میں نے کہہ دیا کافی ہے۔'' اس کے بعد ہم واپس چل پڑے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری اس کارروائی کا ردعمل کیا ہوگا؟ میں تو بس سحرزدہ سا تھا لیکن رات کے کھانے سے پہلے جب ہم احاطے میں کھانے کا انتظار کررہے تھے۔ سرکار دادا آگیا۔ پینٹر مجھ سے کافی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ سرکار دادا نے گھور کر مجھے دیکھا اور بولا۔

''کھڑا ہوجا لالوں کے لال۔'' پہلے تو میں یہ سمجھا کہ مجھے مخاطب ہی نہیں کیا گیا لیکن جب یہ اندازہ ہوگیا کہ سرکار دادا نے مجھے ہی مخاطب کیا ہے تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

''یہ کیا کہہ رہا تھا؟ آج پینٹر کیا کرتا رہا ہے تو دن بھر؟''

''ہاں آج میں نے پینٹر کو دو تین کاموں سے روکا ہے اور خود کوئی کام نہیں کیا۔''

''نتیجہ جانتے ہو اس کا۔''

''کیا سرکار دادا۔''

''بتاتا ہوں۔'' سرکار دادا نے کہا اور آستین چڑھالیں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''دیکھو سرکار دادا اگر ایک بات میں تم کو بتاؤں تو تم یقین نہیں کروگے۔''

''کرلوں گا یقین کرلوں گا بتادے۔''

''نہ میں بھورے ہوں نہ میں جیب کاٹنا جانتا ہوں میں نجانے کیسے یہاں پہنچ گیا ہوں مجھے نہیں معلوم۔''

''صبح سے ایسی ہی باتیں کررہا ہے سرکار کہتا ہے میں کون ہوں؟ تو کون ہو؟ نام پوچھ رہا ہے ایک ایک کا۔''

''سب یاد دلادیتا ہوں سالے کو۔'' سرکار دادا نے مجھ پر جھپٹا مارتے ہوئے کہا میں دوقدم پیچھے ہٹا تو وہ غصے میں آگیا اور کہا۔

''فائٹ کرے گا مجھ سے ہیں۔'' اور اس کے بعد آگے بڑھ کر اس نے میرے گریبان پر ہاتھ

ڈال دیا۔"

"دیکھو نہ میں تمہاری عزت کرسکتا ہوں نہ تمہارے ان داؤ پیچ سے پریشان ہوں میں جارہا ہوں مجھے جانے دو' ایک بات بھی فضول مت کرنا ورنہ اس کے بعد۔" اس دوران سرکار دادا میرے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے الٹا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا لیکن اس بار میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور اسے پھرتی سے موڑ کر اس کی کمر پر ایک لات رسید کردی۔ سرکار دادا اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ میں آگے بڑھا اور اس کے بعد میں نے اسے بالوں سے پکڑا اور ایک بار پھر اسے زور سے گھما کر زمین پر دے پٹخا۔ لیکن اسی وقت سارے لڑکے کھڑے ہوگئے تھے۔۔۔۔

"دادا پر ہاتھ اٹھایا ہے اس نے مارو۔" اب ان سب سے نمٹنا تو میرے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ بھاگ لینے میں ہی عافیت تھی۔ میں وہاں سے دوڑ پڑا۔ دوڑتا رہا کافی دور نکل آیا وہ لوگ میرا پیچھا کررہے تھے لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ سب نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ میں دوڑتا رہا اور کافی دور نکل آیا۔ پھر میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ کوئی عجیب سی جگہ تھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون سی جگہ ہے؟ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ رات ہوچکی تھی اور قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا۔ مجھے شدید بھوک لگی تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک روشنی نظر آئی تم میں اس جانب چل پڑا۔ میں نے سوچا ہوسکتا ہے کوئی ایسی جگہ ہو جہاں کھانے پینے کے لیے کچھ مل سکے جس جگہ میں پہنچا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ایک ٹوٹے پھوٹے سے کھنڈر میں لالٹین لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے کہا۔

"کوئی ہے یہاں کوئی ہے۔" اور چند ہی لمحوں کے بعد مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر جو میرے سامنے آیا اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا یہ مرزا شمشاد بیگ تھے جو مسکرا رہے تھے اور ان کے ساتھ عالم علی بھی تھے۔ میں نے ان دونوں کی شکلیں پہچان لیں اور منہ اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا مرزا شمشاد بیگ بولے۔

"بیٹے ایک بات کا جواب دوگے۔"

"آپ یہاں۔"

"ہاں یہ تمام سوالات مت کرو ایک بات کا جواب دوگے؟ اللہ تعالیٰ نے واقعی تمہارے اندر استقامت پیدا کردی ہے جو کچھ اب تک کرتے رہے ہو کیا اس پر قائم رہ سکو گے؟" میرے دل پر ایک عجیب سا اثر ہوا۔ میں نے کچھ لمحوں کے بعد کہا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں نے کیا ہی کیا ہے؟"

"ان باتوں کو جانے دو اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو مثلاً تم نے ان پتھروں کو سجدہ نہیں کیا۔ جادوگری میں تم نے وہ عیش و عشرت قبول نہیں کیے اور انہیں ٹھکرا دیا۔ تمہارے سامنے حسن بے بہا آیا اور تم نے اس پر نیت خراب نہ کی اور اس کے بعد تم نے اس بوڑھی عورت پر رحم کرکے اس کی رقم واپس دلوادی۔ مجھے اس بات کا جواب دو! پہلے کی زندگی زیادہ مزیدار تھی یا یہ۔ جواب دو بیٹے۔"

"میں فیصلہ نہیں کرسکتا۔"

"فیصلہ کرو مجھے صرف اتنا یقین دلا دو کہ حالات کچھ بھی ہوں اپنے آپ کو سنبھال سکتے ہو۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اب تک کوئی برائی نہیں کی اور اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کی ہے تو یہ وعدہ کرسکتا ہوں آپ سے کہ آئندہ بھی یہ کوششیں جاری رکھوں گا۔"

"کیا کہتے ہو عالم علی؟" مرزا شمشاد بیگ نے اپنے ساتھ کھڑے عالم علی سے کہا۔

"بھئی تم جانو شمشاد بیگ جو ماضی مین کیا ہے اس نے وہ ایسا تو نہیں ہے کہ سارے زخم بند ہوجائیں۔"

"دیکھو عالم صبر سے سوچو کتنے بڑے ثواب کا کام ہے ایک شخص نے اگر ایک قدم بھی نیکیوں کی جانب بڑھایا ہے تو ہم اسے سخت امتحانات میں ڈال دیں۔"

"کیا چاہتے ہو۔"

"اسے کچھ دو عالم علی اسے کچھ دو۔"

تو عالم علی نے کوئی چیز نکال کر مرزا شمشاد بیگ کی طرف بڑھادی یہ چاندی کا ایک تعویذ تھا۔ مرزا شمشاد بیگ نے کہا۔

"اسے بازو پر باندھ لو لاؤ بازو آگے کرو۔ میں باندھ دوں اور سنو صبر و استقامت کا دامن ہاتھ

سے نہ چھوڑنا یہ راستے بہت کٹھن ہوتے ہیں لیکن جب اس کا پھل پاؤ گے تو زندگی سے سرشار ہو جاؤ گے۔ وہ کرو گے جو تم نے کبھی نہیں کیا تم دیکھو گے ایک بالکل ہی نیا مزہ ہے اس زندگی میں۔'' تعویذ میرے بازو پر باندھ دیا اور اس کے بعد مرزا شمشاد بیگ نے میرا شانہ تھپتھپایا اور دونوں واپس اسی طرف چلے گئے جدھر سے آئے تھے لیکن میں حیران تھا۔ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ لیکن بہرحال روحانیت کی ایک الگ دنیا ہوتی ہے۔ میں ان لوگوں سے بہت متاثر ہوا تھا۔ میں نے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ کو دیکھا اور پھر اسے آستین سے ڈھک لیا چلو ٹھیک ہے اس دنیا کے مزے بھی دیکھ لیے جائیں کیا ہرج ہے۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اب یہاں پر میرے لیے کچھ نہیں ہے۔ بھوک کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ چلو یہ بھی سہی فاقہ مستی کے مزے بھی دیکھ لیے جائیں۔ پھر نجانے کب تک چلتا رہا تھا اور جب ہمت ساتھ چھوڑ گئی تو میں ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔ بہت دیر تک اسی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا تھا کہ اچانک ہی کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی اور میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو دو زانو بیٹھ گیا تھا۔ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ میں سنبھل گیا میں نے اس سے کہا۔

''کیا بات ہے بھائی۔''

''اللہ کے لیے صاحب اللہ کے لیے بابا صاحب مدد کر دیجئے ہماری! مدد کر دیجئے۔ زندگی اور عزت دونوں خطرے میں ہیں اگر اللہ نے آپ کو ہمارا مددگار بنا کر بھیجا ہے تو مدد کر دیجئے۔''

''بھائی کیا چاہتے ہو؟ میں تو خود قلاش آدمی ہوں کچھ نہیں ہے میرے پاس۔''

''بھائی میری بیٹی میری بیٹی مستقبل خراب ہو رہا ہے۔ کمبخت کا خودکشی کرنی پڑے گی ہمیں بڑی مشکل سے زندگی میں کوئی روشنی نظر آئی تھی اب بجھ گئی ہے۔''

''ہوا کیا ہے؟ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔''

''چلئے آپ دیکھ لیجئے اپنی آنکھوں سے۔''

''مگر مجھے بتاؤ تو سہی ہو سکتا ہے تمہیں میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہو۔''

''دو فقیر آئے تھے دروازے پر ہمارے پاس جو کچھ تھا انہیں دیا تو کہنے لگے جاؤ پیپل کے درخت، کے نیچے جو بیٹھا ہے اسے لے آؤ۔ وہ تمہاری مشکلات کا حل ہے۔ یہاں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ صاحب دیکھ لیجئے ایک فریاد ہے دکھے دل کی مان لیجئے۔''

''ارے بھائی مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ یہ پیپل کا درخت ہے میں تو خود ایک بھوکا پیاسا آدمی ہوں۔''

''آپ چلیے تو سہی ذرا ہمارے ساتھ چلئے تو سہی۔''

''مگر واقعہ کیا ہے؟''

''اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے بہرحال ہم دونوں اپنی جگہ سے اٹھے اور میں چلتا ہوا اس شخص کے گھر پہنچ گیا۔ جہاں ایک باقاعدہ مجمع لگا ہوا تھا۔ آس پاس کی عورتیں مرد اور بچے جنہیں بار بار باہر نکالا جا رہا تھا لیکن وہ لڑکی وہ نوجوان لڑکی جو اس وقت عجیب و غریب کیفیت کی حامل تھی۔ بڑی خوبصورت شکل تھی اسکی لیکن آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ زبان باہر لٹکی ہوئی تھی۔ سامنے بیٹھی ہوئی اس کی ماں خوف سے کانپ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں حسرت تھی دوسرے لوگ اللہ اللہ کر رہے تھے۔ میں نے حیرت سے دیکھا اور کہا۔

''کیا بات ہے؟ بات کیا ہے؟''

''یہ کیفیت ہے اس کی رشتہ طے ہو گیا ہے اس کا لیکن جو ہو رہا ہے وہ آپ دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد کوئی اس کا رشتہ لے جائے گا کیا انہیں پتا تو نہیں ہے۔ یہ سب ہمدرد ہیں ہمارے۔'' میں نے حیرت سے اس نوجوان خوبصورت لڑکی کو دیکھا اور اچانک ہی اس کی زبان لمبی ہونے لگی۔ سرخ زبان کسی سانپ کی طرح بل کھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اور اس کی لمبائی بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ میں خود بھی حیران تھا لیکن بہرحال میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پوری طرح ہوشیار ہو گیا۔

''کیا ہے یہ مجھے بتائیے کیا ہے یہ؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ زبان مجھے چھوتی ہوئی میرے بازو تک پہنچی اور پھر بازو سے بندھے ہوئے تعویذ سے ٹکرا گئی اور ایک لمحے کے اندر میں نے ری ایکشن دیکھا زبان واپس اپنی جگہ چلی گئی تھی اور حسین لڑکی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

‘‘دیکھو میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے اپنا کام کرو یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔’’

‘‘مگر۔’’

‘‘تم سن نہیں رہے میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔’’

اچانک ہی میرے اندر سے ایک آواز ابھری۔

‘‘بات کرو اس سے بات کرو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور پھر جو الفاظ میں نے اپنے منہ سے ادا کیے اس میں بھی میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں نے کہا۔

‘‘تم سے جھگڑا کون کر رہا ہے؟ اللہ کا نام لے کر بات کرو۔’’

‘‘دیکھو آخری بار سمجھا رہا ہوں ہمارے بیچ میں مت آؤ تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے نقصان کے۔’’

‘‘تو پھر تم بھی سن لو کہ اگر اسے کچھ ہوا تو تمہارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوگا۔ جواب دو ورنہ پھر میں تمہارے خلاف کارروائی شروع کرتا ہوں۔’’ میں نے کہا۔

‘‘ارے واہ! جھگڑا ہمارا ہے بیچ میں کود رہے ہو تم ذرا اس سے پوچھو کیا کیا تھا اس نے؟ کیا کیا تھا۔’’

‘‘بتاؤ کیا کیا تھا؟’’

‘‘بس اس نے جو کیا تھا وہ یہی جانتی ہے کسی کو پاک جگہ ایسی حالت میں ایسی جگہ تو نہیں پہنچنا چاہیے۔’’

‘‘ٹھیک ہے غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مقصد تو نہیں ہے کہ اس کے بعد تم اسکی زندگی کے دشمن بن جاؤ تمہیں اندازہ ہے کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ اپنی ذرا سی ناراضگی سے کسی کی زندگی خراب کرنا کوئی اچھی بات ہے۔’’ میری زبان نے یہ جملے ادا کیے۔

‘‘یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے تم کیوں اس کے بیچ میں کود رہے ہو۔’’

‘‘میں چاہتا ہوں کہ تم اسے معاف کر دو۔’’

‘‘اور اگر نہ کروں تو۔’’

‘‘تو پھر میں وہ کروں گا جو میں کر سکتا ہوں۔’’ میں نے کہا اور بازو پر ہاتھ لے جا کر تعویذ کی جگہ

سے تعویذ کھول لیا۔’’

‘‘یہ اچھی زبردستی ہے۔’’ لڑکی ایک طرف کھسکنے لگی میں نے کہا۔ ‘‘جو کچھ بھی ہے یہ میں تمہارے اوپر پھینک دوں گا۔’’

‘‘ٹھیک ہے ٹھیک ہے جا رہا ہوں میں مگر ایک بات کہہ دیتا ہوں کہ آئندہ اس جگہ کوئی اس حالت میں نہ آئے۔’’

‘‘تم یہ بتاؤ کیا تم سچے دل سے اسے معاف کر رہے ہو۔’’

‘‘بس میں نے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ دوبارہ ادھر نہ آئے۔’’

‘‘اس کا وعدہ اس کے والدین کریں گے نہیں جائے گی! نہیں جائے گی ہم یہ شہر ہی چھوڑ دیں گے۔

‘‘اور تمہیں ہم بتائے دے رہے ہیں کہ ایسے معاملات میں ٹانگیں مت اڑایا کرو ورنہ نقصان پہنچا دیں گے۔ ارے یہاں پہنچ گئے چار دن کے ولی بن کر۔’’ لڑکی کے منہ سے آواز نکلی اور اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں اور رفتہ رفتہ اس کا بدن ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا۔ پھر وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور اس کے بعد زمین پر لیٹ گئی۔ اب وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ وہاں موجود تمام لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

‘‘اب ٹھیک ہو جائے گا اب ٹھیک ہو جائے گا۔’’ وہ بزرگ جو مجھے یہاں لے کر آئے تھے۔ جلدی سے میرے قریب پہنچے اور جھک کر انہوں نے میرے پاؤں پکڑنا چاہے مگر میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

‘‘ارے نہیں آپ ایسا نہ کریں یہ میرے ساتھ دشمنی ہے۔ محبت کے جواب میں دشمنی۔’’

‘‘میرا دل کہہ رہا ہے میری بچی ٹھیک ہو گئی ہے۔’’

ایک عمر رسیدہ عورت بولی۔

‘‘جی اب یہ بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔ بہر حال اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔ یہ سارا کھیل میرے لیے ایک نمونہ تھا اور میں اب بھی یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو الفاظ

میری زبان سے ادا ہوئے یا جو عمل میں نے کیا یا کسی بات کے جواب میں میں نے جو کچھ کہا اس میں میری کسی بات کو دخل نہیں تھا بلکہ پوری طرح کچھ ہوا تھا جو میری کسی بات کو دخل نہیں تھا بھوک اپنی جگہ برقرار تھی۔ بہت دیر کے بعد تھک کر بیٹھا۔ یہ بھی ایک درخت ہی تھا۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ کا ہے کا درخت ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد میری جھولی میں دو سیب آ گرے۔ سیب کی خوشبو اب محسوس ہوئی تھی۔ میں نے انہیں اٹھا کر دیکھا درخت پر دیکھا اور کھانے لگا۔ اچانک ہی میرے دل میں یہ احساس بیدار ہوا کہ یہ رزق میرے لیے آسمان سے بھیجا گیا ہے تو کیا بدلے ہوئے وقت کی کہانیاں شروع ہو گئیں۔ ایسا ہی لگتا تھا۔ میں نے دونوں سیب کھائے تو پیٹ میں وزن پڑا اور پھر میں وہیں تھک کر لیٹ گیا نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ میں نیم غنودگی کی کیفیت میں تھا ذہن سے نہ جانے کیا کیا خیالات گزر رہے تھے کہ اچانک مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ چاپ اس قدر واضح تھی کہ میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ میرے دل میں ایک وحشت سی بیدار ہوئی تھی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا اور وہ مجھے نظر آئے۔ آہ۔۔۔ وہ چار تھے اور ان کا رخ میری ہی جانب تھا۔

☆......☆......☆

چاند کی روشنی میں انہیں صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ لمبے تڑنگے خدوخال کے مالک دیہاتی تھے جو لاٹھیاں اٹھائے، سوچے سمجھے قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہے تھے میں انہیں دیکھتا رہا جب وہ میرے قریب سے گزرے تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''سنو بات سنو'' میں نے کہا وہ چاروں رک گئے انہوں نے شاید مجھے دیکھا نہیں تھا اس لیے وہ چاروں طرف دیکھنے لگے پھر جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو سب ہی وحشت سے چیخ پڑے اور انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر ایک دوسرے سے الجھ کر گر پڑے۔

''ارے مر گئے اے بھیا اوئے مار دیا تیرا ستیاناس۔ ارے بھگوان بھاگو بچاؤ'' وہ چیخنے لگے لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ان کی۔ اپنی جگہ پڑے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ مجھے ہنسی آ گئی میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ڈر گئے تھے بچارے میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کیا ہو گیا تمہیں؟ کیا کر رہے ہو تم؟ پاگل ہو گئے ہو کیا۔''

''کون ہو بھیا؟ کون ہو''۔

''مسافر ہوں سفر کر رہا تھا۔ تھک کر یہاں لیٹ گیا تھا۔''

''ہمیں سچ کہہ رہے ہو کیا؟ وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔ اور پھر ڈرے ڈرے انداز میں ہنسنے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا۔

''ارے تو ڈر کون رہا تھا ہم تو پہلے ہی کہہ رہے تھے ہاں''۔

''بس بس چپ ہو جا شرم کر جان تو تیری ہی نکل رہی تھی''۔ مگر بھائی مسافر یہ کوئی لیٹنے کی جگہ ہے ارے تم یہاں اکیلے پڑے ہوئے تھے''۔

''تم لوگ کون ہو؟ اور کہاں جا رہے تھے اس وقت''۔

''ارے کیا بتائیں؟ پڑوس کی بستی گئے تھے کام سے صبح کو چلتے مگر یہ گھر والی سے کہہ کر آیا تھا کہ رات کو آئے گا بس ڈر یہ رہا تھا اپنی گھر والی سے۔ اور پکڑ لایا ہمیں یہاں اب بتاؤ ڈرتے نہ تو کیا کرتے؟''

''تو اب چلو یہاں سے ایک دوسرے آدمی نے کہا''۔

''بھائی مسافر کدھر جا رہے ہو؟''۔

''بس سیدھا ہی جا رہا تھا''۔

''کہیں دور سے آ رہے ہو کیا؟''۔

''ہاں''۔

''چلو گے ہمارے ساتھ یا یہیں جنگل میں پڑے رہو گے''۔

''تم لوگ کہاں رہتے ہو؟''۔

''ہماری بستی تھوڑے فاصلے پر ہے''۔

''چلوں میں تمہاری بستی میں نے سوال کیا؟''۔

''لو بھیا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ''چلو'' اور پھر میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ ہم لوگ آگے بڑھتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چھوٹی سی ندی ملی۔ اور ہم سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''کیا ہوا کیوں رک گئے؟''۔

''بھیا ایک بات کہیں تم سے تمہاری ہمت ہے تم پہلی بار آئے ہو ادھر''۔

''ہاں بالکل''۔

''بھیا ندی میں اترنا ہے''۔

''کیا ندی گہری ہے؟''۔

''بالکل نہیں پنڈلی پنڈلی پانی ہوتا ہے۔ مگر بھیا اس ندی میں سرکٹا رہتا ہے''۔

''سرکٹا کیا چیز ہوتی ہے؟''۔

''لو اتنا بھی نہیں جانتے ارے بھیا کھوپڑی نہیں ہوتی اس کی''۔

''تو پھر''۔

''لو عجیب باؤلے آدمی ہو باؤلے نہ ہوتے تو خالی جنگل میں درخت کے نیچے بیٹھ جاتے۔ ہماری بھی ہوا خراب کر دی''۔

''تم لوگ باتیں ہی ایسی کر رہے ہو یہ سرکٹا کیا چیز ہوتی ہے؟''۔

''بھوت ہوتا ہے بھوت تمہاری تو گھوم گئی ہے کھوپڑی مرواؤ گے ہمیں بھی اب یہ بتاؤ کیا کریں؟ ندی پار کریں یا نہ کریں''۔

''اگر تمہیں ڈر لگ رہا ہے تو تم یہاں رکو''۔ میں نے کہا اور میں آگے بڑھا۔ چاروں نے لپک کر مجھے پکڑ لیا۔

'''ساری شیخی نکل جائے گی ندی میں سے اترو گے تو آؤ واپس چلتے ہیں۔ دن نکل آئے گا تو آگے بڑھیں گے۔ اب تو یہاں کرنا ہی پڑے گا ویسے کیا تمہیں اس سرکٹے کا قصہ نہیں معلوم؟''۔

''مجھے کیا معلوم''۔

''ارے بھیا اندھیر مچا دیا ہے اس نے تو کنبے کے کنبے کھا گیا ہے۔ کئی بندے مارے گئے ہیں اس کے ہاتھوں۔ ہماری بستی کے بہت سے بندے مرے ہیں۔ راتوں کو بستی میں نکل آتا ہے اور آوازیں لگاتا ہے۔ ہے کوئی پھول لے لو۔ ناریل لے لو کسی نے جھانک لیا تو سمجھو گیا ہماری بستی تو بھوت بستی ہو گئی ہے آج کل۔ مصیبت آئی ہوئی ہے ساری بستی پر''۔

''تو تم یہ ندی پار نہیں کرو گے''۔

''بھیا ہمت نہیں پڑ رہی تم بتاؤ''۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ آؤ بیٹھو دن کی روشنی میں اگر ندی پار کرنا چاہتے ہو تو دن میں کر لینا۔ مجھے ذرا اس کے بارے میں مزید تفصیلات بتاؤ''۔ میں نے کہا اور وہ لوگ تھوڑے سے ہٹ کر بیٹھ گئے پھر بولے۔

''غلطی ہماری ہی تھی آنا ضرور تھا ادھر۔ ارے تیرا بیڑا غرق ہو۔ بنسی لال تو نے مروایا ہے'' اور اس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک شخص کا نام بنسی لال ہے۔

بہرحال میں ان کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا تھا۔ اور ندی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خوشی میرے دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ وہ لوگ مجھے وحشت ناک باتیں بتانے لگے۔ انہوں نے کہا۔

''بھیا ہماری بستی میں یوں سمجھ لو کہ سوگ پھیل گیا ہے پورے کا پورا۔ کوئی ایک واقعہ ہوا ہو تو بتاؤں۔ بستی کے ایک آدمی کا سارا کنبہ کھا گیا ہے یہ۔ ہماری بستی کے ایک اور آدمی کو اس نے مارا۔ ایک بڑے میاں کا جوان بیٹا اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ بہت مصیبت پھیلائی ہوئی ہے اس نے ہماری بستی میں۔ ہمارے ایک دھوبی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹا جوئے میں پیسے ہار گیا۔ دھوبی نے اسے مارا پیٹا تو وہ باپ کے ڈر کے مارے ادھر آ گیا۔ پر صبح کو ندی کے کنارے اس کی اکڑی ہوئی لاش ملی۔ بستی کے مکھیا نے ایک منتر پڑھنے والے کو بلا کر ادھر بھیجا۔ بس بھیا غضب ہوگیا۔ منتر پڑھنے والا تو بھاگ گیا مگر مکھیا کو مصیبت آ گئی۔ بیوی مری بڑی بیٹی آگ سے جل کر مرگئی۔ دوسرا بیٹا پاگل ہوگیا۔ اور ان سب کے غم میں مکھیا نے زہر کھا کر ہتیا کرلی۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سے لوگ مارے گئے جس نے اسے للکارا وہ یہاں آ کر مر گیا۔ ارے بھیا رمضان چچا نے خود اس بغیر سر والے کو کشتی لڑتے ہو... یکھا اور جس سے کشتی لڑی تھی اس کے بدن کا خون ایسے سوکھ گیا تھا جیسے پورا خون نچوڑ کر کسی نے بدن خالی کر دیا ہو''۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ ندی میں اترنے سے کیا وہ نظر آتا ہے؟''۔

''بھیا ڈراؤ مت ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم ادھر کیوں آ گئے۔ اچھا ہوتا کہ دور ہی بیٹھ جاتے پر کھوپڑی خراب ہوگئی تھی''۔ میں نے گردن ہلائی اور پھر اپنے بازو پر بندھے ہوئے تعویز پر ہاتھ رکھا۔ اچانک ایک بھنبھناہٹ میرے کان میں ابھری۔

''خلق خدا کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ دل میں اگر کوئی جذبہ ابھرا ہو تو آگے بڑھو۔ ایمان کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ تم نے اب ایمان کا دامن پکڑ لیا ہے۔ فرض پورا کرو اپنا میں نے حیران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ آواز کہاں سے ابھری ہے۔ دل میں سوچا لیکن چاروں طرف

دیکھنے سے بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اور میں اپنے آپ پر حیران رہ گیا لیکن پھر اچانک عالم علی اور مرزا شمشاد بیگ یاد آئے جو نصیحتیں انہوں نے مجھے کی تھیں وہ یاد آئیں دل میں سوچا کہ چلو ہم بھی پہلوانی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ نڈر اور بے باک تو شروع ہی سے تھا۔ چنانچہ اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ چاروں چونک پڑے۔

''کدھر جا رہے ہو؟''۔

''ذرا اس ندی میں پاؤں ڈبو کر دیکھتا ہوں''۔

''ارے بھیا تمہیں بھگوان کا واسطہ کاہے کو جان دے رہے ہو نہ کرو ایسا نہ کرو''۔

''کوئی بات نہیں دیکھنے دو مجھے'' میں نے کہا اور آہستہ قدموں سے اس طرف بڑھ گیا۔ وہ سب سہمی سہمی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نڈر انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ ندی میں پاؤں اتارے تو تھوڑے ہی فاصلے پر کسی کو دیکھا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خدا کی قسم اس کے شانوں پر اسکا سر موجود نہیں تھا۔ مگر میری آہٹ پا کر وہ کھڑا ہوگیا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا وہ چند قدم آگے کی طرف بڑھا پھر کچھ عجیب سی آوازیں سنائی دیں مجھے۔

''کون ہے رے تو''۔

''تو کون ہے''۔

''جانتا نہیں ہے ہمیں''۔

''نہیں میں نہیں جانتا''۔

''تو بتادوں تجھے کہ ہم کون ہیں؟''۔

''ہم میگھا پہلوان ہیں''۔

''یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور کھوپڑی کہاں گئی تمہاری؟''۔

میگھا پہلوان سے یہ سوال پوچھنے والا کبھی زندہ نہیں بچتا'' اس نے کہا۔

''مگر میں زندہ بچ جاؤں گا کیا سمجھا؟'' میں نے کہا اور وہ میری طرف بڑھنے لگا۔ پھر اچانک ہی میرے قریب پہنچ کر اس نے میرے پیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور آگے بڑھ کر مجھے کمر سے

پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے خود اس کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔اور ان پر گرفت قائم کر دی۔ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔اچانک اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔میرا تعویز اس کے بدن کو چھو گیا تھا۔وہ چت ہو کر پانی میں گرا۔میں نے اسکی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں۔اور پھر اسے گھسیٹتا ہوا ندی سے باہر لے آیا۔وہ مسلسل جدوجہد کر رہا تھا۔اور اس کی چیخیں بھیانک سے بھیانک تر ہوتی جا رہی تھیں۔میں نے اس کی ٹانگیں پکڑی ہوئی تھیں لیکن اسکا بدن کئی فٹ اونچا اچھل رہا تھا۔میں نے اس کی دونوں ٹانگیں اپنے کندھوں پر رکھیں اور پھر پوری قوت سے اچھال کر اسے زمین پر دے مارا۔وہ زمین پر گرا لیکن اس کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا وہ انتہائی حیران کن تھا۔بے سر کے پورے انسان کا سیاہ نشان زمین پر بن گیا تھا۔اور اس نشان سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔میں نے اسے اچھی طرح دیکھا اور اس کے بعد سیدھا کھڑا ہو گیا۔اب اسکا کوئی وجود نہیں تھا۔لیکن وہ چاروں میری طرف دوڑ پڑے تھے۔اور پھر وہ میرے قدموں سے لپٹ گئے وہ طرح طرح کی آوازیں منہ سے نکال رہے تھے۔

''ارے سرکٹا مار ڈالا ارے جے بھگوان جے بھگوتی جے بھوانی ارے بھیا تم تو بڑے مہان بڑے دیوتا نکلے''۔

''تو تو اور کیا سمجھ رہا تھا؟ کوئی عام آدمی اس طرح جنگل میں پڑا ہوتا ہے''۔

''ارے مہاراج پوری بستی کیلئے خوشی کی خبر دے دی تم نے تو اب تو بستی چلنا پڑے گا آپ کو ان کی حالت برح طرح خراب ہو رہی تھی۔میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلو تم لوگوں کو کوئی فائدہ ہوا میرے دل کو خوشی ہوئی''۔

''بستی والے سنیں گے تو آپ کے چرنوں میں آپڑیں گے مہاراج سب کا ناک میں دم کر رکھا تھا اس حرام زادے نے اور یہ تو بھسم ہو ہی گیا ہرے رام ہرے رام''۔

''چلو ٹھیک ہے''۔

''آپ بستی چلیں مہاراج اب تو ہم ابھی چلیں گے ارے اب رہ کیا گیا''۔اور پھر وہ چاروں بڑی عقیدت سے میرے ساتھ ندی میں اترے۔ندی واقعی زیادہ گہری نہیں تھی۔اسکا پاٹ بھی زیادہ چوڑا نہیں تھا۔تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ندی کے اس طرف آ گئے اور وہیں سے آگے بڑھتے رہے۔وہ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

''امام دین چاچا نے ایک بار جانتے ہو کیا کہا تھا؟ دھنی بخش''۔

''کیا کہا تھا؟''۔

''کہا تھا نا انہوں نے کہ اللہ کا ایک بندہ آئے گا اور پوری بستی کو اس سرکٹے سے نجات دلا دے گا۔وہ جو مسجد میں وعظ کر رہے تھے تو انہوں نے کہا تھا میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا''۔

''چلو ٹھیک ہے اللہ کا بندہ آ ہی گیا'' وہ سب بہت خوش تھے اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔کہ یہ بھی تو طاقت کا ایک مرکز ہے۔اور اس طرح کم از کم اور کچھ نہیں تو مجھے ایک ایسی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔مگر یہ حیثیت برقرار رہ سکے گی کہ نہیں۔کیا میں پورے اعتماد کے ساتھ وہ سب کچھ کر سکوں گا جو منصب مجھے دے دیا گیا ہے۔اب دل میں ایک روشنی سی پیدا ہوگئی تھی۔اور میں بہت خوش تھا یوسف باگا کی کہانی مسلسل آگے بڑھ رہی تھی۔جب وہ خاموش ہوتا تو مجھے یوں لگتا جیسے گردش کائنات رک گئی ہے۔میں ان کہانیوں میں کچھ اس طرح رس گیا تھا کہ ان کو ختم کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا،یوسف باگا کی آواز ابھری۔

''تم بھی کس چکر میں پڑ گئے ہو میری کہانیوں میں ایسے الجھے ہو کہ دنیا ہی بھول گئے ہو''۔

''واقعی میری دنیا کتاب کی کہانیوں تک محدود ہوگئی ہے باگا صاحب''۔

''نہیں جاؤ دنیا کی بھی خبر رکھو کہانی تو چلتی ہی رہے گی جاؤ بس اب جاؤ بہت وقت ہو گیا ہے''۔بہر حال میں وہاں سے چل پڑا لیکن اب مجھے چاروں طرف سرکٹے نظر آ رہے تھے۔ان میں سے ایک ایک سرکٹے کو یوسف باگا صاحب ٹھکانے لگاتے جا رہے تھے۔کیا عظیم شخصیت سے میرا واسطہ پڑا ہے۔لیکن لیکن اس کہانی کا اختتام کیا ہے؟۔یوسف باگا کی یہ کیفیت کیسی ہوئی میرے لیے یہ صبر کرنا بڑا مشکل کام تھا۔فلیٹ پر پہنچا تو میری دوست سیما میری منتظر تھی۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟ ابو کئی بار مجھ سے لکھوا چکے ہیں''۔

''کیوں خیریت تو ہے''۔

''نہیں سب خیریت ہے آیئے ذرا ہمارے ساتھ'' سیما نے کہا اور میں مسکراتا ہوا اس کے گھر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ ان لوگوں سے تو اب میری بہت ہی محبت کی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ سب میرے احسان مند تھے۔ لیکن یوسف باگا نے جو احسان مجھ پر کیا تھا اس کے آگے سب کچھ ہیچ تھا۔ بہرحال میرا ان سے عقیدت کا رشتہ تھا اور میرے اندر کافی تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ دوسرے دن وہی سب کچھ سامنے تھا۔ باگا صاحب نے اپنی کہانی شروع کی۔

پنڈت اوم پرکاش جی کو اپنا ایمان بچانا مشکل ہوا جا رہا تھا۔ بال بچوں کے ساتھ مقدس یاترا کو نکلے تھے اور یہاں پڑے جا رہے تھے درخت کے پھیر میں۔ مادھولال نے آدھی دولت کی پیشکش کر دی تھی اور یہ آدھی دولت اتنی تھی کہ اوم پرکاش جی نے ساری عمر نہیں کمائی تھی۔ انہیں پارس پتھر ملا تھا۔ مگر یہ پتھر ان کے بجائے مادھولال کو چھو گیا تھا۔ ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ تقدیر کو انہیں اس مصیبت سے نکالنا تھا کہ ان کے بیٹے کو بنارس کے ٹکٹ مل گئے۔ بارہ بجے ریل روانہ ہونے والی تھی۔ مادھولال تو واقعی دیوانہ ہو گیا تھا کسی سے مل ہی نہیں رہا تھا۔ رخصت ہوتے ہوئے ہم مادھولال کے اس کمرے کے دروازے پر پہنچے جسے وہ بند کیے بیٹھا تھا۔

''پتا جی۔۔۔ دروازہ کھولیے''۔ مادھولال کے بیٹے نے آواز لگائی۔

''ابے کیوں بار بار آ جاتا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں''۔

''اوم پرکاش چاچا جا رہے ہیں''۔

''کہاں جا رہے ہیں؟''۔

''بنارس''۔

''کہاں ہیں؟''۔

''یہ کھڑے ہیں دروازے پر''۔ مادھولال کا بیٹا بولا۔

''تو بھاگ جا یہاں سے۔ بات کروں گا میں ان سے''۔

مادھولال کا بیٹا تو نہ گیا مگر مادھولال دروازے پر آ گئے تھے ان کی آواز ابھری۔ ''اوم پرکاش آدھی لے لو۔ تمہیں بھگوان کا واسطہ آدھی لے لو''۔

''میں جا رہا ہوں مادھولال۔ جیتا رہا تو واپسی میں تم سے ملوں گا!''۔

''میں الگ کر لوں گا۔ دھرم ایمان سے آدھی تمہاری۔۔۔''۔ مادھولال بولا اور اوم پرکاش جی وہاں سے پلٹ آئے۔ کچھ دیر کے بعد ہم لوگ اسٹیشن پہنچ گئے اور پھر ریل ہمیں لے کر چل پڑی۔ اوم پرکاش میرا بڑا احترام کر رہے تھے۔ ویسے حالت ان کی بھی زیادہ بہتر نہیں تھی۔

''یوسف جی۔ بھگوان نے یہ سونا چاندی بھی کیا چیز بنائی ہے۔ اس کے سارے کھیل نیارے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس نے منش کو صبر بھی دیا ہے۔ ایک وہ ہے جو ہنسی ہنسی میں دھن دولت کے انبار لگا کر پھینک دیتا ہے۔ اور ایک وہ جوان پھینکی ہوئی چیزوں کو اٹھا کر پاگل ہو جاتا ہے''۔

''ہاں اوم جی۔ ملتا کسی کو کچھ نہیں ہے''۔

''وہ کون سی شکتی ہے یوسف جی انسان کو دھن دولت سے نفرت کرا دیتی ہے''۔

''ایمان۔۔۔ اللہ پر ایمان۔ جو کچھ اس کائنات میں ہے۔ اسکا ہے اسے اپنا سمجھنا حماقت ہے جو سامنے آ جائے اسے اس کا سمجھ کر دیکھو۔ اپنا سمجھ کر نہیں۔ تمہارا کچھ بھی نہیں ہے۔ جب تمہاری سانسیں ہی نہیں تو اور کیا چیز ہو گی۔ لالچ اور ہوس سے دوسروں سے چھین کر جو چاہو اکٹھا کر لو اسے کہیں لے جاؤ تو مانیں۔ سب کچھ رہ جائے گا اور تم ہاتھ پھسیارے چلے جاؤ گے''۔

''اوم پرکاش سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر میرے ہاتھ پکڑ کر بولے۔ ''ایسے کچھ بول اور بول دو مہاراج۔۔۔ میرا بھلا ہو جائے گا!''۔

''کیوں اوم پرکاش جی''۔ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''نیک دلی سے تیرتھ یاترا کو نکلا تھا کہ یہ کھیل سامنے آ گیا۔ غلطی میری بھی نہ تھی۔ مجھے معلوم بھی نہ تھا اور اب من ادھر ہی اٹکا ہوا ہے۔ مادھولال تو کروڑ پتی بن گیا۔۔۔ اور۔۔۔ چولہے میں جائے سب کچھ۔ ارے کیا کروں گا۔۔۔؟ میں سونے چاندی کا۔ سب دوسروں کے ہی کام آئے گا''۔ اوم جی خود کو سمجھا رہے تھے۔ سفر جاری رہا۔ ان پر کیا بیت رہی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا میرے اپنے ہی تفکرات کیا کم تھے۔ اب تو درد حد سے گزر چکا تھا۔ دوا کی حاجت ہی ختم ہوتی جا

رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں۔ خود کچھ نہ کروں کوئی کچھ کرتا ہے تو کرنے دوں۔ آنکھیں بند کر کے سو جانے کو جی چاہتا تھا۔

بنارس آ گیا۔ مندروں کی دنیا۔ ہندو مسلمانوں کی ملی جلی آبادی۔ یاتریوں کے ہجوم۔ عقیدت مندوں کے ڈیروں کے درمیان اوم پرکاش جی نے بھی ڈیرہ جمالیا۔ دولت مند انسان تھے۔ جیسا چاہتے بندوبست کر سکتے تھے مگر بڑی عقیدت سے آئے تھے۔ اس لیے سارے عمل وہی کرنا چاہتے تھے جو ان کے دھرم کے مطابق ہوں۔ مجھے ساتھ تو لے آئے تھے مگر اب شاید یہ سوچ رہے تھے کہ میرا کیا کریں۔ وہ خود اپنے مخصوص انداز میں پوجا پاٹ کرنا چاہتے تھے ایسے میں میرا ساتھ چھوڑنا ضروری تھا بولے۔

''مسعود میاں۔ تمہارا جی چاہے سیر کرو۔ ہم پوجا کریں گے، ڈیرہ تمہارا ہے جیسے من چاہو رہو۔ شام یہاں بتالیا کرو۔''۔

''آپ بالکل بے فکر رہیں اوم پرکاش جی۔ میں اپنی جگہ تلاش کرلوں گا''۔ میں نے انہیں اطمینان دلایا۔ پھر میں ڈیرے سے چل پڑا۔ کاشی واقعی ہندو دھرم کی بڑی مقدس جگہ ہے۔ ہندوستان کے ہر گوشے سے لوگ آئے ہوئے تھے بلکہ شاید نیپال، سری لنکا اور بھوٹان کے یاتری بھی تھے۔ طرح طرح کے چہرے طرح طرح کے نقش و نگار۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے، نوجوان لڑکیاں اور طرح طرح کے سوانگ اور روپ۔

رات کے کوئی دس بجے تھے۔ ایک پرانے مندر کے قریب بیٹھا میں آنے جانے والے یاتریوں کو دیکھ رہا تھا۔ چار آدمی ایک لمبے تڑنگے شخص کے پیچھے بڑی عقیدت سے چلتے ہوئے میرے قریب سے گزرے لمبے تڑنگے شخص کے سر کے بال کمر تک لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے سر سے پاؤں تک دھوتی جیسا لباس لپیٹا ہوا تھا۔ بازو کھلے ہوئے تھے سینے تک داڑھی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا۔ مجھ سے چند قدم آگے بڑھ کر وہ رک گیا۔ ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔ وہ چاروں آدمی بھی میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ شخص پلٹ کر میرے قریب آ کھڑا ہوا اور میں بھی کسی قدر گھبرائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''آپ یہاں مہاراج۔۔۔ آپ یہاں کب آئے؟''۔

''آج''۔۔۔۔ میں نے بدستور گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ میں اسے بالکل نہیں پہچان سکا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر کہا۔

''مجھے میرے بہت پرانے دوست ملے ہیں۔ کچھ دیر ان سے بات کروں گا۔ آپ لوگ اپنے استھان پر جائیں اور آرام کریں کل پھر ملیں گے'' وہ چاروں ہاتھ جوڑ کر جھکے اور واپس چلے گئے۔ جب وہ دور نکل گئے تو اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا'' کالی شکتی والے۔ یہ بھگوان دوار ہے یہاں تیرا کیا کام؟''۔

''تم کون ہو۔ میں نے تمہیں نہیں پہچانا؟''۔

''ساگر روپ ہے ہمارا نام۔ تو ہمیں کیا پہچانے گا ہم نے تجھے اوباش پہچان لیا ہے''۔

''کیا جانتے ہو میرے بارے میں''۔

''تیرے شریر سے کالی بساندھ اٹھ رہی ہے۔ تیری پہچان کیلئے یہ کافی ہے''۔

''اوہ میں سمجھا کچھ اور جانتے ہو تم میرے بارے میں''۔

میں نے گہری سانس لیکر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا کر رہا ہے یہاں''؟۔

''یاتر'' میں نے کہا اور ہنس پڑا۔

''بھسم ہو جائے گا''۔

''کیوں۔۔۔؟''

''کالی گندگی لے کر تو بھگوان کے چرنوں میں جائے گا''۔

''تم بڑے گیانی معلوم ہوتے ہو۔ فوراً کالی شکتی کو پہچان لیا۔ اس سے آگے بھی کچھ جانتے ہو یا اتنا ہی؟''۔ وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''اپنے دونوں ہاتھ سامنے کرو'' اس نے کہا اور میرے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل

کیا تھا۔تھوڑی بہت روشنی ہر جگہ سے چھن رہی تھی وہ میرے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔دیر تک وہ میرے ہاتھوں پر نظریں جمائے رہا۔پھر اس کے من سے ایک چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔واہ رے واہ۔۔۔اوہ۔۔۔‘‘۔اس نے غور سے میرا چہرہ دیکھا اور پھر ہاتھ آگے بڑھا کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے پھر آہستہ سے بولا۔

’’جیوتش دویا پر وشواس رکھتے ہو‘‘۔

’’خود بولتے رہو ساگر روپ جی۔ہم سے کچھ نہ پوچھو‘‘۔

’’ہم نے تھوڑا سا جیوتش کا علم سیکھا ہے تمہاری ریکھاؤں میں جو نظر آ رہا ہے وہ عجیب ہے کچھ کہہ سکو گے؟ کچھ پوچھیں بتاؤ گے؟‘‘۔

’’اگر بتانے کی بات ہوئی تو‘‘۔

’’ہندو دھرم سے نہیں ہو‘‘۔وہ میرے ہاتھوں پر نظریں جما کر بولا۔

’’آگے چلو‘‘۔

’’وقت کے مارے ہو،مگر شکتی مان ہو۔بڑا دل رکھتے ہو مگر دکھوں سے بھرا۔۔۔کالا جادو جانتے ہو مگر۔۔۔مگر۔۔۔کرتے نہیں ہو‘‘۔

’’اور!‘‘۔

’’حیرانی کی بات ہے۔سمجھ میں نہ آنے والی تمہاری ریکھائیں عجیب ہیں۔ریکھاؤں میں سارے جیون کی کہانی نہیں ہوتی۔ستاروں کی چال بدلتی رہتی ہے ریکھائیں بنتی بگڑتی رہتی ہیں مگر سب سے زیادہ ایک بات حیران کر رہی ہے‘‘۔

’’کیا‘‘۔

’’تمہارا دھرم کیا ہے؟‘‘

’’کیا کالا جادو صرف ہندو جانتے ہیں؟‘‘

’’نہیں جو بھی شیطان سے قریب ہو جائے جو اسے دیوتا مان لے دھرم کی قید نہیں ہوتی۔لیکن شیطان کا ایک ہی دھرم ہوتا ہے۔یعنی شیطنیت نہ پھر ہندو،ہندو ہوتا ہے نہ مسلمان،مسلمان۔وہ سب شیطان کے چیلے ہوتے ہیں‘‘۔

’’تم خود کیا ہو؟‘‘

’’صرف انسان بچپن سے گیان دھیان سے دلچسپی تھی سب کچھ چھوڑ کر اسکی کھوج میں لگ گیا‘‘۔

’’کیا پایا؟‘‘

’’شانتی۔۔۔صرف شانتی‘‘۔

’’جیوتش سیکھی‘‘۔

’’ہاں ایک مہان آتما مل گئی تھی اس نے اپنا گیان دے دیا‘‘۔

’’اور۔۔۔‘‘میں نے کہا اور وہ مسکرا دیا۔

’’میری ایک بات پوری نہیں کی،اپنی پوچھے جا رہے ہو‘‘۔

’’میں کچھ بھی نہیں ہوں۔دو کوڑی کا انسان ہوں،کالا جادو نہیں جانتا۔بس اس کے جال میں پھنس گیا ہوں،راستے کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں۔تلاش کرتا رہوں گا اس وقت تک جب تک موت نہ آ جائے‘‘۔

’’اتنا انتظار کیوں کرتے ہو؟‘‘۔

’’پھر کیا کروں؟‘‘۔

’’سورج کا سفر!دوڑنا پڑے گا۔کرنوں کے ساتھ دوڑنا پڑے گا رت گئے تو کبھی منزل نہ پاؤ گے اور پہنچ گئے تو فیصلہ ہو جائے گا۔منزل کتنی دور ہے کوئی نہیں جانتا۔مگر چلنا پڑتا ہے۔دوڑنا پڑتا ہے۔وہیں فیصلہ ہو جائے گا؟‘‘

’’سورج کا سفر؟‘‘

’’ہاں‘‘۔

’’کیسے؟‘‘

’’میں بتا سکتا ہوں‘‘۔

’’بتاؤ!‘‘

''ایسے نہیں۔ گرو ماننا پڑے گا گرو دچھنا پڑے گی''۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا۔۔۔'' میں نے پوچھا۔

''محنت سے کمائی کر کے چار لڈو۔ جب ہو جائیں اس جگہ آجانا۔ انتظار کروں گا''۔ اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا، عجیب سا آدمی تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ بہت بڑا ہو مگر چھوٹا بنتا ہو۔ سورج کا سفر گرو دچھنا، محنت کی کمائی سے، محنت کی کمائی سے۔ کہاں سے کماؤں؟''

رات ہو گئی بہت دور نکل آیا تھا اوم پرکاش کا ڈیرہ کہاں ہے یاد ہی نہیں رہا تھا۔ ساگر روپ یاد تھا وہ جو کچھ کہہ گیا تھا جی کو لگ رہا تھا۔ ایک سنسان گوشہ دیکھ کر وہیں پڑ رہا۔ وہاں صبح ہو گئی کوئی دس بجے تھے۔ میں نے ایک ادھیڑ عمر مرد کو دیکھا ٹین کا صندوق سر پر رکھے اس پر بستر رکھا ہوا تھا، ساتھ میں اس کی عمر کی عورت تھی جو دو وزنی تھیلے لٹکائے ہوئے تھی۔ ڈگمگائے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے قریب سے گزرا تو گردن گھما کر مجھے دیکھا اور صندوق سے بستر گر پڑا، اس نے صندوق بھی بستر پر چھوڑ دیا اور وہیں بیٹھ گیا، عورت نے تھیلے زمین پر پٹخ دیے۔

''اب آگے ناہیں بڑھو گے کا''۔۔۔۔ عورت غصے سے بولی۔۔۔۔

''ارے چپ آگے کی بچی۔۔۔ کھوپڑیا پچک کر سڑا ہوا خربوزہ بن گیا اور تو کہے ہے آگے بڑھو'' مرد جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اور پکڑو پانی پانی واتن سے۔ یاترا کو آویں کی کا جرورت تھی۔ گھر کو ہی کاسی جی بنا لیتے''۔

''اور ریل کا کرایہ تے جیسے تیرے میکے سے آیا تھا۔ وہ سسر پندرہ روپے مانگ رہا تھا۔ ہم نے آٹھ لگا دیے تب بھی نہ مانا''۔ مرد نے کہا اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا'' ارے بھائی اور بھائی۔۔۔۔ ارے ذرا ادھر آنا میرے بھائی۔ ارے مزدوری کرے گا کیا رے یہ سامان اٹھا کے ذرا تلسی نواس پہنچا دے بھیا۔ ایک بکس اور ایک بسترا ہے رے بھائی''۔

''ارے ارے تمہاری کھوپڑیا نے سچی مچی کھربوجا بن گئی ہے۔ وہ مجدور لاگے ہے تمہیں کا''۔ عورت سے مرد کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ایں؟'' مرد مجھے دیکھنے لگا مگر میرے ذہن میں جھناکا ہوا تھا۔ مزدوری محنت کی کمائی۔ یہ محنت کی کمائی ہوگی چنانچہ میں نے آگے بڑھ کے کہا۔

''کتنے پیسے دو گے؟''۔

''ارے چار روپے دیں گے پورے''۔

''ٹھیک ہے''۔ میں نے گردن ہلا دی اور پھر وزنی بکس بستر سے اٹھا کر سر پر رکھ دیے، عورت نے دونوں تھیلے میرے بازوؤں میں لٹکا دیے تھے۔ میں چل پڑا اور پھر انہیں تلسی نواس مندر پہنچا دیا۔ بہت سے یاتری یہاں موجود تھے۔ مرد نے سامان ایک جگہ رکھوا دیا اور پھر انٹی سے مڑے تڑے نوٹ نکالے اور گھگھیا کر بولا'' ارے تین روپے لے لے تیرا بھلا ہوگا''۔

''بھگوان تمہیں سیدھا کرے۔ نکالو پانچ روپے اور اسے دؤ''۔ عورت جھلا کر بولی۔

''ارے او ساہوکارنی پانچ روپے کاہے کے ری''۔

''یہ تھیلے جو اٹھائے ہیں اس نے''۔

''نے یہ سامان نہیں کیا۔ ارے لے بھائی۔ ایک روپیہ اور لے۔ تو جا اس ساہوکارنی کو تو ہم دیکھ لیں گے''۔ مرد نے ایک روپیہ اور دے کر جان چھڑائی۔ میں چار روپے لے کر پلٹا تو اپنے عین سامنے اوم پرکاش جی کو کھڑے پایا۔ وہ تند نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''مزدوری!'' میں نے ہنس کر کہا۔

''کیوں؟''

''میری بھی ضرورتیں ہیں اوم پرکاش جی! آیئے یہاں کہاں؟''

مجھے دکھ ہوا ہے مسعود میاں!۔ میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے بتا نہیں سکتا اور تم۔۔۔۔!''۔

''دوسرے لوگ کہاں رہتے ہیں؟''۔

''وہ موجود نہیں۔ رات کو بھی۔ ڈیرے پر واپس نہیں آئے''

''بس آپ کی کاشی دیکھ رہا ہوں''۔

"ایسے؟" وہ شکایتی انداز میں بولے۔

"ہاں اپنا اپنا انداز ہے" میں نے کہا۔ دوپہر ڈھلے تک اوم پرکاش کے ساتھ رہا پھر دوبارہ موقع پا کر نکل بھاگا۔ وہ لوگ پوجا پاٹ میں مصروف تھے مجھے موقع مل گیا۔ میں نے ایک دکان سے دو لڈو خریدے، دو روپے کے مل گئے تھے ایک فقیر نے ہاتھ پھیلایا تو بچے ہوئے دو روپے اسکے ہاتھ پر رکھ دیے پھر اس جگہ پہنچ گیا جہاں ساگر روپ ملا تھا۔ بیشمار لوگ ادھر سے ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ ایک شخص ٹاٹ کی بوری سر پر رکھے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا تبھی مجھے "شی شی" کی آواز سنائی دی اور میں چونک کر پلٹا۔ ساگر روپ نے بوری اٹھا کر بغل میں دبائی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ آؤ چلیں یہاں سے" ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ پھر وہ کافی دور جا کر ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور مسکرا کر بولے۔ لڈو لے آیا بیٹا۔۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔۔ یہ ہیں"۔

"ٹھیک ہے گرہ بھگتی کر۔ ایک لڈو ہمارے منہ میں رکھ۔" انہوں نے کہا اور میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ انہوں نے ایک لڈو اٹھا کر میرے منہ میں رکھا اور بولے۔ "اب ہمارے چرن چھو کر ماتھے سے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر ہمارے سامنے دوزانو بیٹھ جا۔۔۔!"

"کیا۔۔۔۔؟" میں حیرت سے بولا۔

"ہاں یہ گرو کا احترام ہے۔"

"نہیں ساگر روپ جی۔ یہ میرے لیے ممکن نہ ہوگا ______ کچھ ہویا نہ ہو مگر یہ نہیں ہوگا۔" میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور ساگر روپ مجھے غور سے دیکھنے لگے پھر مسکرا کر بولے۔

"مسلمان ہے۔ تجھ سے تیرا دھرم کون چھین سکتا ہے بھلا۔ سب سسرے بیوقوف ہیں۔ پاگل ہیں۔ آجا یہاں بیٹھ جا میں تجھے بتاؤں سورج کا سفر کیا ہے۔ آ بیٹھ جا تو فولاد ہے۔ تجھے کوئی آسانی سے نہیں توڑ سکتا۔ میں بیٹھ گیا۔" میرے ساتھ چلنا ہوگا تجھے۔"

"کہاں؟"

"زیادہ دور نہیں۔ بس کسی بھی ایسی جگہ جہاں رکاوٹیں نہ ہوں جو بتاؤں وہ کرنا ہوگا۔"

"میرے حکم نہ ماننے سے آپ ناراض تو نہیں ہوئے ساگر جی۔"

"نہیں تیرا دھرم پتا چل گیا۔ مسلمان کسی کو وہ تعظیم نہیں دیتے جو ان کے رب کے لیے مخصوص ہے۔ اس پر تو لاکھوں گردنیں کٹی ہیں مجھے معلوم ہے۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ کیا کہتا ہے چلیں؟"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"تو نے لڈو کھلایا ہے بھائی اتنا تو کرنا ہی پڑے گا۔"

ساگر سروپ ہنستے ہوئے اٹھ گئے۔ اور پھر ہم وہاں سے چل پڑے۔ ساگر سروپ نے کہا تھا کہ دور جانا ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہم آبادیوں کو پیچھے چھوڑ آئے۔ جنگل شروع ہو گئے جھٹپٹا ہوا چڑیوں کا شور۔ بندروں کی خوں خوں ابھرتی رہی پھر رات ہو گئی۔ وہ رکے نہ میں وہ تھکے نہ میں۔ اور جب چاند نکلا تو ہم ایسی بستی پہنچ گئے جہاں ایک بدشکل ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف ابھرتی ہوئی ناہموار زمین سوکھے درخت مکمل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"یہ جگہ ہے۔" ساگر سروپ نے کہا اور رک گیا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "سورج وہاں سے بلند ہوگا۔ اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا تھا۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"راستہ چاہتا ہے نا؟"

"ہاں راستہ چاہتا ہوں۔"

"سورج تجھے راستہ بتائے گا۔ اجالا ہونے سے پہلے تیار ہو جانا اپنے بدن کو ہوا کا بدن بنا لینا۔ کسی سے مدد نہ مانگنا پھر جب سورج سر ابھارے گا تو اسکی کرنیں زمین کی طرف لپکیں گی جو کرن پہلے زمین کو چھوتی ہے وہ سرتاج ہوتی ہے۔ اسکی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہزار رنگ تڑپ رہے ہوتے ہیں۔ وہ زمین پر دوڑتی ہے دور تک سورج کا پیغام لے جانے کیلئے۔ اس دن کی بادشاہی اسے ملتی ہے۔ تجھے سرتاج کرن کے ساتھ ساتھ دوڑنا ہوگا۔ اسکی رفتار کے ساتھ۔ کرن کھو گئی تو تیرا مستقبل بھی کھو جائے گا۔ اور تو نے اسکا ساتھ لے لیا تو منزل پر پہنچ جائے گا۔ وہاں تجھے تیرا

مستقبل مل جائے گا بس یہی بتانا تھا تجھے۔''

''یہ سب کیا ہے؟''

''بھگوان ہی جانے۔'' ساگر سروپ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''مجھے تو یہ کہانی لگتی ہے۔''

''یہ سچی کہانی ہے۔''

''پہلے میں نے یہ کرن کہانی نہیں سنی۔''

''بہت سوں نے نہ سنی ہوگی تو ہی کیا لیکن یہ کرن سب کے لیے ہوتی ہے۔ سورج کی اس کرن کو پکڑ لیا جائے تو سارے کام بن جاتے ہیں تو نہیں جانتا' بہت سے نہیں جانتے مگر پنکھ پکھیرو جانتے ہیں۔ وہ پرواز کرتے ہیں اس کرن کے ساتھ۔۔۔ وہ دوڑتے ہیں تو کیا سمجھتا ہے پنکھ پکھیرو بھگوان کے داس نہیں ہوتے' سب اسے جانتے ہیں سب اسے پہچانتے ہیں۔ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے اسے یاد کرتے ہیں۔ کرن کے ساتھ دوڑنے میں کچھ رہ جاتے ہیں کچھ پار لگ جاتے ہیں جو رہ جاتے ہیں وہ دوسری صبح پھر جاگ جاتے ہیں اور کرن کے پیچھے دوڑتے ہیں۔''

''کرن کہیں جا کے رکے گی؟''

''ہاں کرنوں کا ملاپ ہو جائے گا۔ دھوپ پھیل جائے گی۔''

''وہاں میں کیا کروں گا؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔ اب میں چلتا ہوں۔'' ساگر سروپ نے کہا اور میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ ساگر سروپ مجھ سے کچھ کہے بغیر واپسی کیلئے مڑ گیا تھا۔ میں اب اس سے کیا کہتا۔ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسوقت تک جب تک وہ چاندنی میں مدغم نہ ہو گیا۔ اسکے بعد میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی یقیناً آبادی سے بہت دور نکل آئے تھے۔ چاندنی کے سوا روشنی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ میں نے ایک جگہ منتخب کی اور بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر خود کو امتحان میں ڈالا تھا۔ مگر یہ انوکھا امتحان تھا۔ انوکھی کہانی تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسکا مطلب کیا ہے؟۔ ساگر سروپ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ایک دوبار یہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں یہ بھوریا چرن کی کوئی چال نہ ہو۔ کیا یہ ہوسکتا ہے۔ نہ جانے کیوں دل نفی میں جواب دے رہا تھا۔۔۔ جو کچھ بھی ہے یہ کھیل ضرور کھیلوں گا۔ ایک مناسب جگہ منتخب کر کے لیٹ گیا۔ دل میں بہت سے وسوسے تھے۔ اگر سو گیا تو سوتا نہ رہ جاؤں جاگتا رہا تو صبح سے نڈھال ہو جاؤں گا۔ پھر کیا کروں۔۔۔ بچپن کی ایک بات یاد آ گئی۔ ماں نے بتائی تھی۔ امتحان دے رہا تھا۔ رات کو دیر تک پڑھتا تھا۔ ماں نے کہا۔

''اتنی دیر پڑھنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔''

''اور امتحان۔''

''سال بھر پڑھو تو آخری دنوں میں یہ مشکل نہ اٹھانی پڑے۔''

''اب تو پڑھنا ہی ہوگا۔''

''صبح کا سہانا وقت اسکے لئے بہت بہتر ہوتا ہے۔''

''صبح آنکھ نہیں کھلتی۔''

''ایک کام کیا کرو۔ رات کو جب سویا کرو تو اپنے ہمزاد کو ہدایت کر دیا کرو کہ وہ تمہیں اسوقت جگا دے۔ دیکھ لینا اس وقت جاگ جاؤ گے۔''

''ہمزاد کیا ہوتا ہے؟''

''بس ہوتا ہے۔۔۔'' ماں شاید خود بھی اسکی تشریح نہیں کر سکتی تھی۔ میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ مگر پھر تجربہ کر ہی ڈالا۔ میں نے ہمزاد کو حکم دیا کہ مجھے صبح پانچ بجے جگا دے۔ اور پہلے ہی دن اس وقت آنکھ کھل گئی جب گھنٹہ پانچ بجے کا اعلان کر رہا تھا۔ اس کے بعد بارہا تجربہ کیا اور کامیاب رہا۔ بہت عرصے کے بعد ہمزاد کا خیال آیا تھا۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ مجھے ساڑھے چار بجے جگا دے۔ اور پھر کھردری زمین پر لیٹ کر نیند کی خوشامدیں کرنے لگا۔ نیند چپکے سے آنکھوں میں آ بسی تھی۔ یقیناً وہ ساڑھے چار بجے کا وقت ہی ہوگا جب جاگ گیا تھا۔ سوتے ہوئے کروٹ بھی نہ بدلی تھی۔ اتنی گہری نیند آئی تھی مگر اس نیند نے تھکن اتار دی تھی۔ اٹھ گیا۔ آنکھیں مل کر صاف کیں۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ دل میں آج کے آنے والے واقعات کا خیال آیا اور دل بولنے لگا۔ میں یہ عمل کر سکوں گا یا نہیں خود کو پرعزم کرنے لگا۔ اجالا آہستہ آہستہ اترنے لگا۔

ماحول روشن ہوگیا۔اور میں اس کھلاڑی کی طرح تیار ہوگیا جو اسٹارٹنگ پوائنٹ پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ساگر سروپ نے سورج کی سمت بتا دی تھی۔ میں نے اچھل اچھل کر پاؤں کھولے اور ادھر نظریں جما دیں۔سورج کا یہ کھیل زندگی میں دیکھنا تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔مگر کیا اہمیت تھی اس کھیل کی۔۔۔''

سورج بلند ہوا۔کرنوں کا سیلاب امڈ آیا۔اور میری نظریں زمین کا طواف کرنے لگیں۔سرتاج کرن زمین کو چھوتی ہوئی آگے بڑھی اور میں نے چھلانگ لگا دی۔اس کے رخ کا اندازہ ہوگیا تھا۔دانت بھینچ گئے مٹھیاں بند ہوگئیں اور میں دوڑنے لگا۔تیز ہوا نے کان بند کر دیئے۔بدن کا رواں رواں دوڑ رہا تھا اس وقت اسے انسانی قوت نہیں کہا جا سکتا تھا۔سوچنے سمجھنے کی قوتیں کم ہوگئی تھیں۔بس بصارت زندہ تھی اور میں کرن پر جیسے سواری کیے ہوئے تھا۔شاید اس رفتار سے کسی انسان کو دوڑتے ہوئے کبھی نہ دیکھا ہوگا کیونکہ دیکھنے والا اس جگہ کون ہے۔کچھ لمحات کے بعد ہی اپنی خام خیالی کا احساس ہوا۔میں تنہا نہیں تھا۔یقیناً میں تنہا نہیں تھا۔بہت سے پرندے میرے سر پر سفر کر رہے تھے۔بہت سے چوپائے بھاگ رہے تھے۔یہ کائنات کی سب سے حیرت ناک دوڑ تھی جو یہ صبح ہوئی تھی۔مگر انسانی آنکھ نہ اسے دیکھتی ہے نہ سمجھتی ہے۔پھیپھڑے پھٹ گئے تھے۔بدن سڑ گیا تھا مگر ہمت ساتھ دے رہی تھی۔اندازے ختم ہوگئے تھے۔یہ تصور بھی نہیں کر سکا تھا کہ کتنا فاصلہ طے ہوا ہے۔بس سرتاج کرن تھی اور میں۔۔۔۔ساری کائنات دوڑ رہی تھی۔

پھر اچانک سرتاج کرن گم ہوگئی۔دوسری کرنوں نے اسے آلیا تھا اور اسے گود میں اٹھا کر گم ہوگئی تھیں۔دھوپ پھیل گئی۔سامنے ہی ایک تیز رفتاری کا شور سنائی دے رہا تھا۔اس کے قریب درخت اور گھاس نظر آ رہی تھی۔سرتاج کرن کے گم ہوتے ہی میرے پیروں کی رفتار سست ہوگئی۔

اعصاب نے بریکیں لگائیں بدن کو کئی جھٹکے لگے اور میں چکرا کر گر پڑا۔۔۔نیچے گھاس تھی۔

بدن کئی بار تڑپا اور پھر ساکت ہوگیا۔یوں لگا جیسے بدن سے روح نکل گئی ہو اور میں بے جان ہوگیا۔ایک لامتناہی سکون' خاموشی سناٹا اور یہ سناٹا بڑا فرحت بخش تھا۔۔۔آہ۔۔۔موت کتنی

حسین ہے۔شاید میں مر گیا۔۔۔۔۔بس پھر میں مر گیا۔۔۔مگر موت جیسی اتنی حسین شے اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی مجھے جگا دیا گیا۔بتایا گیا کہ میں زندہ ہوں۔زیر امتحان ہوں۔اور امتحان اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتے۔ایک ننھا سا خوش رنگ پرندہ میرے سر پر بیٹھا آہستہ آہستہ میری پیشانی پر چونچ مار رہا تھا۔میرے بدن کو جنبش ہوئی تو وہ پھر سے اڑ گیا۔زندگی کے احساس نے پوری طرح بیدار کر دیا۔ایک کراہ کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا ندی کا شور مسلسل اٹھ رہا تھا۔سیبوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔سخت بھوک لگ رہی تھی۔درخت نظر آئے جن پر سیب جھول رہے تھے۔آسانی سے اٹھ گیا۔سیب توڑے اور انہیں چبانے لگا جب پیٹ بھر گیا۔پھر ندی سے پانی پیا شام جھک رہی تھی کچھ دیر کے بعد تاریکی نیچے اتر آئی۔دل میں کوئی خیال نہیں تھا۔پرندے نظر آ رہے تھے کسی انسانی وجود کا نشان نہیں تھا لیکن کچھ دیر کے بعد کھنکھارنے کی آواز ابھری اور میں سہم گیا۔

''آؤ'' کسی نے کہا اور میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔رکتے کیوں ہو آگے بڑھو''۔۔۔۔آواز نے کہا۔

''کون ہے۔۔۔کہاں ہو تم۔''میں ڈری ڈری آواز میں بولا۔

''جستجو' صرف جستجو۔قدم آگے بڑھاؤ۔'' لہجہ کرخت تھا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کدھر قدم بڑھاؤں۔بہر حال چند قدم آگے بڑھا اور رک گیا۔''بڑھتے رہو رکتے کیوں ہو؟'' کہا گیا۔

سب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے آگے آگے چل رہا ہے۔میں نے قدموں کی چاپ سے قدم ملا دیے اور مجھے ایک خطے میں لایا گیا جہاں درخت ایک دائرے کی شکل میں تھے۔یہاں انتہائی دلفریب خوشبو بکھری ہوئی تھی۔کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن احساس ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ موجود ہیں۔میں رک گیا۔

''یہ ہے' کس نے کہا۔''

''کیا نام ہے؟''

''یوسف۔''

''کیا جرم ہے؟''

''کیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں۔ اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا؟''

''ایک آواز ابھری۔''

''اعتراض ہے۔''

''کیا۔''

''وہ ملعون جانتا تھا۔ سمجھتا تھا کہ توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔''

''یہ فیصلہ روز حشر کا ہے۔''

''اس فیصلے کا یہاں ذکر کہاں؟''

''تو یہ اجتماع یہاں کیوں ہے۔''

''ہمارا فرض ہے۔''

''کیسے؟''

''ایک مسلمان کو مدد درکار ہے ارواح خبیثہ کے خلاف۔''

''مسلمانوں کی رگوں میں دوڑتی غلاظت کے باوجود۔''

''یہ غلاظت اسے دھوکے میں ملی ہے۔''

''اسکا عمل کیا رہا؟''

''چند غلطیاں۔''

''توازن کیا ہے؟''

''کنارے کا پلڑا زمین سے لگا ہوا ہے۔''

''میزان درست ہے۔''

''پوری جانچ پڑتال کے ساتھ۔''

''اس کے ساتھ تعاون مشیت ایزدی سے انحراف کا گناہ تو نہ ہوگا۔'

''قاضی صاحب فیصلہ کریں گے۔''

حمیدی

''مختصر تفصیل۔'' نئی آواز نے کہا۔

''ابتداء۔۔۔نوجوانی کی سرکش عمر، رزق حرام کی طلب اور اسکی جستجو میں ایک سفلے کے پاس پہنچنا مگر پھر بے لوثی اور ایک مزار پاک کو آلودہ نہ کرنے کا عزم جسکے نتیجے میں مصیبتوں کے پہاڑ اٹھاتے پھرا ہے یہ۔''

''مگر اسے موقع ملا۔''

''وہاں اس سے غلطی ہوئی۔ یہ دوسرا گناہ تھا۔''

''اس کے بعد؟''

''خباثت سے مسلسل جنگ۔ اسکی قوتوں کے حصول کے باوجود ان سے مسلسل انحراف، صعوبتوں کی مسلسل برداشت غیر دینی امور کو قبول نہ کرنا۔ بھٹکنا مگر سنبھلنا۔ کبھی زیر نہ ہونا۔ آپ کیلئے کچھ حاصل نہ کرنا۔ پلڑا بہت نیچے ہے۔''

''سزا مکمل ہے۔''

''اسکا فیصلہ کیسے ممکن ہے۔ ہاں سفارش کی جاتی ہے اسکی ایک اہم وجہ ہے۔''

''بتائی جائے۔''

''ہر خوف، ہر مصلحت سے بے نیاز ہو کر اس نے خود کو مسلمان کہلوایا ہے کبھی کسی مصلحت یا زندگی کے خوف نے اسے نام بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ کوئی احساس اس سے اسکا دین نہیں چھین سکا۔''

''آہ۔۔۔یہ قابل غور ہے۔''

''فرض بھی ہے۔ باطل قوتیں اسے مسلسل زیر کر رہی تھیں۔ لیکن یہ ثابت قدم رہا۔ اور اسکی مدد ہم میں سے ہر صاحب دین کے لیے فرض ہوگئی۔ ہمیں اس کے لیے دعا کرنی ہوگی کہ باطل قوتیں اس سے دور ہو جائیں۔ اپنی بساط کے مطابق اسکی راہنمائی ہم پر واجب ہے۔''

''دعا کرو! ہاتھ اٹھاؤ۔'' اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ میرا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دماغ ساکن تھا صرف سن رہا تھا میں بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر آمین کی گونج سنائی دی۔ پھر ایک آواز نے کہا۔

''اے شخص، عمل افضل ہے اور سب کو ہدایت کی گئی ہے عمل پتھر ہوتے ہیں کہ ہل نہیں سکتے اور ہوا اور پانی کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہر ذی روح کو عمل دیا گیا تو ہماری عدالت میں آیا اور فیصلہ حقائق کی بنیاد پر تیرے حق میں ہوا۔ لیکن عمل صرف تجھے کرنا ہوگا۔ اس کے عوض ولایت نہ مانگنا۔''

درویش نہ سمجھ بیٹھنا خود کو کہ یہ عمل صرف تیری ذات کی فلاح کیلئے ہے۔ اور اسکا نتیجہ تیرے لیے بہتر ہوگا۔ سات جادوگرنیاں تجھ پر مسلط کردی گئی ہوں۔ اور سترہ جادو تیرے وجود میں اتار دیئے گئے ہیں۔ ان سے چھٹکارا تیری ذمہ داری ہوگی۔''

تجھے ان سات جادوگرنیوں کو ہلاک کرنا ہوگا اور صرف انسان رہ کہ جب تک وہ عمل کریں گی تو انکا شکار ہوگا۔ انسانوں کی مانند لیکن ہوش کے لمحات نہ کھونا۔ وہیں خود کو سنبھالنا اور حالات سے فرار حاصل نہ کرنا۔ بلکہ ان میں شامل ہو جانا۔ تجھے انکی صورتیں نہیں دکھائی جا سکتیں لیکن ایک رعایت ہوگی۔ ان کے ہاتھوں میں سات انگلیاں ہوں گی۔ بس یہی انکی پہچان ہے۔ اور اس عمل کیلئے جو مشکلات تجھے پیش آئیں گی ان میں تجھے مدد ملے گی اسکا وعدہ ہے اور اس پر غور نہ کرنا۔ نہ ہی اسکا تعاقب جو تیرا مددگار ہو۔ نہ ہی انحراف کرنا ان سے۔ جو تیری قربت کے طالب ہوں اور یہ اس سفلے کا عمل ہی ہوگا جو اب شروع ہوگا۔ لیکن وہ تیرے طلسم سے واقف نہ ہوگا کہ اس سے زیادہ تحفظ تیرے لیے ممکن نہیں۔ بس اب جا رات گہری ہوگئی ہے۔''

''مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ میں مسلسل مر رہا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اعصاب چیخ رہے تھے۔ خاموشی سے وہاں سے پلٹا اور واپس چل پڑا جس سمت سے یہاں تک آیا تھا وہ یاد تھی۔ سب کچھ ذہن میں گونج رہا تھا۔ ذہن اسے جذب کر رہا تھا۔ نجانے کب تک چلتا رہا؟۔ رات آدھی سے زیادہ ہوگئی تو تھک کر زمین پر بیٹھ گیا اور پھر لیٹ گیا پھر سو گیا۔ پھر کسی نے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

''ہم سے ناراض ہوگئے ہو۔۔۔۔ یوسف میاں۔'' جھنجھوڑنے والے نے کہا اور میں آنکھیں ٹپٹپاتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ اوم پرکاش تھا میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سر پر ایک درخت کی چھاؤں تھی دن نکھرا ہوا تھا۔ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ یاتری آتے جاتے نظر آرہے تھے۔ وہی جگہ تھی۔ ''کہاں غائب ہوگئے تھے۔'' اوم پرکاش نے پھر پوچھا۔

''بس یہیں تھا۔''

''ڈیرے کا رخ بھی نہ کیا۔''

''بھول گیا تھا۔''

''ڈیرہ بھی بھول گئے تھے۔''

''ہاں۔''

''اور ہمیں۔؟''

''نہیں اوم پرکاش جی۔ آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔''

''آؤ چلو سب یاد کر رہے ہیں۔'' میں اوم پرکاش کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد ڈیرے پر پہنچ گیا۔

''ارے یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے؟ کپڑے چیکٹ ہوگئے ہیں۔ بالوں میں دھول اٹی ہوئی ہے۔ ست پرکاش انہیں اشنان کراؤ۔ اوم پرکاش کی دھرم پتنی نے کہا۔''

''رہنے دیں۔ چاچی ٹھیک ہوں۔''

''ارے واہ۔۔۔ کیسے ٹھیک ہے۔ میں نے کپڑے منگوائے ہیں تمہارے لیے جاؤ۔ ست پرکاش کیساتھ چلے جاؤ۔ ست پرکاش نے میرے لیے لائے ہوئے کپڑے سنبھالے۔ پہلے ایک حجام کے پاس لے گیا داڑھی بنوائی۔ بال بنوائے۔ یہاں سب کچھ تھا۔ ایک تالات میں نہایا۔ پھر کپڑے پہنے اور بال وغیرہ سنوار کر تیار ہوگیا۔ ست پرکاش مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''بڑے سندر لگ رہے ہو مہاراج۔ مگر کیا کریں عمر میں تو ہمارے جیسے ہو۔ پر دوست پتا جی کے ہو۔ اس لیے بے تکلفی سے بات بھی نہیں کر سکتے۔ میں صرف مسکرا دیا ہم واپس آگئے۔ اوم پرکاش جی نے بھی مجھے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا تھا۔ باقی دن ان کے ساتھ گزارا شام کو سب اندر چلے گئے۔ اوم پرکاش نہیں گئے تھے۔ کہنے لگے۔

''تمہاری وجہ سے رک گیا ہوں۔۔۔۔ یوسف جی! سوچا ہے کہ تم سے کچھ باتیں کروں۔''

''کہیئے اوم پرکاش جی۔''

''سوچتا ہوں تمہیں اپنے ساتھ آنے پر مجبور کر کے میں نے غلطی تو نہیں کی ہے۔ تم مسلمان ہو اور یہاں ہر جگہ مندر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور پھر تم مسلمان بھی عام نہیں ہو۔ گیان دھیان والے ہو۔ اپنے دھرم کے عالم ہو گے۔ مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہے اس بارے میں۔ پر من کی سچی بات بتاؤں۔ یہ سب کچھ میں نے جان کر نہیں کیا۔

''میں مسکراتی نظروں سے اوم پرکاش کو دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔'' آگے کہیں اوم پرکاش جی۔''

''جیسا کہ میں نے بتایا کہ وہاں میں نے تم سے ملنا چاہا تھا مگر تم کہیں اور چلے گئے تھے بعد میں نظر آئے تو بے اختیار میرا من چاہا کہ تمہیں ساتھ لے چلوں اور میں نے فوراً ہی بول دیا۔ میرا کوئی مطلب نہیں تھا۔''

''میں جانتا ہوں اوم پرکاش جی۔ آپ بھی یہ جان لیں کہ جو ہوتا ہے اس کی ڈور کہیں اور سے ہلتی ہے۔ ہم سب تو کٹھ پتلیاں ہیں جو اس ڈور سے بندھے ناچتے ہیں۔ جسے جہاں سے جو ملنا ہوتا ہے ملتا ہے۔ مدھولال کو دولت کی ہوس کی سزا ملنا تھی۔ ملی آپ کو یہاں یاترا کر کے سکون ملا اور مجھے بھی کچھ ملا ہی ہوگا۔''

''تم تو مسلمان ہو۔ سنار باسیوں کی کودھواں بنا دینے والا خود بوجھ اٹھا کر چار روپے کماتے۔ یہ معمولی بات نہیں۔'' دو چار روپے قیمتی نہیں ہیں۔ مجھ سے پوچھیئے اوم پرکاش جی اور پھر کسی شکل میں کیا مل جاتا ہے۔ ہم چھوٹے دماغ والے کیا جانیں؟''

''میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ ان مندروں سے الجھتے تو نہیں ہیں۔''

''نہیں اوم جی! یہ کمزور لوگ اپنے عقیدوں سے اپنی تسکین کرتے ہیں۔ کسی کو بھلا کیا اعتراض۔ ویسے آپ کا خوب ساتھ رہا۔ بڑی محبت ملی آپ سے۔ بہت خیال رکھا آپ نے میرا۔ کیا اب مجھے اجازت دیں گے۔''

''جانا چاہتا ہوں۔''

''جانا چاہتے ہو۔''

''جانا تو ہوگا۔ آج نہیں کل۔۔۔ کل نہیں پرسوں۔''

''تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟ دل کبھی تم سے ملنے کو چاہے تو کہیں تلاش کر سکتا ہوں۔''

''یہی سب سے مشکل جواب ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' اوم پرکاش نے اداسی سے کہا۔ پھر بولے کب جاؤ گے؟''

''کسی بھی دن۔۔۔ کسی بھی وقت۔''

''سچ کہتا ہوں۔۔۔ یوسف! مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔ تم مسلمان ہو مگر مجھے تمہاری ذات سے پیار ہو گیا ہے۔ بھگوان تمہیں خوش رکھے۔ اوم پرکاش خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ میں نے آرام کیلئے ایک جگہ تلاش کی۔ اور سونے لیٹ گیا' مگر سوتے کہاں؟ سوچتے بہت بڑا سہارا ملا تھا۔ ہمت سے خیالات دل میں آ رہے تھے۔ محنت کی کمائی کے چار لڈوؤں نے کایا پلٹ کے رکھ دی تھی۔ راستہ ایک بندو جوگی نے دکھایا تھا۔ کوئی بھی ہو جو نیکیوں کا سفر کرتا ہے اسے روشنی ضرور ملتی ہے۔ میرا علم تو سفر تھا۔ میں کیا جانوں کہاں کیا چھپا ہے؟ بہرحال اب جو ہدایات ملی تھیں سمجھنا ہے اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اب چوک نہیں ہونی چاہیئے ورنہ کچھ باقی نہ رہے گا۔ ان ہدایات کو دل سے لگا لینا چاہیئے۔

''عمل افضل ہے۔''

اس پر غور نہ کرنا نہ ہی اسکا تعاقب جو تیرا مددگار ہو۔ جو تیری قربت کے طالب ہوں ان سے انحراف نہ کرنا۔ ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ سات جادوگرنیوں کو ہلاک کرنا ہے۔ یہ سات پورنیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ آہ۔۔۔ کوئی تدبیر بنے کچھ ہو۔ کیا ہونا چاہیئے۔ محنت کی کمائی' چار لڈو' اس سے گریز کرتا رہا ہوں۔ کتنا عرصہ گزر گیا۔ کسی نہ کسی پر انحصار کرتا رہا ہوں۔ پہلے رزق حلال کی تلاش افضل ہے۔ خود کو ادھر سے ادھر کٹی پتنگ کی طرح دوڑاتے رہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ عمل بے شک طویل ہوگا لیکن کرنا ہوگا مجھے عمل کرنا ہے۔ آغاز کہیں سے ہو جائے۔ ملازمت کسی مناسب جگہ۔ اس جگہ کا تذکرہ اوم پرکاش جی سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر بات نہ بنے گی۔ وہ مجھے دوسری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کہیں دور یہ کوشش کرنا ہوگی۔ یہیں بنارس

میں ہی سہی' کیا حرج ہے۔ یہ تو مندروں کی دنیا ہے۔ یہاں سے آگے تو پورا شہر پھیلا ہوا ہے۔ ہاں زیادہ دور جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس آخری احساس نے سکون بخشا تھا۔ پھر سو گیا تھا۔ صبح بہت جلدی آنکھ کھل گئی۔ صبح بنارس نگاہوں کے سامنے تھی۔ دل کو بہت خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ کچھ سو رہے تھے کچھ لوگ جاگ رہے تھے۔ میں اس خوشگوار صبح کا لطف لیتا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ آج سے نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ اس شہر میں تقدیر آزمانا چاہتا تھا۔ ہر طرح کے لوگ یہاں نظر آتے تھے۔ اس وقت بھی یاتری زندگی کی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے۔ انسانوں کی ایک چوپال کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ لوگوں کے ساتھ میں بھی چونک پڑا۔ ایک لڑکی دوڑتی آرہی تھی۔ رخ اسی طرف تھا۔ اور اس وقت میں بری طرح بوکھلا گیا جب وہ قریب آکر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

''رتنا۔۔۔رتنا جی۔۔۔رتنا جی۔'' کچھ اور لوگ بھی میرے پاس آگئے۔ سفید ساڑھی میں لپٹی ایک معمر خاتون میرے پاس آگئیں۔ انہوں نے بھی میرا بازو پکڑ لیا اور روتے ہوئے دلدوز لہجے میں بولیں۔

''ہمیں نہیں پہنچانتے رتنا۔ جو کوئی بھی ہو۔ ہمارا ساتھ تو رہا ہے۔ اسے دیکھو کون ہے یہ۔ دیکھو اسے یہ کون ہے۔'' میرا دماغ ایک دم جاگ اٹھا اور میرے منہ سے نکلا۔

''رمارانی۔''

''جب بھی ملتے ہو مندروں کے پاس ملتے ہو۔ دیوتا ہو کنیا ہو' کون ہو۔ مگر تم جیون دیتے نہیں لیتے ہو۔ اسے نہیں پہچانا تم نے۔۔۔؟'' اب میں نے چونک کر خود سے لپٹی نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ کشنا تھی' سرخ و سفید' شوخیوں سے بھرپور' مگر اس وقت اجڑی ہوئی۔ چہرے پر وحشتیں بکھری ہوئیں۔ دبلی پتلی۔

''ہمارے نہیں ہو۔ حکیم ہی بن جاؤ۔۔۔ مسیحائی کردو ہماری۔ اسے موت سے بچالو'' رمارانی کی آواز میں سسکیاں بھری ہوئی تھیں۔

''یہ کشنا۔۔۔کشنا ہے۔''

''میں رما ہوں۔ جسے تم نے چند روز رما کہا تھا۔ جس کی چھاتی سے لپٹ گئے تھے اور اس کے سینے میں تمہارا پیار جاگ اٹھا تھا۔''

''آپ لوگ یہاں کہاں؟''

''کچھ وقت دے دو گے ہمیں۔ بھول کر بھی نہ سوچا تھا کہ تم یہاں مل جاؤ گے۔ مگر یہ جانتی تھی بار بار یہاں آجاتی تھی۔ اسکا یقین سچا تھا۔۔۔۔ ہمیں تھوڑا سا وقت دے دو اس پیار کی قیمت کے طور پر جو میں نے تمہیں دیا تھا۔ میری محبت تم پر ادھار ہے رتنا۔۔۔'' رمارانی سسکنے لگیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ رمارانی۔ میں نے نمک کھایا ہے آپ کا۔ مجھے بتائیے کیا کروں۔''

''کوئی اور ہے تمہارے ساتھ۔۔۔۔؟''

''ایں۔۔۔۔۔نہیں کوئی نہیں۔'' میں نے بادل ناخواستہ کہا۔

''تو آؤ۔۔۔یہاں سے چلو۔۔۔آؤ'' رمارانی نے کہا۔

''میں احمقوں کی طرح قدم بڑھانے لگا کوئی بات جو سمجھ میں آرہی ہو۔ میرے پیچھے دو لڑکیاں آرہی تھیں۔ کشنا مضبوطی سے میرا بازو پکڑے ہوئے تھی اور میری کھوپڑی ہوا میں معلق تھی۔ یہ احساس بھی تھا کہ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ایک نوجوان لڑکی مجھے اس طرح پکڑے ہوئے ہے جیسے اسے میرے بھاگ جانے کا خطرہ ہو۔ کچھ دور تو بوکھلاہٹ کے عالم میں چلتا رہا۔ پھر کچھ دور سنبھل کر میں نے کشنا سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی اور کہا۔

''کشنا خود کو سنبھالو۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں دیکھو لوگ کیسے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔''

چلے جاؤ گے' بھاگ جاؤ گے۔ کھو جاؤ گے پھر نہیں ملو گے مجھے پتا ہے۔ نہیں چھوڑوں گی میں۔ نہیں چھوڑوں گی۔''

اسکی آواز میں خوف تھا' تشویش تھی۔ وحشت تھی۔ میرا دل کٹنے لگا۔ وہاں شکتی پور میں بھی مجھے علم ہو گیا تھا کہ کشنا مجھے چاہتی ہے۔ مگر کہانی ہی عجیب تھی۔ میں اس چاہت کی پذیرائی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ دماغی خرابی بتا کر انہوں نے مجھے جو چاہا سمجھ لیا یا بتا دیا۔ مگر عالم ہوش میں تو یہ ممکن نہیں تھا۔ رمارانی نے بڑا پیار دیا تھا۔ سب محبت کرتے تھے مگر وہ جگہ ایسی تھی جہاں کوئی غیرت

دار ایک لمحہ گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کشنا بہت شوخ بہت معصوم تھی عام لڑکیوں سے کسی طور مختلف نہیں تھی لیکن طوائف زادی۔ ان ساری باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جاتا تو بھی میں کیا کرتا۔ کوئی عقل میں آنے والی بات تھی۔

''تانگوں کے اڈے پر آ گئے۔ دو تانگے کیے گئے اور ہم چل پڑے۔ تانگے میں بیٹھ کر مجھے اس انوکھی گرفتاری پر ہنسی آ گئی۔ رمارانی میرے پاس بیٹھی تھیں۔

''اکیلے آئے ہو بنارس؟''

''نہیں۔۔۔۔ کچھ لوگوں کے ساتھ۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہارے اپنے ہیں۔'' رمارانی نے سوال کیا۔

''نہیں۔'' میں نے گردن ہلائی۔

''تمہارے اپنے کہاں ہیں؟'' پوچھا گیا۔

''پتہ نہیں۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''طبیعت کیسی ہے؟'' رمارانی نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

''بھٹک ہی رہے ہو تو ہمارے پاس رہنا برا تھا۔ کوئی تکلیف تھی وہاں؟''

''نہیں رمارانی۔''

''پھر کیوں چلے آئے؟'' رمارانی نے مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

''اپنوں کی تلاش تھی۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

''نہیں ملے؟'' پوچھا گیا۔

''نہیں۔'' میں نے سسکی لے کر جواب دیا۔

''ہمیں اپنا سمجھ لو۔ کوئی کمی نہیں پاؤ گے۔ اب تو شکتی پور بھی چھوڑ دیا ہے ہم نے۔ یہیں بنارس میں رہتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کون ہیں' کہاں سے آئے ہیں۔'' رمارانی کا لہجہ اداس تھا۔

''گھر کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ آ گیا۔'' رمارانی نے تانگے والے کو اشارہ کیا۔

اینٹوں کا وسیع و عریض مکان نظر آ رہا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی مکان نہیں تھا۔ ہاں ایک میدان نظر آ رہا تھا اور اس کے دوسرے سرے پر باقاعدہ آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ سب تانگے سے اتر گئے۔ دونوں تانگے والے پیسے لے کر چلے گئے۔ کشنا نے اس طرح مجھے پکڑا ہوا تھا۔ اندر بھیج کر رمارانی نے اسے پیار سے پکارا۔

''کشنا رتنا مل گیا تیرا؟''

''یہ۔ یہ پھر بھاگ جائے گا۔'' وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

''نہیں ری۔ یہ اب کہیں نہیں جائے گا۔''

''چلا گیا تو؟'' وہ اس طرح بولی۔

''کہا نا نہیں جائے گا مگر تجھے دیکھ کر یہ کیا سوچ رہا ہوگا کیا حلیہ بنا رکھا ہے تو نے۔ سر مٹی سے اٹا ہوا ہے۔ چہرے پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ چوٹی گوندھ منہ ہاتھ دھو کپڑے بدل رتنا کے کپڑے نکال۔ یہ بھی خود کو سنوارے۔

''کشنا کے چہرے پر تبدیلیاں نظر آئیں وہ خجل سی محسوس ہوئی پھر اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ ''میں ابھی آئی۔ چلے نہ جانا۔''

''نہیں کشنا۔ میں تو رمارانی کے پاس بیٹھا ہوں۔''

''ماں میں ابھی آئی۔''! وہ مڑی اور اندر چلی گئی۔ رمارانی نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اور ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئیں یہاں بید کی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔

''تمہارا ایک ایک کپڑا سنبھال کر رکھا ہے اس نے' ہفتے پندرہ دن کے بعد اسے نکالتی ہے۔ دھوتی ہے' استری کرتی ہے اور اس کے بعد احتیاط سے صندوق میں رکھ دیتی ہے۔ کہتی ہے رتنا آئے گا تو پہنے گا' ہم تو برباد ہو گئے رتنا سب کچھ ختم ہو گیا ہمارا سب کچھ۔''

میں نے اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ رمارانی جس

طبقے سے بھی تعلق رکھتی ہو ان کا مذہب کچھ بھی ہو لیکن انھوں نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ ان کے الفاظ میں آج تک بھول نہیں سکتا تھا۔ ساری صورتحال تو اسوقت ہی میری سمجھ میں آ گئی تھی جب میں نے دیوانگی سے خزرانگی میں قدم رکھا تھا۔ ریل کے حادثے نے دماغی توازن الٹ دیا تھا۔ اور بھٹکتا ہوا رمارانی کو مل گیا تھا۔ نجانے کس جذبے کے تحت ہونٹوں سے ماں کا لفظ نکل گیا تھا اور رمارانی نے اپنا سینہ میرے لیے کھول دیا تھا۔ بہت اچھی خاتون تھیں وہ۔ مگر بدقسمتی سے طوائف تھی۔ سارے واقعات مجھے یاد آ گئے' اب کیا کروں' رامارانی میرے احساسات سے بے خبر اپنی کہانی سنا رہی تھی' کہنے لگیں۔

''تمہارے آنے کے بعد تو یوں لگا جیسے ہمارے گھر پر جھاڑو پھر گئی ہو۔ کشنا تمہیں یاد کر کر کے کئی دن تک روتی رہی' کھانا پینا چھوڑ دیا اس نے' جس طبیعت کی مالک تھی اسکا تو تمہیں اندازہ ہو ہی چکا ہوگا' کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی تھی اور جب کمرے سے باہر نکلی تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔ اسکا کہنا تھا کہ شکلتا نے تمہیں کہیں گم کر دیا ہے۔ پھر ایک دن اس دیوانگی کے عالم میں شکلتا کے گھر پہنچ گئی۔ پیتل کا گلدان لے کر اسکا چہرہ لہولہان کر ڈالا اور جسم پر بھی بہت سے وار کیے اور۔۔۔ شکلتا ان زخموں کی تاب نہ لا کر مر گئی۔ اسے ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا مگر تین دن کے بعد اسکی موت واقع ہوگئی' ہم پر مقدمہ چلا۔ اسے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہ دماغی مریضہ' سارا دھن دولت ختم ہو گیا۔ برے حال ہو گئے ہمارے' ادھر دشمنی الگ پڑ گئی تھی۔ دماغی مریضہ کی حیثیت سے عدالت نے اسے بری تو کر دیا تھا' لیکن ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ بہت برا تھا۔ کسی نے ہمیں ہمارے گھر میں نہ رہنے دیا۔ ہم وہاں سے چل پڑے جو کچھ پیسے بچے تھے۔ انہیں سنبھال کر جانے کہاں کہاں پھرتے رہے۔ لیکن دشمنوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا' انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ہمیں کسی کوٹھے پر آباد نہیں ہونے دیں گے' تب میں نے سوچا کہ جان ہے تو جہان ہے' کہیں سر چھپا لوں' جو بھاگ میں لکھا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا' بنارس آ گئے اور یہاں یہ ٹوٹا پھوٹا گھر خرید لیا۔ لیکن وہ تمہیں تلاش کرتی رہی۔ مندروں میں' ویرانوں میں' اب یہی کیفیت ہے۔ کبھی کہیں سے پکڑ کر لاتے ہیں اسے کبھی کہیں

سے پکڑ کر لاتے ہیں۔ مگر اس کی لگن سچی تھی اس کے راستے پاک تھے' اس نے تمہیں پا لیا' جو سنے گا حیران رہ جائے گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اسطرح ہمیں یہاں مل جاؤ گے۔''

رمارانی اپنی کہانی سنا رہی تھیں اور میں دنگ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا' میری وجہ سے' مگر میں انہیں کیا جواب دے سکتا ہوں' ان کی محبت کا' کشنا کو کیا سنبھال سکتا ہوں میں۔ میں تو خود غموں کا مارا تھا۔ کشنا تھوڑی دیر کے بعد دونوں ہاتھوں پر میرے کپڑے رکھے اندر داخل ہوئی' بڑے پیار بڑے اہتمام سے اس نے ان کپڑوں کو استری کر کے اپنے بازوؤں پر رکھا ہوا تھا' کپڑے گرم گرم تھے' اس نے میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''جاؤ رتنا نہا لو' کپڑے بدل لو' دیکھو تو سہی' کیسے میلے بال ہو رہے ہیں' میں استری کر رہی تھی اس لیے دیر لگ گئی' تم نہا لو' میں ابھی نہا کر آتی ہوں۔'' وہ واپس چلی گئی۔ اس کے انداز میں وہی معصومیت وہی شوخی تھی۔ رمارانی کہنے لگیں۔

''فیصلہ کچھ بھی کرو رتنا ابھی اسکا دل رکھ لینا' کم از کم اس وقت تک' جب تک اسکا دماغ ٹھیک نہ ہو جائے۔ اگر برا نہ مانو تو یہ بات کہوں کہ خود غرضی اچھی چیز نہیں ہوتی' ہم سے محبت نہ کر سکو لیکن کم از کم ہمارا قرضہ ہی چکا دو۔'' میں نے رمارانی کو دیکھا' خاموشی سے کپڑے اٹھائے اور اسطرف بڑھ گیا جہاں مجھے نہانا تھا۔ راستے میں مالتی ملی' مسکرائی اور بولی۔

''آ گئے رتنا جی۔ چلو تمہیں نہانے کی جگہ بتا دوں۔''

''سب ہی موجود تھے' غسل کیا' لباس پہنا اور اس دوران نجانے کیا کچھ سوچتا رہا' وہ سب کچھ کرنا ہے مجھے' جو دل میں ٹھان لی ہے' ٹھیک ہے رمارانی اب کوٹھے پر نہیں ہیں اور یہ جگہ بہتر ہے۔ جیسے بھی گزار رہی ہوں' وہ جانیں اور انکا کام۔ لیکن مجھے یہاں اب کوئی ایسا ٹھکانہ تلاش کرنا چاہیئے جس سے رزق حلال ملنے کی امید بندھ جائے' رہائش کیلئے اگر رمارانی کا گھر ہو تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے' جہاں تک معاملہ کشنا کا ہے تو بے شک رمارانی کا قرض ہے مجھ پر' اتاروں گا اسے' کشنا کو بہتر راستوں پر لاؤں گا اور کسی وقت بتا دوں گا کہ میں مسلمان ہوں۔ یہ سب کچھ ممکن نہیں ہو سکتا' کرشنا کو میں احترام کا تو درجہ دے سکتا ہوں۔ لیکن اس سے آگے تو میری حیثیت ہے ہی

نہیں اور نا ہی میں ان رستوں پر چلنے کے قابل ہوں' یہ فیصلہ کر لیا تھا دل میں اور یہ سوچا تھا کہ اب ثابت قدمی سے یہاں وقت گزار دوں گا اور اپنے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کروں گا۔ بس اب ماضی کی بہت سی باتیں دل میں رکھنے یا دماغ میں سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے عمل کی دنیا میں آنا تھا اور یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ چنانچہ رمارانی' لکشمی' رادھا' مالتی سب ہی سے گھل مل گیا' کشنا کے چہرے پر ایک دم سے نئی زندگی پھیل گئی تھی۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کچھ وقت پہلے وہ بالکل بدلی ہوئی تھی۔ غسل خانے سے نکلی تھی تو جیسے نیا چہرہ چہرے پر سجا کر لے آئی تھی۔ رمارانی نے اسے دیکھا اور ماں کی آنکھوں میں آسودہ مسکراہٹیں کھلنے لگیں' مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھا تم نے۔'' میں نے خاموشی سے آنکھیں بند کرتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔ میرے لیے درحقیقت بڑا مشکل مرحلہ تھا ایک طرف رمارانی کی محبت اور ان کے کیے ہوئے احسانات تھے اور دوسری طرف اپنی انوکھی زندگی' فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام تھا' سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا' رات کو رمارانی مجھ سے میرے بارے پوچھنے لگیں۔ کشنا میری یہاں موجودگی سے مطمئن ہو گئی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھی' رادھا اور لکشمی بھی مسکراہٹیں بھی جوں کی توں تھیں۔ رمارانی نے کہا۔

''تمہیں رتنا' تمہیں یہ تو معلوم ہو چکا ہو گا کہ تم کون ہو' تمہارا گھر کہاں ہے' کیا واقعہ ہوا تھا تمہارے ساتھ؟ جس کی بناء پر تمہارا ذہنی توازن الٹ گیا تھا۔''

''ریل کا حادثہ ہوا تھا۔ رماجی! اور اس حادثے نے مجھے نہ جانے کس کس سے دور کر دیا۔''

''اکیلے سفر کر رہے تھے۔''

''نہیں کچھ عزیز بھی ساتھ تھے۔''

''تو ان کا کیا ہوا؟''

''مر گئے۔'' میں نے ٹھنڈی آہ بھری۔''

''تو کیا اب تم پاگل اکیلے رہ گئے ہو۔''

'ایک طرح سے یہی سمجھ لیں رماجی۔'' میں نے کہا۔

''تو رتنا ہمارے ساتھ رہو۔ کیا ہرج ہے۔۔۔ دیکھو بیٹا انسان انسان ہی ہوتا ہے۔ سنسار میں

اس کی حیثیت کچھ بھی ہو روتا ہوا ہی آتا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں پسارے چلا جاتا ہے۔ کچھ بھی نام دے لو اسے لیکن ہوتا وہ انسان ہی ہے۔''

''ہاں۔۔۔ رماجی! اسمیں کوئی شک نہیں ہے۔ مگر میں مسلمان ہوں۔''

''ہیں۔'' رماجی نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔۔ میں مسلمان ہوں۔''

رمارانی عجیب سے انداز میں مجھے دیکھتی رہیں۔ پھر بولیں۔

''ٹھیک ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اپنا دھرم بدل لو مگر انسانیت کا دھرم تو ایک ہی ہوتا ہے۔ تھوڑا سا سے گزار لو ہمارے ساتھ۔ کشنا کو جیسے چاہو بہلا لینا اور پھر۔۔۔ اور پھر۔'' رمارانی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ میں نے بے قرار ہو کر کہا۔

''نہیں رماجی! آپ فکر نہ کریں۔ کشنا جب تک بالکل ٹھیک نہیں ہو جائے گی۔ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔''

''تو تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہم سے جو پرہیز کرنا چاہو کر لینا۔ بھاجی ترکاری تیار ہوتی ہے' وہ کھا پی لینا۔ دھرتی پر جو کچھ ہوتا ہے وہ تو سب ہی کے لیے ہوتا ہے۔''

''کھا چکا ہوں رماجی! اب کیا پرہیز کروں گا۔ لیکن آپ کے حالات تو ویسے ہی بگڑے ہوئے ہیں۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آئی ہیں۔ مجھے ایک اجازت ضرور دے دیجئے گا۔''

''میں کہیں نوکری کروں گا۔ اپنے لیے رزق کماؤں گا۔ آپ کی بھی جو مدد ہو سکتی ہے کروں گا۔ مجھے اس سے آپ نہیں روکیں گی رماجی۔''

''رمارانی نے گردن جھکا لی۔ کہنے لگیں۔'' ٹھیک ہے مگر کشنا کو سمجھا لینا۔''

''ہاں کیوں نہیں۔۔۔'' ایک حد تک اطمینان ہوا تھا۔ یہ بھی بڑی بات ہے کہ سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی مل گیا تھا۔ اوم پرکاش جی سے یہ سب کچھ کہنے کے بارے میں میں سوچ رہا تھا رزق حلال کا جو مزہ چکھا تھا اسے کبھی نہیں بھولا تھا۔ لیکن۔۔۔ لیکن اب راستے اور پرخطر ہو گئے تھے۔ احتیاط اور شدید ہو گئی تھی۔ کشنا کی محبتیں اب عروج پر تھیں۔ اب وہ مجھ سے باقاعدہ سمجھداری کی باتیں

کرنے لگی تھی۔اس نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا۔

''کیوں چلے گئے تھے رتنا۔۔۔؟''

''بس کشنا جی چاہا تھا۔''

''کیا شکنتا نے کہا تھا یہ گھر چھوڑ دو۔''

''نہیں کشنا۔۔۔شکنتا سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''سچ۔''وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہاں۔''میں نے مسکرا کر کہا۔

''اور مجھ سے۔''

''تم سے تو بڑا لگاؤ ہے مجھے کشنا۔لیکن تم نے اپنی جو حالت بنالی ہے۔مجھے وہ اچھی نہیں لگتی۔''

''تمہاری وجہ سے تو ایسا ہوا۔تم چلے گئے تو مجھے ایسا لگا جیسے سنسار میں سورج چھپ گیا ہو۔ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا چاروں طرف۔گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔''

''اب خود کو سنبھالو۔یہ ساری باتیں بڑی ہوتی ہیں تم اگر میرے ساتھ رہو تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میں تمہارے ساتھ بہت زیادہ وقت تو نہیں گزار سکتا۔کشنا دیکھو نا۔۔۔میں مرد ہوں۔اور مرد گھروں میں چوڑیاں پہن کر نہیں بیٹھتے۔''

''پھر کیا کرتے ہیں۔''وہ ہنس کر بولی۔

''وہ باہر نکلتے ہیں' عورتوں کیلئے روزی کماتے ہیں اور پھر شام کو گھر واپس آتے ہیں اور کوئی مرد ایسا نہیں کرتا تو پھر وہ مرد' مرد نہیں کہلاتا۔تم نے کوٹھا چھوڑ دیا ہے۔وہ جگہ بری تھی کشنا' وہاں مرد مرد نہیں ہوتے تھے بلکہ عورتوں کے غلام ہوتے تھے۔یہ اچھی بات ہے کہ اب ہم یہاں بنارس میں ہیں اگر تم اجازت دو تو میں نوکری کروں اور تم سب کے لیے روزی کماؤں۔''

''کشنا کچھ سوچنے لگی' پھر بولی۔۔۔''نوکری کرنے کے لیے تو تمہیں شہر جانا پڑے گا۔۔۔؟''

''اور اگر تم واپس نہ آئے تو۔۔۔؟''

''نہیں۔۔۔میں ہر شام اپنا کام کر کے اس طرح گھر واپس آؤں گا جس طرح پرندے اپنے گھونسلوں میں بسیرا کرنے کیلئے واپس پلٹتے ہیں۔''

وہ متاثر نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔پھر بولی۔''اگر تم وعدہ کرتے ہو تو ٹھیک ہے۔''

یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔میں کسی کے لیے بھی اپنے مقصد کو قربان نہیں کر سکتا تھا' جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں پہلا مرحلہ یہی تھا کہ کم از کم میں کسی کے شانوں پر نہ پڑا رہوں اب تک تو ایسا ہی ہوتا آیا تھا' کبھی رمضان کے ہوٹل پر تو کبھی کسی کے گھر' یہاں سے نکلا تو وہاں جا بیٹھا' وہاں سے نکلا تو دوسری جگہ جا بیٹھا کئی بار ہاتھ پاؤں چلانے کی کوشش کی تھی لیکن راستے بند ہو گئے تھے' ایک دلچسپ بات جو اب تک میں نے محسوس کی تھی وہ یہ تھی کہ اسوقت کے بعد جب مجھے سورج کے ساتھ سفر کر کے ایک منزل پر پہنچنا پڑا تھا اور وہاں میرے لیے عدالت لگی تھی۔میرے بیروں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔میں کہیں بھی ہوتا' ان کی چاپ سنتا رہتا' ان کی حرکتیں میرے ذہن تک پہنچتی رہتیں لیکن اس عدالت سے واپسی کے بعد یہ بیر میرے گرد نہیں چکراتے تھے۔دل میں خیال تو آیا تھا کئی بار۔لیکن آواز دینے کی جراءت نہیں ہوئی تھی' جو غلطیاں کر چکا تھا' انہی سے بمشکل تمام جان چھڑائی تھی۔اب کوئی اور حماقت کر کے اپنے لیے مزید مشکلات نہیں خریدنا چاہتا تھا۔صبر کرنا تھا۔انتظار کرنا تھا۔صبر اور انتظار یہی دو چیز مجھے میری منزل تک پہنچا سکتی تھیں۔اور میں اپنی زندگی کے اس سفر میں لاتعداد مصیبتیں اٹھانے کے باوجود منزل کی طلب سے اپنے آپ کو دور نہیں کر پایا تھا۔بہر حال کسی بھی شخصیت کو کسی بھی واقعے کو اپنے آپ پر مسلط کرنے سے راستے رک جاتے ہیں۔بے شک رمارانی مجھے یہاں تک لے آئی تھیں۔لیکن اگر وہ میرے راستے کی رکاوٹ بنتیں اور مجھے یہاں سے باہر نکلنے کا موقع نہ ملتا تو حالت مجبوری ایک بار پھر دھوکا دے کر یہاں سے نکلنا پڑتا' لیکن کشنا بھی تیار تھی اور رمارانی نے بھی مجھے نوکری تلاش کرنے کی اجازت دے دی تھی' غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ ان کے حالات بھی بہتر نہیں تھے۔چنانچہ میدان عبور کر کے اس آبادی میں اور اس آبادی سے بنارس کی سڑکوں پر پہنچ گیا۔بنارس معمولی جگہ نہیں تھی۔ہندوستان میں بہت بڑی حیثیت کا حامل ہے اور یہ شہر اور شاید تقدیر میری رہنمائی بھی کر رہی تھی۔

شام کے تقریباً چار بجے تھے' میں نے ایک شخص کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے ادھر ادھر ہاتھ مار کر سہارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آس پاس کوئی اور موجود نہیں تھا۔ سنسان سی جگہ تھی۔ جگہ جگہ درخت کھڑے ہوئے تھے۔ ایک لمحے میں میں نے محسوس کیا کہ اگر یہ شخص کوئی سہارا پانے میں ناکام رہا تو یقینی طور پر زمین پر گر پڑے گا۔ لوگ اس کی جانب متوجہ نہیں تھے۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور میں نے اس شخص کو سنبھال لیا۔ پورا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ مسلمان لگتا تھا۔ لباس سے' چہرے مہرے سے' ہاتھوں میں بید کی چھڑی تھی اور اسکی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی' اس نے مجھے ڈوبتی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

''مم میں۔۔۔۔ میں دل کا مریض ہوں۔'' میری شیروانی کی جیب میں میرے گھر کا پتہ رکھا ہوا ہے۔ اس وقت میری حالت خراب ہے۔ خدا کیلئے میری مدد کرو۔''

''میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر تانگے آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہاں تک پہنچنا ناممکن تھا۔ بڑی پریشانی کے عالم میں اسے سہارا دیتے ہوئے ایک درخت کے نیچے لے آیا۔ اس کے سینے پر ہلکی ہلکی سی مالش کی اور پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔ اتفاق کی بات یہ کہ تھوڑے فاصلے پر ناریل کا ایک درخت نظر آیا پانی اور تو کہیں موجود نہیں تھا۔ ناریل کے درخت کے قریب پہنچا۔ درخت کو زور زور سے ہلایا' پتھر اٹھا کر اوپر مارے' تب دو ناریل ٹوٹ کر نیچے گر پڑے۔ اور اس کے بعد انہیں توڑ کر اس شخص کے منہ میں پانی ڈالنا میرے لیے مشکل نہ ثابت ہوا۔ ناریل کا پانی شاید اکسیر ثابت ہوا تھا اس کے لیے۔ ایک دم اسکی کیفیت بحال ہونے لگی۔ اس نے درخت کے تنے سے گردن ٹکا دی اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ میرے دل میں انسانیت اور ہمدردی کا سمندر موجزن تھا۔ یہ شخص صورت ہی سے کوئی نیک انسان معلوم ہوتا تھا۔ جب اسکی کیفیت کافی بہتر ہو گئی تو میں نے اس سے کہا۔

''اب براہ کرم مجھے اپنا پتہ دے دیجئے میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو آپ کے گھر پہنچا دوں۔''

اس شخص نے لرزتے ہاتھ سے شیروانی کی جیب میں رکھا ہوا ایک کاغذ نکالا اور بولا۔

''زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتا اس کاغذ پر میرا پتہ دیکھ لو۔۔۔۔'' میں نے پتہ دیکھا اور اس کے بعد اس سے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں تھوڑے فاصلے پر جا کر تانگہ لے آؤں۔'' اس شخص نے ممنونیت کے انداز میں گردن ہلا دی' میں نے کاغذ پر ایک بار پھر اسکا نام اور پتہ دیکھا۔ نام تھا مہتاب علی اور محلہ شیر خان کے مکان نمبر ایک سو ستائیس' میں رہتا تھا۔ کچھ فاصلے سے گزرتے ہوئے تانگے والے کو اشارہ کیا اور اس کے بعد تانگہ لے کر اس کے پاس آ گیا مہتاب علی کو میں نے تانگے کی پچھلی نشست پر سوار کرایا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا مہتاب علی نے آہستہ سے کہا۔

''بہت تکلیف ہو رہی ہے تمہیں۔ لیکن انکار نہیں کروں گا کیونکہ انسان ہی انسان کی مدد کا طالب ہوتا ہے اور انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو' اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔''

''آپ بالکل اطمینان سے بیٹھے رہیں' مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔'' تھوڑی دیر کے بعد تانگہ مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔

میں نے سہارا دے کر مہتاب علی کو نیچے اتارا تانگے والے کو اپنی جیب سے پیسے ادا کیے اور اس کے بعد اس شخص کو سہارا دیتے ہوئے گھر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اس نے دروازے کی کنڈی بجانے کا اشارہ کیا اور چند لمحات کے بعد ایک نوجوان لڑکی نے دروازہ کھولا۔ مجھے دیکھ کر عجیب سے انداز میں پیچھے ہٹ گئی اور میں اسے سہارا دے کر اندر لے گیا۔ فوراً ہی ایک معمر خاتون اور ایک آٹھ نو سالہ بچی میرے پاس پہنچ گئے۔

''کیا ہوا' کیا ہو گیا' خدا خیر کرے' ارے کیا طبیعت خراب ہو گئی آپ کی۔۔۔۔؟''

''اندر چلو اندر چلو۔'' مہتاب علی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک بستر پر لٹا دیا گیا۔'' میری حالت اب بہتر ہے۔ کمزوری بے پناہ ہو گئی ہے' تم بیٹھو میاں بیٹھ جاؤ' یوں سمجھو کہ آج تم مسیحا بن کے میرے پاس پہنچے ورنہ' اس کمبخت منحوس علاقے میں نہ تو کوئی تانگہ ملتا اور نہ کوئی سہارا۔۔۔؟''

''مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔''

"بس بی بی۔۔۔مگر مگر سے کیا فائدہ دورہ پڑ گیا تھا مجھے ایک بار پھر لیکن۔۔۔لیکن مسیحا کچھ فاصلے ہی پر موجود تھا۔" معمر خاتون نے میرا شکریہ ادا کیا۔ نوجوان لڑکی کی بھی نگاہوں کے سامنے تھی اور چھوٹی بچی بھی۔ سب کے سب سہمی ہوئی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے اجازت مانگی تو اس نے کہا۔

"یہاں اگر بہت زیادہ مصروفیت نہ ہو تو تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ یوں بھی مریض کی تیمارداری انسانی فریضہ ہے اور پھر۔۔۔اور پھر تم تو اس وقت۔۔۔۔۔؟"

"آپ بار بار یہ الفاظ کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"تو کچھ دیر رک جاؤ میں۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں دل چاہ رہا ہے۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ معمر شخص نے عورت سے کہا۔۔۔"جاؤ بھئی اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میری دوا لے آؤ اور مجھے وہ پلا دو۔ اور ذرا مہمان کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔ میاں نام کیا ہے آپ کا۔۔۔؟"

"یوسف ہے میرا نام۔۔۔۔"

"اللہ زندگی عطا فرمائے' صحت دے' ترقی دے' بلندی دے' بڑی مدد کی ہے تو نے ہماری یوسف بیٹے' کہاں رہتے ہو؟"

"بس ایک جگہ ہے' نام وغیرہ نہیں جانتا سکا۔ چونکہ بنارس آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور اس سے واقفیت حاصل نہیں ہے۔"

"اوہو اچھا اچھا کہیں اور سے آئے ہو۔۔۔۔؟"

"جی۔"

"اللہ خوش رکھے یہاں آنے کا کوئی مقصد تو ہوگا بیٹے؟"

"جی ہاں بس۔۔۔بس تلاش رزق میں نکلا ہوا ہوں۔"

"کوئی نوکری ملی" مہتاب علی نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن مل جائے گی۔ انشاء اللہ کوشش کر رہا ہوں۔" مہتاب علی خاموش ہو گئے' کچھ دیر آنکھیں بند کیے سوچتے رہے پھر بولے۔

"کس کے ساتھ رہتے ہو یہاں؟"

"ایسے ہی کچھ شناسا ہیں۔"

"میاں دیکھو یہ نہ سمجھنا کہ ہم تمہارے قرض چکا رہے ہیں۔ قرض ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی بھر چکائے جائیں تو ادا نہیں ہوتے لیکن وہ مسئلہ ہے کہ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ لیکن اگر کچھ اور وقت دے سکو تو ہم تم سے کچھ اور باتیں کر لیں۔ لو چائے آ گئی ذرا چائے پیو۔" چائے کا سامان ہمارے سامنے رکھ دیا گیا' بیگم صاحبہ جو مہتاب علی کی بیوی تھیں۔ محبت بھرے انداز میں چائے بنانے لگیں اور انہوں نے ایک پیالی بڑے اہتمام سے مجھے پیش کی اور میں نے شکریہ ادا کر کے قبول کر لی۔ نوجوان لڑکی چلی گئی تھی لیکن چھوٹی عمر کی لڑکی وہیں بیٹھی ہوئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"اس کا نام رخسانہ ہے۔" مہتاب علی نے اپنی بیٹی کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور ان کا نام ابو۔۔۔۔؟"

"سنا نہیں تم نے۔۔۔۔۔یوسف ہے۔"

"ہم انہیں کیا کہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"تمہارا کچھ کہنا ضروری ہے کیا۔۔۔۔؟"

"تو نہ کہیں کیا۔۔۔؟" لڑکی بولی۔

"نہیں نہیں بھئی۔ ہم بھلا تمہیں کہاں روکیں گے۔ یوسف میاں بس اللہ نے مجھے دو بیٹیاں عطا کی ہیں' بیٹے سے محروم ہوں اور یہی وجہ ہے کہ سڑکوں' میدانوں اور ویرانوں میں تنہا پھرتا رہتا ہوں بس ایسے ہی اجنبی سہارے مجھے سنبھالے ہوئے ہیں۔ یا پھر اللہ کا سہارا ہے۔ خیر یہ کوئی غم

ناک گفتگو نہیں ہے۔ تعارف کرا رہا تھا اپنا' دل کی تکلیف ہوگئی ہے۔ کافی عرصے سے کبھی کبھی ایسی حالت ہو جاتی ہے۔ دو تین بار ہو چکی ہے' ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ عجیب و غریب کیفیت ہے۔ اسے باقاعدہ دل کا دورہ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تین دوروں یا دو دوروں میں تو انسان کبھی کا آسمان پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے میری یہ کیفیت کئی بار ہو چکی ہے' علاج کر رہا ہوں کبھی کبھی تو بالکل ٹھیک ہو جاتا ہوں اور کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے مرض پھر سے واپس آ گیا۔''

میں خاموشی سے مہتاب علی کی صورت دیکھتا رہا۔ انہوں نے خود چائے نہیں پی تھی۔ بیگم صاحبہ نے میری پیالی خالی ہونے کے بعد اسے دوبارہ بھرنے کیلئے کہا لیکن میں نے معذرت کر لی۔

''ہاں تو بیٹے کیا تم ہماری تھوڑی سی خدمت قبول کرو گے؟''

''جی میں سمجھا نہیں۔''

''کل دن میں آ سکتے ہو کسی وقت؟''

''جی ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔''

''یہ پتہ یاد رہے گا۔۔۔؟''

''اگر یاد نہ رہا تو اسے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتا ہوں تلاش کرتا ہوا آ جاؤں گا۔ کوئی حکم ہے میرے لیے۔۔۔؟''

''حکم نہیں بیٹے' التجا ہی سمجھو۔ میں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں تمہاری ملازمت کے لیے کوشش کروں تو۔۔۔۔''

میں مسکرانے لگا۔ مہتاب علی فوراً بولے۔

''دیکھا ناوہی ہوا جسکا خدشہ تھا' تم سوچ رہے ہو کہ اتنے بڑے احسان کا صلہ چکانا چاہتا ہوں۔ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''بخدا میں بھی یہ نہیں سوچ رہا۔''

''تو پھر کیا ہرج ہے میاں۔ تم انسانی محبت سے مجبور ہو کر مجھے اپنا وقت برباد کر کے یہاں تک لائے' کیا تمہارے خیال میں' میرے دل میں انسانی محبت نہیں جاگ سکتی' جو کچھ کر سکتا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''یہ میری ضرورت ہے مہتاب علی صاحب' آپ حکم دیتے ہیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی آپ کی دوبارہ خبر گیری کرنا چاہتا تھا۔ آپ فرمایئے کس وقت حاضر ہو جاؤں؟''

''میاں کل گیارہ بجے۔۔۔ ہم اس کیفیت میں اپنی ملازمت پر تو نہیں جا سکیں گے لیکن حالت بہتر ہو گئی تو تمہارے ساتھ ضرور چلیں گے۔ باقی تفصیلات تمہیں کل دن ہی میں بتائی جائیں گی۔'' مہتاب علی بولے۔ اس کے بعد میں نے ان سے اجازت طلب کر لی۔ راستے ذہن میں رکھے تھے۔ کشنا کے گھر کے سامنے چوپال لگی ہوئی تھی۔ مالتی' رمارانی' رادھا' لکشمی سب ہی باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کشنا بھی تھی۔ مجھے دیکھ کر سب خوشی سے کھل اٹھے۔

''رتنا آ گیا۔ رتنا آ گیا۔'' آوازیں ابھریں۔

''گھر میں سانپ نکل آئے ہیں کیا۔ سب لوگ باہر کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''اس باؤلی نے ناک میں دم کر رکھا تھا اسے ابھی تک تم پر بھروسہ نہیں ہے کہتی تھی تم نہ آؤ گے۔''

''اسے میں سمجھا لوں گا۔'' میں نے کہا اور سب کے ساتھ اندر گیا۔ نئے حالات کے تحت ان لوگوں میں ضم ہونے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ کشنا کو سمجھایا۔ رمارانی کو بتایا کہ نوکری کی کوشش کر رہا ہوں مل جائے گی۔ امید پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے حالات بہتر ہو جائیں گے۔

''رمارانی غمزدہ ہو گئیں۔'' کیا کچھ نہیں تھا' ہمیں کیا روپے پیسے کی کمی تھی مگر۔ اور پھر ایک طرح سے اچھا ہوا۔ صدیوں کی ریت تو ٹوٹی۔ ایک بیوہ کبھی شریف زادی بنی وہ بھی پورے پریوار کے ساتھ۔ عادی ہو جائیں گے سے بھی بیت جائے گا۔ روکھی سوکھی کھا کر اور اگر ایسا ہو گیا تو سب ہی کا جیون سنور جائے گا۔ یہاں ہمیں کون جانتا ہے اس لیے الگ تھلگ پڑے ہیں۔ پیٹ بھرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔'' رمارانی کے خیالات بہت بدل گئے تھے میں پھر جذباتی ہوا تھا لیکن دل ہی دل میں توبہ استغفار کر لی تھی اسی جذباتیت نے تو اس منزل پر لا ڈالا تھا۔

دوسرے دن ٹھیک گیارہ بجے مہتاب علی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ یہاں بھی ایک محترمہ دروازے پر موجود تھیں اور جیسے ہی میں اس دروازے کے سامنے رکا انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ رخسانہ تھی' مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور معصوم لہجے میں بولی۔

''ایک ایک منٹ گن رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں ہمارے بھیا جی وعدہ خلافی نہ کر دالیں۔ ہم ذرا وعدے کے پابند آدمی ہیں اباجی نے ہمیشہ یہی سکھایا ہے کہ بیٹا جب کسی سے وعدہ کرو تو اسے اپنا ایمان بنالو۔ ہم تو وعدے کو ایمان بنالیتے ہیں بھیا جی آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں۔'' رخسانہ کی معصوم باتوں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ میں نے پیار سے کہا

''بھئی بہت اچھی خاتون ہیں بلکہ یوں سمجھ لیں کہ آپ تو بیٹھے بٹھائے ہماری استاد بن گئیں۔ ایسا سبق سکھایا ہے ہمیں کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔''

''اور کبھی وعدہ خلافی نہیں کریں گے'' رخسانہ نے کہا

''جی بالکل آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

''تو پھر پہلا وعدہ یہ کیجئے کہ اندر جا کر کسی کو نہیں بتائیں گے کہ ہم نے آپ سے اسطرح گفتگو کی ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ سب سے ادب داحترام سے پیش آیا جائے۔ کسی سے ضرورت سے زیادہ باتیں نہ کی جائیں۔ مگر ہم کیا کریں۔ یہاں تو بس تین ہی بڑے ہیں نہ کوئی ہمارے برابر کا ہے اور نہ کوئی ہم سے چھوٹا۔ بڑوں سے ہنس کر بات کی جائے تو گستاخی ہو جاتی ہے اور چھوٹوں کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اب بتایئے رخسانہ کرے تو کیا کرے۔ آیئے بھیا جی اندر آیئے۔ کان دروازے پر لگے ہوں گے۔ گیارہ بج رہے ہیں اور ابامیاں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ دروازے پر رکیں۔''

''کیسی طبیعت ہے مہتاب علی صاحب کی؟''

''اللہ کے فضل سے ٹھیک ہیں اب، آجایئے نا'' کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے آپ کو باتوں میں لگا رکھا تھا'' رخسانہ کی شوخ و چنچل باتوں نے جی خوش کر دیا تھا۔ مہتاب علی صاحب کی حالت کافی بہتر ہو رہی تھی۔ چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ بیگم صاحبہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ تیار تھے۔ چھڑی کرسی کے ساتھ لگا رکھی تھی۔ جوتے پہنے ہوئے تھے سلام دعا ہوئی کہنے لگے۔

''بس میاں! ویسے تو تمہاری خاطر داری ہم پر فرض ہے لیکن چلنا ضروری ہے، ہوسکتا ہے کہ حاجی صاحب کہیں نکل جائیں ان کے جانے سے پہلے ان تک پہنچنا ضروری ہے۔ ویسے ان کا ملازم آیا تھا ہم نے اپنی بیماری کی اطلاع دے دی ہے۔ بہت ہی اچھے انسان ہیں۔ چلو راستے میں باتیں ہوں گی۔ اچھا بھئی ہم چلتے ہیں۔ اور واپس یہیں آئیں گے اور دوپہر کے کھانے میں آپ کو کیا انتظام کرنا ہے اسکی ہدایت تو آپ کے پاس موجود ہے۔ آج کی بات تو نہیں ہے''۔ مہتاب علی نے اپنی بیگم سے کہا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو وہ جلدی سے بولے۔

''نہیں میاں ظاہر ہے مہمان میزبانوں سے تکلف کی باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے، لیکن میزبان سمجھتے ہیں کہ کس چیز کی کیا ضرورت ہے اب آؤ، دیر ہو جائے گی تانگہ بھی تلاش کرنا ہوگا۔''

میں مہتاب علی صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایسے بہت سے کرم فرما، محبت کرنے والے مجھے زندگی میں مل چکے تھے اور ایسے لوگوں سے محروم نہیں رہا تھا۔ بہرحال یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس دنیا میں صرف نفرتیں ہی میری ہم رکاب نہیں رہی تھیں بلکہ محبتوں کا توازن بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جینا کس قدر مشکل ہوتا، اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ تانگہ تھوڑی دیر کے بعد ہی مل گیا اور مہتاب علی صاحب نے اسے پتہ بتا دیا، تانگہ آگے بڑھا تو مہتاب علی صاحب نے کہا۔

''ہم نوکری کرتے ہیں حاجی فیاض احمد صاحب کے ہاں اور یہ حاجی فیاض احمد صاحب بنارس میں تلے اور زری کا کام کے سب سے بڑے تاجر ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ سولہ کارخانے ہیں۔ ان کے جن میں بنارسی کپڑا اور بنارسی ساڑھیاں وغیرہ تیار ہوتی ہیں اور ہندوستان بھر میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اللہ نے خوب نوازا ہے زر، جواہر سے اور جواہر پارے بکھیر دیے ہیں انہوں نے

پورے ہندوستان میں، لیکن طبیعت کے ایسے نیک اور نفیس کہ آج بھی اپنے ملازمین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور کوئی تکلف نہیں ہوتا لیکن چونکہ خود اپنے بازوؤں سے کمایا ہے اور خاندانی ورثہ منتقل نہیں ہوا اس لئے خود تو نیک نفس اور ملنسار آدمی ہیں، لیکن اہل خانہ کا ان کی کمائی سے خانہ خراب ہو گیا ہے۔ خصوصاً صاحب زادی در شہوار، موجودہ دور کی عکاسی کرتی ہیں۔ حاجی صاحب سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ اول سے آخر تک کہیں اور اس سے آگے اولاد کا تصور نہ کیا جائے۔ چنانچہ حاجی صاحب نے بھی قناعت کر لی اور در شہوار بری طرح بگڑ گئیں، میں اپنے ملک کی بیٹی کی برائی نہیں کر رہا بچی بہت اچھی ہے، نیک طبیعت اور اچھے عادات و خصائل کی مالک، لیکن طبیعت میں غرور ہے۔ ملنا جلنا اپنے ہم پلہ لوگوں سے ہے اسلئے عام لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ ساری باتیں اس لیے کہہ دی ہیں۔ میاں یوسف کہ ہوسکتا ہے کہ تقدیر یاوری کرے اور تمہارا واسطہ انہی لوگوں سے پڑے۔ جہاں تک رہا بیگم فیاض کا معاملہ تو یوں سمجھ لو کہ وہ نہ تیتر ہیں نہ بٹیر، جب کبھی خاندانی کیفیت ابھر آتی ہے تو وہ انسان ہوتی ہے۔ اور جب زمانے کے رنگوں میں رنگی ہوتی ہوں تب ان کی رنگینیاں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں۔ تمہیں یہ سب کچھ بتانا اس لیے ضروری ہے کہ ہم کریں گے آج تمہاری نوکری کے لیے بات چیت اور اللہ کی ذات سے تو یہی امید ہے کہ نوکری مل جائے گی۔ دیکھو میاں! ابھی اس وقت تانگے میں اپنی پسند بتا دو۔ ہم تو حاجی صاحب سے یہ کہیں گے کہ ہمارا اپنا بچہ ہے کوئی بھی جگہ دے دی جائے لیکن اگر تمہاری کوئی پسند ہو تو''۔

''میں نے حیرانی سے مہتاب علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مہتاب صاحب! مجھے صرف ملازمت چاہیے۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں، کوئی پسند نہیں''۔

''خدا خوش رکھے! ویسے بھی مذہب نے رزق حلال کے لیے محنت کو افضل قرار دیا ہے۔ لوگ تو تن آسانی تلاش کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر حصول رزق میں پسینہ نکل آئے تو یوں سمجھ لو کہ موتیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ بہر حال مسرت ہوئی''۔

جس حویلی کے ساتھ تانگہ رکا تھا وہ اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ بنارس کے کسی رئیس کی حویلی ہے لیکن بنارس کے یہ رئیس جو سادہ سے کرتے پاجامے اور دو پلی ٹوپی میں ملبوس تھے کسی بھی طرح اس حویلی کے مالک نظر نہیں آتے تھے۔ دور ہی سے لپکے لپکے آئے تھے اور مہتاب علی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

''اماں مہتاب! کیوں پریشان کرتے رہتے ہو۔ تم مجھے، بار بار بیمار پڑ جاتے ہو اور میں کہتا ہوں کہ تم آئے کیوں۔ ایں...... میں تو خود آنے والا تھا تمہارے پاس۔ نجانے کس سے دل لگا بیٹھے ہو۔ یہی کہتا ہوں کہ اس عمر میں دل کا روگ پالنا ضروری تھا کیا''۔ مہتاب علی صاحب نیاز مندی سے مسکرائے اور بولے۔

''اس بچے کو لے کر حاضر ہونا ضروری تھا حاجی صاحب، ورنہ نہ آتا''۔

''اماں تو بچے کو بھیج دیا ہوتا، کون ہے یہ''۔

انہوں نے میری طرف دیکھا تو میں نے انہیں سلام کیا، حاجی صاحب مجھے دیکھتے رہے پھر بولے۔

''کون ہیں یہ مہتاب صاحب''۔

''بس یوں سمجھ لیجئے عزیز ہے میرا۔ نوکری کا خواہش مند ہے''۔

''اچھا۔ اچھا۔۔۔۔ کہاں کس کارخانے میں لگنا ہے۔ کوئی کام جانتے ہیں یہ یا کوئی اور نوکری دینا چاہتے ہیں آپ۔ ارے ہاں میاں ذرا ایک بات تو بتاؤ۔ گاڑی چلانا آتی ہے؟''۔

''جی'' میں نے جواب دیا۔

''بس ٹھیک ہے اور کوئی حکم مہتاب علی صاحب''۔

''نہیں حضور۔ بس آپ کی نوازشوں کے سائے میں پروان چڑھ رہا ہوں''۔

''مصرع ثانی بھی عرض کر ڈالئے''۔ حاجی صاحب نے ظرافت سے کہا اور مہتاب علی مسکرانے لگے۔ تب حاجی صاحب نے مڑ کر کسی کو آواز دی اور ایک دبلا پتلا سا آدمی قریب آ گیا۔

''گاڑی کی چابی کہاں ہے''۔حاجی صاحب نے پوچھا۔

''یہ ہے سرکار''۔اس شخص نے چابی نکال کر حاجی صاحب کے حوالے کردی۔

''پٹرول ہے گاڑی میں''۔

''ٹنکی بھری ہوئی ہے''۔وہ بولا۔

''ٹھیک ہے جاؤ''۔حاجی صاحب بولے اور پھر چابی مجھے دیتے ہوئے کہا۔''میاں آپ اپنی ملازمت کا آغاز یوں کریں کہ سب سے پہلے ان مہتاب علی کو ان کے گھر پہنچادیں''۔

''ایک اورعرض ہے''۔مہتاب علی بولے۔

''ارشاد''۔

یہ بنارس کے گلی کوچوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔اس میں قباحت ہوگی۔

''میاں!جیسے جہاں جانا ہوگا راستہ خود بتائے گا آپ جائیے''۔راستے میں مہتاب علی حاجی صاحب کے بارے میں بہت کچھ بتاتے رہے تھے گھر جا کر وہ لنچ بھی کینسل کرنا پڑا تھا جس کی ہدایت مہتاب علی لے کر آئے تھے۔پھر میں واپس حاجی صاحب کی کوٹھی پہنچ گیا۔حاجی صاحب نے ایک معقول تنخواہ کی پیشکش کی تھی بہت سی مراعات سے نوازا تھا۔صبح آٹھ بجے یہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔واپسی کا کوئی تعین نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ بور نہیں تھا۔دل خوشی سے منور ہوگیا تھا۔دوتین جگہ کے کام سونپے گئے تھے اور میں نے خوش اسلوبی سے سرانجام دیے تھے۔سورج چھپے چھٹی دی گئی اور واپسی میں حاجی صاحب نے کچھ رقم جیب میں ٹھونس دی۔

''نہ یہ قرض ہے نہ بخشش نہ انعام۔یہ فرض ہے جو آج میں پورا کر رہا ہوں۔کل تم پورا ادا کرنا اور جسے کچھ دو اسے ہدایت کرنا کہ جب وہ صاحب استطاعت ہو تو اسے کسی اور کو واپس کر دے۔ضد پاردوقدم کر کے میرے اصولوں کو مجروح نہ کرنا جو مجھے کسی اور نے دیا تھا وہ میں تمہیں دے رہا ہوں''۔میں نے خاموشی سے گردن ہلادی تھی۔

رمارانی کے سامنے وہ پیسے رکھ دیے۔

''ارے یہ کیا ہے''۔

''میری کمائی''۔میں نے کہا۔رمارانی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔وہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر انہوں نے عجیب سے انداز میں مجھے دیکھا اور خاموشی سے چلی گئیں۔میں ان کی کیفیات سمجھ نہیں پایا تھا۔کھانے کے بعد البتہ انہوں نے کہا۔

''تمہاری حیثیت اتنی معمولی ہے رتنا''۔

''سمجھا نہیں رمارانی''۔

''مجھے تو تمہاری پیشانی جگمگاتی نظر آتی ہے۔لگتا ہے دھرتی پر پاؤں ماروگے تو دولت ابل پڑے گی''۔میں مسکرادیا میں نے آہستہ سے کہا۔

''میں دھرتی پر پاؤں نہیں مارنا چاہتا رمارانی''۔

''سادھوؤں،درویشوں،منیوں اور دیوتاؤں جیسی باتیں کرتے ہو۔سنسار طاقت کی زبان سمجھتا ہے اور سنسار میں سب سے زیادہ طاقتور دولت ہوتی ہے۔ایک بار دولت کے ڈھیر لگالو جیون بھر تک کے لیئے دیوتا اوتار بن جاؤ۔سوچنا میری بات پر۔وہ باؤلی تمہارے لیے سولہ سنگھار کر رہی ہے''۔

''میں ان کے جانے کے بعد ان کی باتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔دولت کے انبار میرے پیروں تلے تھے مگر حلال کی کمائی کے چار لڈو میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔سوچا پھر کبھی ان سے بات کروں گا۔مطلب پوچھوں گا ان باتوں کا البتہ باؤلی کے سولہ سنگھار کے بارے میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔وہ رات گئے میرے کمرے میں گھس آئی۔کشنا تھی اور شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی سرخ رنگ کا لباس گہنے پھولوں کے مہکتے ہار۔ہونٹوں پر نشہ آلود مسکراہٹ آنکھوں میں انوکھا خمار۔بوجھل بوجھل ارمان بھرے احساسات سے لڑکھڑاتی ہوئی۔

''رتنا''۔۔۔۔اس کی نغمہ بار آواز ابھری۔

''تمہیں کیا ہوگیا کشنا''۔

''دلہن بنی ہوں تمہارے لیے۔ماں نے اجازت دے دی ہے مجھے اپنے چرنوں میں سویکار کر

لو۔ ہمارا پریم امر ہو جائے گا۔ آج پورنی ماشی ہے رتنا۔ بڑی رات ہے۔ آج کی رات اور بڑی ہو جائے گی۔ مجھے سویکار کرلو رتنا''۔ اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔

''ارے۔ اوے کشنا! تمہیں کیا ہو گیا''۔ میں نے جلدی سے پاؤں سکوڑ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ مگر اچانک میری گھگھی بندھ گئی۔ میری نظریں اس کے مہندی رچے ہاتھوں پر جم گئیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں سات سات انگلیاں تھیں۔ میر ے حواس گم ہو گئے۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔

اچانک طلسم ٹوٹ گیا۔ یوسف باگا صاحب کی آواز گھٹ گئی۔ میں چونک پڑا اور پریشان نظروں سے ادھر دیکھنے لگا۔ بمشکل تمام ان کی آواز ابھری۔

''آہ'' گڑ بڑ ہو گئی۔ میری داستان ادھوری رہ گئی۔ اس کی تکمیل یوں سمجھ لو کہ اپنے گناہوں کا کفارہ مجھے اپنا بدن دے کر کرنا پڑا۔ میرا وجود خالی ہو گیا۔ بس یہ ہے میری کہانی۔

کہیں باگا صاحب۔

''بہت سی داستانیں ادھوری رہ جاتی ہیں۔ میری داستان بھی ادھوری رہ گئی۔ خیر۔۔۔۔ ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔

''مگر باگا صاحب۔۔۔۔: میں نے پھر کہنا چاہا لیکن مجھے صرف کلمہء شہادت بار بار پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ پھر یہ آواز خاموش ہو گئی نہیں شاید آپ یقین نہ کریں گے کہ میں نے ایک حسین ترین بزرگ کو دیکھا جو دنیا سے جا چکے تھے۔ موت کے بعد باگا صاحب کا بدن انہیں مل گیا تھا۔ بہرحال میں نے کس کی تدفین کی تھی۔ بہت دن تک میں اس ادھوری داستان کو یاد کرتا رہا۔ باگا صاحب بھولنے کی چیز نہیں تھے بہرحال ان کی تمام دولت اور جائداد کا میں نے ایک ٹرسٹ بنایا اور اس میں باگا صاحب کے نام سے کام ہونے لگا۔

میں نے ملازمت کرلی ہے۔ سیما کے والدین نے میری شادی کرادی ہے۔ اور میں خوش ہوں۔ لیکن اس ادھوری کہانی کی خلش آج بھی میرے ذہن میں ہے۔

☆......☆......☆